۱۲۱

وہ کُفار کی بَربریّت پر قَہر بن کر ٹُوٹا

دارِ عمر

غازی



رَحمت اللہ ترکمن

اِسلام کے عہدِ عُروج کی سچی داستان
جو تاریخ بھی ہے اور مستقبل کا خواب بھی!

۱۷۱

وہ کفار کی بربریت پر قہر بن کر ٹوٹا

طارق بن زیاد

غازی

تحقیق، تصنیف و تحشیہ:

رحمت اللہ ترکمن

تصاویر، تحقیق و تہذیب:

سلمان خالد

بُک کارنر

جہلم، پاکستان

Ertugrul Ghazi
by Rahmatullah Turkmen
Jhelum: Book Corner. 2020
368p.
1. Biography - History - Islam
ISBN: 978-969-662-269-7

© جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

اس کتاب کا کوئی بھی حصہ یا تصاویر ناشر کی پیشگی اجازت کے بغیر کسی بھی وضع یا جلد میں کُلّی یا جُزوی، منتخب یا مکرر اشاعت یا بہ صورت فوٹو کاپی، ریکارڈنگ، الیکٹرانک، مکینیکل یا ویب سائٹ اَپ لوڈنگ کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔

قانونی مشیر: عبدالجبار بٹ (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

مہتمِ اعلیٰ: شاہد حمید

ناشرین: گگن شاہد * اَمر شاہد

تعداد: دو ہزار

اشاعت: 2020ء

کتاب: ارطغرل غازی

تحقیق، تصنیف و تحشیہ: رحمت اللہ ترکمن

تصاویر، تحقیق و تہذیب: سلمان خالد

تزئین و زیبائش: ابوِامامہ

لفظ خواں: محمد اقبال

سرورق: محمد شکیل طلعت

کتابت: نوری نستعلیق، علوی نستعلیق

مطبع: زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور

ناشر: بُک کارنر

Sale Center:
Book Corner Showroom
Opposite Iqbal Library, Book Street, Jhelum, Pakistan
00 92 544 278051, 00 92 544 614977 00 92 314 4440882, 00 92 321 5440882
/bookcornershowroom /bookcorner bookcornerjhelum
info@bookcorner.com.pk www.bookcorner.com.pk

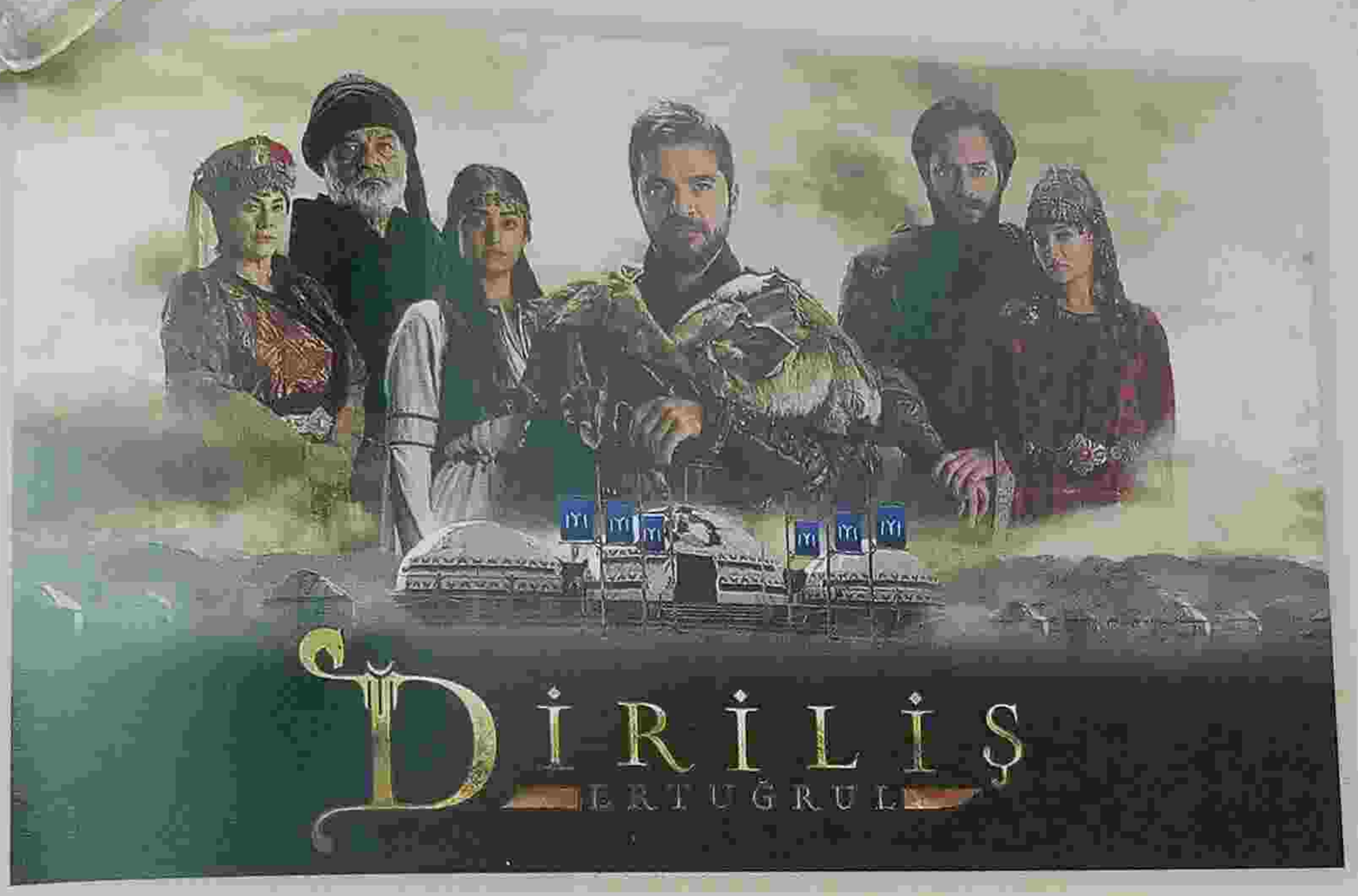
ارطغرل غازی

پیدائش: 1188ء

وفات: 1281ء

عمر: 93 برس

مدفن: سوغوت



''دیریلیش ارطغرل'' کے نام سے ایک ترکی ڈرامہ سیریل 10 دسمبر 2014ء سے 29 مئی 2019ء تک ترکی میں نشر کیا گیا۔ اِس ڈرامہ سیریل نے نہ صرف جمہوریہ ترکی میں مقبولیت کے ریکارڈ قائم کیے بلکہ دُنیا بھر میں اسلامی وغیر اسلامی ممالک میں سب کو اپنے سحر میں مبتلا کر دیا اور کئی زبانوں میں اس کی ڈبنگ نشر ہوئی۔



24 اپریل 2020ء میں وزیر اعظم پاکستان عمران خان کی خصوصی ہدایت پر پی ٹی وی (PTV) سے بھی ڈرامہ ''ارطغرل غازی'' کے نام سے اُردو ڈبنگ میں نشر کیا گیا۔

عثمان غازی کے نام

جو ارطغرل کا بیٹا،

سلطنت عثمانیہ کا بانی،

اور

عظیم مجاہد تھا...

عطا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونے والا ہے

شِکوہِ تُرکمانی، ذہنِ ہندی، نُطقِ اعرابی

اقبال

اگرچہ اسلام کا آغاز عربوں سے ہوا، لیکن بعد ازاں اس کی حفاظت اور اس کو

عظمت کی معراج پر پہنچانے کا شرف ترکوں کے نصیب میں آیا

رحمت اللہ تُرکمن

Söz Uçar, Yazı Kalır

"بات اُڑ جاتی ہے، تحریر باقی رہتی ہے۔"

(قدیم ترک ضرب المثل)

فہرست

یہ مسائلِ تاریخ... (سلمان خالد) 49
پیش لفظ (رحمت اللہ ترکمن) 53

حصہ اول

تُرکوں کی سیاسی و معاشرتی تاریخ

(قبل از اسلام و بعد از اسلام)

* تُرکوں کی ابتدا اور لفظ ''تُرک'' کی وجہ تسمیہ 61
* اوغوز خان 63
* اوغوز خان کی نسل 67
* بَوزَوق لر اور اُوچَوق لر میں تقسیم 68
* قبل از اسلام اہم ترک ریاستیں 68
* ہن ریاست 68
* آق ہن، ہفتالی 70
* گوک ترک 70

* اورخون کتبوں کی تاریخی اہمیت	73
* گوک ترکوں میں کیلنڈر کا نظام	76
* اسلام سے قبل ترکوں کے عقائد اور اجتماعی زندگی	78
* ترکوں کا قبولِ اسلام	84
* محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں قبولِ اسلام	85
* ترکوں کے متعلق احادیث	86
* خلافت راشدہ میں قبول اسلام	93
* اُموی خلافت میں قبولِ اسلام	94
* عباسی خلافت میں قبولِ اسلام	95
* ترکوں کی پہلی اسلامی ریاست	98
* لفظ ترکمن کا اطلاق اور معانی	100
* غزنوی سلطنت	102
* سلجوقیوں کا ظہور	106
* سلجوقی سلطنت کا آغاز	112
* آلپ ارسلان اور جنگِ ملازگرد	120
* ترکوں کی عالمگیر سوچ: قزِل اَیلما	124
* ترکوں میں عسکری وحکومتی القاب	126
خان	126
سلطان	129
یابغو، اینال، گوزرگین	129
آلپ	129

حصہ دوم

ارطغرل غازی

شخصیت و کارنامے، قائی قبیلہ کی سربراہی، خاندان و سپہ سالار، اولاد، روحانی شخصیات،
ابتدائی عثمانی تواریخ میں ارطغرل غازی کا تذکرہ اور سلطنتِ عثمانیہ کا قیام

* عثمانی خاندان کا شجرہ	139
* ارطغرل غازی کی پیدائش اور شخصیت	140
* قائی قبیلے کا ابتدائی مسکن	142
* مستشرقین کی اسلام دشمنی اور سازشیں	146
* سلیمان شاہ	150
* مقبرہ سلیمان شاہ	154
* خیمہ آنا	157
* دوندار بیگ	161
* حلیمہ سلطان	164
* ارطغرل غازی اور قائی قبیلے کی سربراہی	166
* سلطان علاؤ الدین کیقباد اور ارطغرل غازی	168
* قراجہ حصار کی فتح	174
* سلطان علاؤالدین کی وفات	180
* غیاث الدین کیخسرو کی تخت نشینی	183
* امیر سعد الدین کوپیک	185

ارطغرل غازی	
	193
* بابائی بغاوت کا سدباب اور ارطغرل کی خدمات	197
* بایجونویان اور کوسہ داغ کا معرکہ	203
* کیخسرو ثانی کی وفات اور شہزادوں میں خانہ جنگی	208
* منگولوں کا تسلط	210
* سقوطِ بغداد اور عثمان غازی کی پیدائش	212
* معین الدین پروانہ کا زمانہ	214
* سلطان بیبرس کی اناطولیہ آمد	218
* دورِ فتن میں سوغوت اور ارطغرل	221
* سلجوقی سلطان کا ارطغرل غازی پر شبہ کرنا	223
* ارطغرل غازی کی وفات اور مقبرہ	226
* ارطغرل غازی کے بیٹے	226
صاوجی بیگ	230
گوندوز آلپ	233
عثمان غازی (سلطنت عثمانیہ کا بانی)	238
* ارطغرل کے جانثار سپہ سالار اور غازیانِ سلطنت عثمانیہ	239
تورغوت آلپ	241
تورغوت آلپ، اورخان غازی اور گیکلی بابا	246
سامسا چاووش	250
عبدالرحمٰن غازی	252
سالتوق آلپ	253
آیقوت آلپ	

آقچہ قوجہ	255
قونور آلپ	257
حسن آلپ	258
قراعلی	260
کوسہ میحال	262
* ارطغرل غازی اور روحانی شخصیات	264
محی الدین ابن العربی	266
مولانا جلال الدین رُومی	273
حاجی بکتاش ولی	279
شیخ ادیبالی	284
* عثمان غازی کا خواب	286
* ارطغرل غازی کا خواب	289
* ارطغرل غازی کی وصیت	294
* ابتدائی عثمانی تواریخ میں ارطغرل غازی کا تذکرہ	299
تاج الدین احمدی	300
شکر اللہ	307
انوری	310
کرامانی نشانچی پاشا	312
حامدی	314
ابوالخیر رُومی	315
حسن بن محمود بایاتی	326

ارطغرل غازی	329
القونوی	330
یازیجی زادہ علی	332
ابن کمال	333
عاشق پاشازادہ	334
اوروچ بیگ	335
روحی	335
مولانا محمد نشری	336
ادریس بتلیسی	337
لطفی پاشا	337
خواجہ سعد الدین	339
* سلطنت عثمانیہ کا قیام	351
* ارطغرل کے دَور میں دیگر مستقل ریاستیں	352
امارتِ چوبانی	352
آلِ جاندار	353
آلِ اشرف	353
گرمیان	354
قرامانی	356
* ارطغرل کی اولاد سے برصغیر میں حکمران	361
* کتابیات	

یہ مسائلِ تاریخ...

اہلِ پاکستان اور ترک اقوام کا تعلق کوئی نئی اختراع یا باعثِ اچنبھا بات نہیں ہے۔ ماضی قریب میں اس خطے نے ترکوں سے اپنا تعلق تحریک خلافت کی صورت میں نبھایا ہے تو ماضی بعید میں یہ تعلق ترک اقوام کی ان علاقوں میں آمد، آباد کاری اور حکمرانی کی صورت میں قائم رہا ہے۔ گو کہ فی زمانہ اس تعلق کو حملہ آور و محکوم کے رشتے کی نظر سے دیکھا جاتا ہے (جس کی وجہ مسلمان اقوام کا 'اپنے' فلسفہ قومیت سے نظریں چرا کر علاقائی بنیادوں پر قومیت کی تشکیل پر اصرار کرنا ہے)، تاہم اس حقیقت کو بھی جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ ارضِ پاکستان کی غالب اکثریت آج بھی خود کو وسیع تر مسلم برادری سے منسلک سمجھتی ہے۔ جیسے عربوں کا ہیرو، اس قوم کا بھی ہیرو ہے۔ ایسے ہی ترکوں کے ہیروز کو بھی اس قوم نے اپنایا ہے، جن میں ایک نام ''ارطغرل غازی'' کا ہے، جس کا آج کل دُنیا بھر میں چرچا زبان زدِ خاص و عام ہے۔

ارطغرل غازی کی تفصیلی تاریخ، حالات و واقعات تو آپ اس کتاب میں پڑھیں گے ہی۔ یہاں کچھ ذکر پسِ پردہ مسائل کا ہو جائے:

ترکوں سے متعلق اُردو میں جو بھی تھوڑا بہت لکھا گیا، ان میں سے بیشتر کتابوں کے ماخذات انگریزی کتب ہیں یا فارسی۔ بہت کم اردو مصنّفین ترک زبانوں کے شناسا تھے (ان میں جو نام فوری ذہن میں آتا ہے وہ مرحوم احمد حسن دانی صاحب کا ہی ہے)۔ تاہم آپ کے ہاتھوں میں موجود کتاب اس لحاظ سے اہم اور یکتا ہے کہ فاضل مصنف ترک زبان پر مکمل عبور رکھتے ہیں، جو کہ ان کی مادری زبان ہے۔ ترکمنی کے علاوہ رحمت اللہ ترکمن فارسی، انگریزی سے بھی تسلی بخش واقفیت رکھتے ہیں۔ جب کہ ان کی اُردو زبان پر گرفت کا ثبوت خود یہ کتاب ہے!

ترکی زبانیں جاننے، سمجھنے کی بدولت زیرِ نظر کتاب میں جہاں عام دستیاب انگریزی کتب سے مدد لی گئی ہے، وہیں کم یاب ترک کتب کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے تاکہ اُردو قارئین تک ارطغرل کی زندگی کے حالات خود ترکوں کی زبانی پہنچ سکیں۔ مصنف کی ترک تاریخ سے آشنائی کا اندازہ محض کتاب کے آخر میں منسلک کتابیات کے سرسری مطالعے سے یا کتاب میں درج حواشی سے ہی لگایا جا سکتا ہے۔ یوں یہ کتاب نا صرف اُردو میں اپنے ماخذات کی وسعت کے لحاظ سے ایک زبردست اضافہ ہے بلکہ ارطغرل کی حیات پر کسی بھی زبان میں لکھی گئی معیاری ترین کتب کے مقابلے میں بھی رکھی جا سکتی ہے۔

دوسری خاص بات اس کتاب کی یہ ہے کہ اس میں اہم ناموں، مقامات اور واقعات کو اُردو کے ساتھ ساتھ انگریزی یا جدید ٹرکش میں بھی تحقیق کے ساتھ لکھ دیا گیا ہے۔ اس سے دو مقاصد کا حصول ممکن ہوا: اوّل یہ کہ پڑھنے والوں کا تلفظ درست رکھنے میں مدد ملی کیونکہ ترک نام پاکستان میں عام مستعمل نہیں۔ مثال کے طور پر ایک نام ہے گوندوغدو۔ اب یہ گوند-وغدو بھی پڑھا جا سکتا ہے اور گوندو-غدو بھی۔ جب کہ اصل میں یہ نام Gündoğdu ہے۔

تلفظ کی درستی کے ساتھ دوسرا مقصد یہ تھا کہ قاری اگر کسی خاص نام، مقام یا واقعہ پر مزید پڑھنے کا متمنی ہو تو بآسانی تحقیق کر سکے کہ فی زمانہ انٹرنیٹ کی غالب زبان انگریزی

حروف میں ہی لکھی جاتی ہے۔ چند مسائل اس طریقہ کار میں البتہ درپیش رہے۔

وہ یہ کہ اگرچہ جدید ٹرکش زبان لاطینی حروف میں لکھی جاتی ہے اور ان حروف کی تمام آوازیں اسی طرح ادا ہوتیں ہیں جس طرح انگریزی میں ہیں، مگر اس میں چند آوازوں کا فرق ہے۔ سب سے بڑا فرق حرف "C" کی آواز میں ہے، جو جدید ٹرکش میں "J" یا اردو کے "ج" کی آواز دیتا ہے۔

مثال کے طور پر ٹرکش کا ایک عام لفظ ہے Cami۔ بظاہر یہ انگریزی کے زیرِ اثر "کامی" پڑھا جائے گا جبکہ اصل میں یہ لفظ "جامی" ہے اور جامع مسجد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

جدید ٹرکش کی دیگر اہم آوازیں جو انگریزی سے فرق ہیں، کچھ یوں ہیں:

Ç ... "چ" کی آواز دیتا ہے۔

J ... "ژ" کی آواز دیتا ہے۔

Ş ... "ش" کی آواز دیتا ہے۔

H ... بعض مقامات پر "خ" کی آواز دیتا ہے۔

ایک اور مسئلہ ہم آواز حروف کے انگریزی/ٹرکش سپیلنگ کے متعلق درپیش رہی جیسے کہ ق اور ک، س اور ص وغیرہ۔ مثال کے طور پر قرامان شہر کو "ق" سے، مگر کرامانی نشانچی کو "ک" سے لکھا جاتا ہے۔ انگریزی میں اصولی طور پر ایک کو Q اور دوسرے کو K سے لکھنا چاہیے۔ تاہم دونوں کو اب K سے لکھا جاتا ہے۔

ایسے مسائل میں اُردو الفاظ لکھنے کے لیے عثمانی ترکی کو معیار بنایا گیا ہے۔ اسی بنا پر ارطغرل کی والدہ کو خیمہ آنا لکھا گیا ہے جو کہ قبولِ عام نام حائمہ آنا سے مختلف ہے۔

تاہم عثمانی ترکی کا استعمال بھی مسائل سے خالی نہیں رہا کہ عثمانی ترک 'بورصہ' کو 'بروصہ' اور 'استنبول' کو 'اسلام بول' یا 'استانبول' لکھا کرتے تھے جو کہ آج مستعمل نہیں رہا۔ ان معاملات میں اُردو میں ہی موجودہ رائج املا کو معیار بنایا گیا ہے۔

اسی طرح ٹرکش زبان کا رسم الخط تبدیل کرنے سے بھی مسائل پیدا ہوئے ہیں جو کہ کتاب کی نظر ثانی میں بھی سامنے آتے رہے۔ تاہم ان سب کو مناسب طور پر حل کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ اس لیے اگر بعض جگہوں پر لفظ بے اور بعض مقامات پر لفظ بیگ (جو کہ دراصل ایک ہی لفظ بیگ کی دو شکلیں ہیں) پڑھنے کو ملے تو اس سے صرف نظر کی جائے کہ تواریخ جدید و قدیم میں یہ لفظ مختلف ناموں کے ساتھ مختلف شکلوں میں لکھا گیا ہے۔

آخر میں کتاب کے پبلشر جناب امر شاہد کا شکریہ واجب ہے جن کی کوششوں سے یہ معیاری کام اُردو زبان کا حصہ بنا۔ مزید شکریہ اس بات کا کہ مجھے انھوں نے اس شاہ کار کا حصہ بنایا۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف!

سلمان خالد

جون 2020ء

جہلم (پاکستان)

پیش لفظ

ترک قوم تاریخِ عالم میں خاص اہمیت کی حامل ہے۔ ترک قبائل، جن کا نسب حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے یافث سے جا ملتا ہے، قدیم اقوام کی فہرست میں شامل ہیں۔ اسلام سے قبل کے ادوار میں ترکوں نے آسیائے میانہ (وسط ایشیا) سے نکل کر دُنیا کے اکثر حصوں میں عظیم ریاستیں تشکیل دیں۔ جب ترکوں میں لطفِ خداوندی سے ایمان کا نُور داخل ہوا تو ان میں جسمانی قوت کے ساتھ ساتھ روحانی و ایمانی طاقت کا بھی اضافہ ہوا، جس کے بعد بہت کم عرصے میں انھوں نے خود کو شہرت و عظمت کی بلندیوں پر پہنچا دیا اور سینکڑوں علما، شعرا، سلاطین و فاتحین کو جنم دیا۔

ترکوں کی ان عظیم شخصیات میں ایک نام ارطغرل غازی کا سامنے آتا ہے جس نے چار سو خیموں کے ساتھ اناطولیہ کی طرف سفر کر کے اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا اور بہت کم عرصے میں ہزاروں کی تعداد میں غازیانِ اسلام کا لشکر جمع کر کے تاتاریوں اور بازنطینیوں کے خلاف قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ اگرچہ ارطغرل غازی کا نام عثمانی سلاطین و خلفا میں نہیں آتا، لیکن ارطغرل کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس کی اولاد سے 37 سلاطین پیدا ہوئے اور 1299ء سے لے کر 1922ء تک تین براعظموں اور سات سمندروں پر حاکم رہے۔

پڑھنے والوں کے لیے یہ امر بھی دلچسپی کا باعث ہوگا کہ ارطغرل غازی کی اولاد کا برصغیر سے بھی عرصۂ دراز تک تعلق رہا ہے۔ ارطغرل کی ساتویں نسل سے عثمانی سلطان محمد فاتح

کے بھائی شہزادہ یوسف[1] نے جنوبی ہندوستان کے علاقے بیجاپور [Bijapur] میں عادل شاہی ریاست [Adil Shahi Dynasty] کی بنیاد ڈالی، جو دو سو سال تک قائم رہی۔ ظہیر الدین بابر نے جب ہندوستان پر یورش کی تو عثمانی خلیفہ و سلطان سلیم اوّل [Selim I] نے کئی مشہور سپہ سالاروں کو توپ اور لشکر کے ساتھ مدد کے لیے روانہ کیا۔ بعدازاں برصغیر کے مسلمانوں نے انگریز دَور میں تحریکِ خلافت کی صورت میں عثمانی خلافت کے دفاع میں ایک عظیم تحریک چلائی۔

گزشتہ چند برسوں کے دوران ترکی سیریل دیریلیش ارطغرل [Diriliş: Ertuğrul] کے سبب جہاں دُنیا بھر میں ایک فکری انقلاب دیکھنے میں آیا، وہیں پاکستان میں بھی تاریخ کے اس گمنام ہیرو کا نام دوبارہ زندہ ہوا اور ہر خاص و عام میں اس کی حیات اور کارناموں کے متعلق پڑھنے اور جاننے کا شوق پیدا ہونے لگا۔ لیکن اس ڈرامے کے سامنے آنے سے کئی غلط معلومات بھی دیکھنے والوں میں مشہور ہوگئیں اور ایک بڑی تعداد نے ڈرامے کو مکمل طور پر ہی حقیقت تصور کر لیا ہے۔ حالانکہ ارطغرل غازی کی حقیقی زندگی اور کتبِ تواریخ میں مذکور حالات بہت الگ ہیں۔ اس کے متعلق ایک باب میں تفصیلی طور پر وضاحت کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ ایک طبقہ ارطغرل کے خلاف کینہ و بغض میں اس قدر آگے بڑھ گیا ہے کہ اس کی شخصیت و تاریخ پر اعتراض کر کے اور اس کی مسلمانی کے متعلق شکوک و شبہات پیدا کر کے سوال اٹھانے لگا ہے۔ ان اعتراضات کا جواب بھی کتاب میں لکھ دیا گیا ہے۔

سلطنتِ عثمانیہ کے متعلق اُردو زبان میں بہت کم لکھا گیا ہے۔ ارطغرل غازی پر تو کوئی بھی اُردو داں مؤرخ پانچ دس صفحات سے زیادہ نہ لکھ سکا۔ لہٰذا اب اس شخصیت پر علمی و تحقیقی کتاب کی اشد ضروت محسوس ہونے لگی۔ اسی کمی کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کتاب کو سامنے لانے کا فیصلہ کیا گیا۔

---

[1] یوسف عادل شاہ، جن کا لقب عادل خان تھا۔
پرتگالیوں نے اپنی کتب تاریخ میں ان کا نام Hidalcão لکھا ہے۔

درحقیقت ارطغرل کے حالات پر قلم اٹھانا نہایت محنت طلب اور دشوار کام تھا کیونکہ ارطغرل کی شخصیت کے متعلق کتبِ تواریخ میں بہت کم لکھا گیا ہے۔ بعد کے ادوار میں مرتب ہونے والی کتب میں بعض مستشرقین نے اس موضوع پر تاریخ کو مسخ کر کے اپنے بغض ونفرت کا اظہار کیا ہے، جس کا مقصد اہلِ اسلام اور خصوصاً نوجوان نسل کو اپنے اسلاف سے دُور کر کے ان کے جذبۂ ایمانی کو کمزور کرنا تھا۔ اس مقصد کے تحت گزشتہ ایک صدی میں بعض ایسی کتابیں لکھی گئیں جنہوں نے خاموش ہتھیار کا کام کیا۔

ارطغرل کی زندگی پر ایک جامع کتاب ترتیب دینے کے دو راستے تھے۔ پہلا یہ کہ اس کے متعلق مستند اور غیر مستند مواد کو یکجا کر کے، واقعات میں مبالغہ آرائی اور پُرگوئی سے کام لے کر کتاب لکھی جاتی جو کہ پڑھنے والوں کے لیے دلچسپی کا باعث تو ہو جاتی لیکن کتاب تاریخ سے زیادہ فرضی داستان اور فکشن کی شکل اختیار کر لیتی۔ دوسرا راستہ یہ تھا کہ معتبر کتب و روایات کی روشنی میں ارطغرل کی حقیقی زندگی، خاندانی پس منظر اور اس زمانے میں ارطغرل سے وابستہ اہم شخصیات اور واقعات کو اساس بنا کر تاریخ بیان کی جائے، جس سے ارطغرل کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم ہو سکے۔

ہم نے اس کتاب میں دوسرا راستہ اختیار کرنا زیادہ مناسب سمجھا۔

اسلام سے قبل، ابتدائی ترکوں کے متعلق معلومات کا اہم منبع قدیم اَوغُوزنامہ [Oghuz Nama]، دودہ قورقوت کی کتاب [Book of Dede Korkut] اور گور اوغلی کی داستانیں [Epic of Görogly] ہیں، جو کہ ہزاروں سال سے سینہ بہ سینہ لوک داستانوں کی صورت میں ترکوں میں چلتی آئی ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان کتب کے واقعات تبدیلیوں کے باعث افسانوی شکل اختیار کر گئے۔ لیکن تاریخ کو بہتر سمجھنے کے لیے افسانے بھی ضروری ہیں۔ جہاں لکھی ہوئی تاریخ کی رسائی ختم ہوجاتی ہے، وہاں یہی افسانے اور داستانیں اہمیت حاصل کر لیتی ہیں۔ یاد رہے کہ اگر کسی قوم کی اپنی لوک داستانیں موجود ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تاریخ بھی بہت وسعت رکھتی ہے۔ ارطغرل غازی کی طرف سے اپنے بیٹے عثمان کو کی جانے والی آخری نصیحت و وصیت میں تاریخ کی اہمیت کو یوں بیان کیا گیا ہے:

''میرے بیٹے عثمان! جو اپنے ماضی سے ناواقف ہو، وہ اپنے مستقبل سے بھی بے خبر رہتا ہے۔ اپنی تاریخ سے آگہی حاصل کرو، تاکہ تم مطمئن ہو کر آگے کی طرف قدم رکھ سکو۔ ہمیشہ یاد رکھنا کہ تم کہاں سے آئے تھے اور تم نے کہاں جانا ہے۔''

تو لیجیے، کتاب حاضر ہے۔ مجھے یہ دعویٰ کرنے میں کوئی عار نہیں کہ ارطغرل غازی پر یہ اُردو زبان میں شائع ہونے والی پہلی جامع اور تحقیقی کتاب ہے۔ اس کتاب کی اشاعت میں بک کارنر جہلم کے ڈائریکٹر محترم اَمر شاہد صاحب کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنھوں نے اس اہم موضوع پر لکھنے کی حوصلہ افزائی کی اور ارطغرل غازی کے حقیقی اور مستند حالاتِ زندگی کو کتابی شکل میں منظر عام پر لانے کا بیڑا اٹھایا۔ نایاب و کم یاب کتابوں تک رسائی اور دستیابی کا ذریعہ بنے۔ اس کے لیے وہ خراجِ تحسین کے مستحق ہیں۔

ساتھ ہی محترم سلمان خالد صاحب کا بھی نہایت سپاس گزار ہوں، انہوں نے دن رات ایک کر کے کتاب کی باریک بینی سے نظر ثانی کی اور اصلاح و ایڈیٹنگ کی ذمہ داریوں کو بطریقِ احسن سرانجام دیا۔ ابتدائی صفحات میں دی گئی تصاویر کی ریسرچ بھی انہی کی محنت ہے۔

اس کتاب کی تصنیف میں زیادہ تر تُرکی و فارسی اور بعض مقامات پر انگریزی و اُردو ماخذات سے مدد لی گئی ہے تاکہ ایک مستند تاریخ مرتب کی جا سکے۔ تاہم انسان خطا سے خالی نہیں ہے اور چونکہ میری مادری زبان ترکی ہے اس لیے اگر کسی مقام پر کوئی لغزش سرزد ہوگئی ہو تو قارئین سے درگزر کا خواست گار ہوں۔

رحمت اللہ ترکمن
(سیکریٹری افغان پارلیمنٹیرین)

27 جون 2020ء
ہری پور ہزارہ (خیبر پختونخوا)
حال مقیم کابل (افغانستان)
ای میل: Rahmatullah.faryabi@gmail.com

حصہ اوّل

تُرکوں کی سیاسی و معاشرتی تاریخ

(قبل از اسلام و بعد از اسلام)

ریاستوں اور حکومتوں کی ماہیت و ساخت، اکثر اُمور میں درختوں سے مشابہت رکھتی ہیں۔ درختوں کی طرح ان کی بھی جڑیں ہوتی ہیں جو کہ رفتہ رفتہ پروان چڑھتی ہیں۔ شاخیں ہوتی ہیں جو کہ وقت کے ساتھ ساتھ وسیع سے وسیع تر ہوتی جاتی ہیں۔ جس طرح درختوں اور پودوں پر بہار اور خزاں کے موسم گزرتے ہیں، اسی طرح ریاستوں کو بھی عروج و زوال کے موسم دیکھنا پڑتے ہیں۔ جب ریاست کا تناور درخت اپنی بلندی پر پہنچنے لگتا ہے تو اس میں غداری اور سازشوں کی اندرونی و بیرونی دیمک پیدا ہونے لگتی ہے جو اس کی جڑیں کھوکھلی کرنے میں لگ جاتی ہے۔ یوں وقت کے ساتھ ساتھ یہ سرسبز پودا مرجھانے لگتا ہے اور ایک روز اپنی عمر پوری کر کے ختم ہوجاتا ہے۔

عظیم خلافتِ عثمانیہ بھی ایسا ہی ایک سرسبز و تناور درخت تھا، جس کے بیج ارطغرل غازی جیسی عظیم شخصیت نے لگائے جو اپنے دَور میں قائی قبیلے کا سربراہ اور روم کی سلجوقی سلطنت کا وفادار و باکمال اوچ بیگی [Uç Bey] تھا۔ سلاجقہ روم کے

دور میں اوچ بیگوں کے ذمے سرحدوں کی حفاظت کا کام ہوا کرتا تھا۔ بعدازاں ارطغرل کے بیٹے عثمان غازی نے اپنے والد کے نقش قدم کی پیروی میں ایک عظیم الشان سلطنت کے خواب کو حقیقت بنایا اور اس کی اولاد نے چھے صدیوں سے زائد تک تین براعظموں میں اسلام کا نعرہ بلند کیا جو کئی نشیب و فراز سے گزرنے کے بعد تقریباً ایک صدی قبل اپنے اختتام کو پہنچی، لیکن جمہوریہ ترکی کے نام سے ایک شاخ کو ہرا بھرا چھوڑ گئی جو کہ عظمتِ رفتہ کی بحالی کے لیے ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ اقبال نے اسی کے متعلق یہ مژدہ سنایا تھا:

اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

عطا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونے والا ہے
شکوہِ تُرکمانی، ذہنِ ہندی، نُطقِ اعرابی

ہمارا موضوع اسی شکوہِ تُرکمانی کے متعلق ہے۔

اگرچہ اسلام کا آغاز عربوں سے ہوا، لیکن بعد ازاں اس کی حفاظت اور اس کو عظمت کی معراج پر پہنچانے کا شرف ترکوں کے نصیب میں آیا اور گزشتہ ایک ہزار سالوں میں بے شمار ترک سلاطین، علما اور شعرا سامنے آئے، جنھوں نے دُنیا کے ہر کونے میں توحید کا پیغام پہنچایا۔ کبھی فاتح سومنات محمود غزنوی کے رُوپ میں بُت شکنی کا درس دیا، کبھی مولانا رُومی کی صورت میں دلوں کو رُوحانیت بخشی، اور کبھی سلجوق حکمران آلپ ارسلان [Alp Arslan] اور مملوکِ مصر کے حکمران

سلطان بیبرس [Baibars] کے ذریعے عالم اسلام کی رُومی اور تاتاری حملہ آوروں کے شر سے حفاظت کی۔

جیسا کہ معلوم ہے، ارطغرل غازی اوغوز ترکوں کے قائی قبیلے [Kayi] سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لیے ارطغرل پر آغازِ سخن کرنے سے پہلے ترک، اوغوز اور قائی کے متعلق جاننا ضروری ہے، جن کے متعلق مختصر تذکرہ کرنے کے بعد ہم اپنے اصل موضوع پر آئیں گے۔

تُرکوں کی ابتدا اور لفظ ''تُرک'' کی وجہ تسمیہ

ترکوں کی تاریخ کو ہم دو ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں:
قبل از اسلام تاریخ اور بعد از اسلام تاریخ۔

تمام مؤرخین اس نکتے پر متفق ہیں کہ ترک حضرت نوح علیہ السلام [Noah] کی اولاد سے ہیں۔ ابتدائی و قدیم ترک تواریخ میں دیوان لغات الترک از محمود کاشغری (تالیف 1063ء)، شجرہ تراکمہ، اورغوزنامہ اور جامع التواریخ معتبر حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے تھے:

۱ حام [Ham] ۲ سام [Shem] ۳ یافث [Japheth]

جامع التواریخ میں مذکور ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے تینوں بیٹوں کو زمین کے تین مختلف مقامات پر آباد ہونے کے لیے روانہ کیا۔ عرب اور ایرانی اقوام، نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کی اولاد سے ہیں۔ حام، سیاہ فام اقوام کا جد اعلیٰ ہے۔ جبکہ یافث کی نسل سے ترک اقوام وجود میں آئیں۔

روایات کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کے حکم سے یافث مشرق کی جانب جا کر آباد ہوا، 250 سال عمر پائی اور آٹھ بیٹے ہوئے، جن کے نام یہ ہیں:

۱ ترک ۲ خزر ۳ چین ۴ سقلاب
۵ روس ۶ منگ ۷ کماری ۸ تارخ

یافث کی وفات کے بعد اس کا بڑا بیٹا ''ترک'' جانشین مقرر ہوا۔ دُنیا بھر کے ترک و مغل اقوام اسی کی نسل سے ہیں۔

ترک نے روئے زمین کے اکثر ممالک کا سفر کیا اور اِیسیق کُول [Issyk Kul] نامی جگہ کو مسکن بنایا۔ یہ جگہ موجودہ قرغستان میں ہے۔ اس کے چار بیٹے تھے، جن کے نام یہ ہیں:

۱ توتک ۲ چیگیل ۳ برسجار ۴ املاق

ترک نے مرتے وقت ''توتک'' کو اپنا وارث مقرر کیا۔ یہ عجم کے مشہور بادشاہ کیومرث [Keyumars] کا ہم عصر تھا۔ کہا جاتا ہے کہ خوراک میں نمک کے استعمال کی ابتدا توتک سے ہوئی تھی۔ اس بارے میں یہ روایت نقل کی جاتی ہے:

> ''ایک روز توتک شکار پر نکلا اور ایک ہرن کا شکار کر کے اس کا گوشت بھون کر کھا رہا تھا۔ اسی اثنا میں گوشت کا ایک ٹکڑا زمین پر گرا۔ اس نے اُٹھا کر منہ میں ڈالا تو بہت خوش مزہ اور لذیذ معلوم ہوا۔ معلوم ہوا کہ وہ زمین نمکیلی تھی۔ اس کے بعد سے نمک خوراک کا اہم جزو بن گیا۔''

توتک کے بعد ''املیجہ خان'' اور اس کے بعد ''دیپ باقوی'' حکمران بنا۔ دیپ کے معنی تخت اور باقوی کے معنی حاکم کے ہیں۔ اس کے بعد ''گوک خان'' نے ترکوں کی سربراہی سنبھالی اور مرتے وقت اپنے بیٹے ''النجہ خان'' کو جانشین بنایا۔

النجہ خان کے زمانے میں ترکوں کی آبادی کافی بڑھ گئی تھی اور ان کی سرزمین بھی بہت وسیع ہوئی۔ اس کے دو بیٹے ہوئے، جن کا نام تاتار اور مغل رکھا گیا۔ النجہ خان نے وفات سے قبل اپنے دونوں بیٹوں میں مملکت کو برابر تقسیم کیا۔ والد کے گزرنے کے بعد تاتار اور مغل نے اپنے اپنے علاقوں کی حاکمیت سنبھالی۔

مغل خان کے چار بیٹے ہوئے:

۱ قراخان ۲ گورخان ۳ قیرخان ۴ اورخان

''قراخان'' اپنے بھائیوں میں سب سے بڑا تھا، اس لیے ترکوں کے قاعدے کے مطابق اپنے قبیلے کا حکمران بنا۔

اَوغُوز خان

'شجرہ تراکمہ' اور 'اوغوز نامہ' میں ترکوں کے سب سے اہم جد اعلیٰ اَوغُوز خان کی پیدائش کے متعلق درج ہے:

> ''قراخان کے گھر میں ایک بچے کی پیدائش ہوئی۔ ایسا حسین اور نورانی چہرہ کہ کسی آنکھ نے ایسا جمال نہ دیکھا تھا۔ اس کے متعلق یہ حکایت مشہور ہے کہ اس بچے نے پیدا ہونے

کے بعد تین شب و روز تک اپنی ماں کا دودھ نہیں پیا۔ ہر رات کو یہ اپنی ماں کے خواب میں آکر کہتا کہ اے مادر! خدائے واحد پر ایمان لے آ، ورنہ میں مر جاؤں گا لیکن تیرے دودھ کو منہ نہ لگاؤں گا۔ بالآخر اس عورت سے بچے کا درد دیکھا نہ گیا اور وہ مخفی طور پر ایمان لے آئی۔''

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ترک قوم کب کفر کی طرف راغب ہوئی؟ دراصل ترک، حضرت نوح علیہ السلام کے بعد یافث کے زمانے سے النجہ خان تک مسلمان تھے لیکن مابعد مال و دولت کی فراوانی میں اس قدر غرق ہوگئے کہ انھوں نے خدا کو بھلا دیا اور کفر میں داخل ہوگئے۔

''ترکوں میں روایت تھی کہ ایک سال کا ہونے تک بچے کا نام نہیں رکھا جاتا تھا۔ قراخان کا بیٹا جب ایک سال کی عمر کو پہنچا تو اس نے پورے ملک میں دعوتِ عام کا اعلان کیا اور نام رکھنے کی رسم منعقد کی گئی۔ اس سے پہلے کہ کوئی نام تجویز کیا جاتا، یہ بچہ معجزانہ طور پر قدرتِ خداوندی سے بول پڑا اور کہا:

''میرا نام اَوغُوز ہے۔''

یہ دیکھ کر تمام حاضرین دنگ رہ گئے کیونکہ اس سے قبل دُنیا میں کسی نوزائیدہ بچے کا بولنا کہیں بھی دیکھا، سنا نہیں گیا تھا۔ بزرگوں نے فیصلہ کیا کہ چونکہ یہ اپنا نام خود ہی بتا رہا ہے، تو

یہی مناسب ہے۔''[1]

یہ تمام واقعات کتاب ''اوغوز نامہ'' میں تفصیل سے منظوم بیان کیے گئے ہیں:

''اوغوز خان پیدائشی ولی تھے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کی پاک دامنی ثابت کرنے کے لیے نومولود عیسیٰ علیہ السلام سے کلام کروایا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے حق میں عزیز مصر کے دربار میں شیر خوار بچے سے گواہی دلوائی۔ اسی طرح اوغوز خان کا بھی کلام کرنا بعید نہیں۔''[2]

بعض مؤرخین اور ترک روایات اوغوز کے قرآن میں مذکور ذوالقرنین ہونے پر بھی دلائل پیش کرتے ہیں۔

اوغوز کے جوان ہونے پر قراخان نے اپنے بھائی گورخان کی بیٹی سے اس کی شادی کروا دی۔ اوغوز خان نے اپنی بیوی سے تنہائی میں کہا:

''تیرا اور میرا رب، ایک اللہ ہے جس نے پوری کائنات کی تخلیق کی۔ اس کی وحدانیت پر ایمان لے آ اور اس کے احکام پر عمل کر۔''

گورخان کی بیٹی نے اس کی بات قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اوغوز نے اس سے قطع تعلق کر لیا۔

---

[1] Şecere-i Terakime, Yazan Ebülgazi Bahadır han, Sayfa 25-26

[2] اوغوز نامہ، رشید الدین فضل اللہ، صفحہ 34-35

قراخان کو کچھ عرصے بعد معلوم ہوا کہ اوغوز کے تعلقات اس کی اہلیہ سے ٹھیک نہیں ہیں، اس لیے اس نے دوسرے بھائی قیرخان کی بیٹی سے اس کی شادی کروائی۔ لیکن وہ بھی اوغوز کی تبلیغ پر ایمان نہ لائی۔ اوغوز نے اس سے بھی اپنا بستر الگ کر لیا اور گفتگو ترک کر دی۔ ایک دن اوغوز خان نے اپنے چچا، اورخان کی بیٹی کو دیکھا، وہ اسے پسند آئی، اس کے پاس جا کر اپنے عقیدے سے آگاہ کیا اور اس کو دین حق کی دعوت دی، وہ لڑکی ایمان لے آئی۔ اوغوز خان نے اس کے ساتھ نکاح کر لیا۔

ایک روز جب اوغوز خان شکار کے لیے گیا ہوا تھا، اس کی پہلی دو بیویوں نے قراخان کے پاس جا کر اوغوز کے الگ دین پر ہونے اور ان سے قطع تعلق کرنے کے متعلق آگاہ کیا۔ قراخان یہ سن کر آگ بگولہ ہوا اور اپنے سپاہیوں کو جمع کر کے اوغوز کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ اوغوز کی مسلمان اہلیہ نے آدمی بھیج کر اس کو اطلاع پہنچائی اور اوغوز کے حامی و نزدیکی سپاہی اس کے ساتھ ہو گئے۔ جنگل میں باپ بیٹے کے درمیان لڑائی میں اوغوز کو فتح حاصل ہوئی اور قراخان تیر لگنے سے ہلاک ہوا۔

اوغوز خان نے جنگ میں فتح پا کر حکمرانی سنبھالی اور قوم کی اکثریت اس پر ایمان لے آئی۔ 70 برس تک اس نے مختلف علاقوں پر یورش کی اور دین کی دعوت دی۔ کتاب ''شجرہ تراکمہ'' کے مطابق اوغوز خان نے ہندوستان پر حملہ کر کے کشمیر کو فتح کیا۔ اس کے بعد چین، ایران، مصر، شام کے ممالک کو بھی فتح کرنے کا ذکر موجود ہے۔ خلجی [Khalji]، قارلق [Karluk]، اوئیغور [Uyghur] قبائل

بھی اوغوز خان سے منسوب ہیں اور مذکورہ کتاب کے مطابق ان کے نام اوغوز خان نے رکھے تھے۔ ان ناموں کی وجہ تسمیہ کے متعلق تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔

اوغوز خان کا زمانہ 5000 سال قبل کا بتایا جاتا ہے۔ اکثر روایات کے مطابق یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہم عصر تھے۔[1]

اَوغُوز خان کی نسل

موجودہ ترک اقوام کی اکثریت اپنا شجرہ اوغوز خان سے منسوب کرتی ہے۔ یوں ترکمانستان، افغانستان، برصغیر پاک و ہند، ایران، عراق، ترکی، آذربائیجان اور شام کے ترک قبائل، اوغوز خان کی نسل سے ہیں۔

اوغوز خان کے چھے بیٹے ہوئے اور ان سے اس کے چوبیس پوتے ہوئے۔ ہر کسی نے ترکوں کے ایک مشہور قبیلے کی شکل اختیار کر لی۔ اوغوز کے بیٹوں اور پوتوں کے نام یہ ہیں:

گون خان	آی خان	یلدیز خان	گوک خان	تاغ خان	تنگیز خان
قائی	یازیر	افشار	بایندر	سالور	ایگیدر
بایات	دوگر	قزق	پچنک	ایمور	بوگدوز
القہ اویلی	دودورغہ	بیگ دیلی	چاولدور	آلا یونتلی	یووا
قرا اویلی	یاپارلی	قرقین	چپنی	یورہ گیر	قینیق

[1] ترکان عثمانی، جلد اول، مصنف ڈاکٹر محمد صابر، صفحہ 41

بَوزَوق لر اور اُوچَوق لر میں تقسیم

اوغوز خان نے اپنے بیٹوں کو دو گروہ میں تقسیم کیا تھا:

گون خان [Gun Khan]، آی خان [Ay Khan] اور یلدیز خان [Yildiz Khan] کو بَوزَوق لر [Bozoklar] کا خطاب دیا۔

گوک خان [Gok Khan]، تاغ خان [Tagh Khan] اور تنگیز خان [Tengiz Khan] کو اُوچَوق لر [Uchoklar] کا خطاب دیا۔ (راقم الحروف کا تعلق تاغ خان کے بیٹے سالور کی اولاد سے ہے۔)

اوغوز کی وفات کے بعد بڑا بیٹا ''گون خان'' قوم کا سربراہ بنا۔ گون خان کے بعد اس کا بیٹا ''قائی خان'' حکمرانی کے منصب پر فائز ہوا۔ اس کے بعد ترکوں میں بادشاہت طویل عرصے تک قائی خان کی اولاد میں رہی اور یہ سلسلہ ارطغرل غازی تک پہنچا۔ قائی خان سے ارطغرل تک کا سلسلۂ نسب اگلے ابواب میں تفصیلی بیان کیا جائے گا۔

قبل از اسلام اہم ترک ریاستیں

ہن ریاست [Hunnic Empire]:

ترکوں میں سیاسی طور پر پہلی نامور و معروف حکومت ہُن کہلائے جانے والے ترکوں کی ہے۔ انھوں نے پہلی مرتبہ تمام ترک قبائل کو ایک پرچم کے سایے

تلے جمع کیا اور وسیع ریاست قائم کی۔ ہن ترک قبائل چین کی شمالی سرحدوں پر آباد تھے۔ ان کے لباس جانوروں کی چمڑے سے بنے ہوتے تھے۔ یہ بہترین شہسوار اور ماہر تیر انداز تھے اور ان کی کامیابیوں کا بنیادی سبب ان کی یہی خصوصیات تھیں۔ یہ برق رفتاری سے آندھی کی طرح اپنے دشمن پر حملہ آور ہوتے، جس سے انھیں سنبھلنے کا موقع نہ ملتا۔

323 قبل مسیح میں سکندر کے مرنے کے بعد ہن ترکوں نے اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا اور 309 قبل مسیح میں اپنی مستقل ریاست تشکیل دی۔ اس ریاست نے چین کو زیر کرنے کے بعد ماوراء النہر، خراسان، فارس، رُوس و روم پر بھی اپنا تسلط قائم کیا تھا۔

142 قبل مسیح میں ہن ترکوں نے دیوارِ چین کو پار کر کے چین کے مرکز پر دھاوا بول دیا اور چینی حکمران کے محل کو آگ لگا کر ان کو اپنا ماتحت بنایا۔

54 قبل مسیح میں اندرونی اختلافات کے سبب یہ حکومت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی اور اپنی قوت کھو بیٹھی۔ 49 قبل مسیح میں چین سے شکست کھانے کے بعد یہ قبائل ماوراء النہر کی طرف پراگندہ ہوگئے۔

چوتھی صدی عیسوی کے اواخر میں یہ قبائل دوبارہ یکجا ہوئے اور 370ء میں انھوں نے ایشیا و یورپ کے بعض حصوں پر اپنا تصرف جما لیا۔ 374ء میں دریائے والگا [Volga River] کو عبور کر کے یورپ کو اپنا ہدف قرار دیا۔ ان کے سب سے مشہور حکمرانوں میں اٹیلا [Attila] کا نام سرفہرست ہے، جس نے مرکزی یورپ کو لرزا کر رکھ دیا تھا۔

آق ہن [White Huns] ، ہفتالی [Hephthalites]

ہُن قبائل کا ایک حصہ آق ہن (سفید ہن) یا ہفتالیوں کے نام سے مشہور ہوا جو کہ وسط ایشیا میں التائی [Altai] پہاڑوں کے دامن میں آباد تھے۔

440ء میں انھوں نے سغد [Sogdia]، ماوراء النہر [Transoxiana] اور بلخ [Bactriana] کو فتح کر کے حکومت قائم کی۔ ساسانی حکومت [Sassanid Empire] سے کئی جنگیں لڑیں اور ان کو شکست سے دوچار کیا۔

484ء میں ایرانی حکمران فیروزاوّل [Peroz I]، ہفتالی سپاہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ بعدازاں آق ہنوں نے پنجاب و گندھارا کا رُخ کیا۔ موجودہ ٹیکسلا کے مشہور قدیم شہروں اور گندھارا تہذیب کے بُدھ مذہب کی باقیات کو ایسی تباہی سے دوچار کیا کہ وہ دوبارہ آباد نہ ہو پایا۔ آج تک ٹیکسلا کے انواح میں سرکپ، جولیاں کے نام سے یہ باقیات موجود ہیں۔

557ء میں آق ہنوں نے ایک اور ترک ریاست گوک ترک اور ساسانیوں کے اتحاد کے ہاتھوں شکست کھائی۔ البتہ خراسان کے ایک حصے پر ان کی مقامی حکومت 710ء تک قائم رہی۔

گوک ترک [Göktürk or Blue Turks]

گوک ترکوں کی ریاست [Göktürk Khaganate] ترک تاریخ میں خاص اہمیت کی حامل ہے۔ یہ پہلی ریاست تھی جس نے اپنے نام کے ساتھ

"تُرک" کا لفظ استعمال کیا تھا۔ قدیم ترکی زبان میں یہ ریاست تُورُوک بودُون [Türük Bodun] کہلاتی تھی۔

552ء میں بومن خان [Bumin Qaghan] کی قیادت میں تمام ترک قبائل نے باہمی اتحاد سے ایک وسیع ریاست تشکیل دی۔ ان قبائل میں اوغوز، یغما، اویغور، قارلق، تورگیش، خزر، پچنک، قپچاق اور چگل مشہور ہیں۔

بومن خان نے اپنے بھائی ایستمی خان [Istami] کو ایک لشکر کے ساتھ آق ہنوں کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ ایستمی خان نے یہ مہم کامیابی کے ساتھ سر کی اور دریائے جیحون [Oxus River] سے گزر کر خراسان میں وسیع اراضی کو گوک ترک ریاست کا حصہ بنایا۔

557ء میں گوک ترکوں کی ریاست کا رقبہ ساٹھ لاکھ مربع کلومیٹر تھا جو کہ اسے تاریخ کی عظیم ترین ریاستوں میں سے ایک بناتی ہے۔ ان کی زبان قدیم ترکی تھی اور ان کا اپنا رسم الخط موجود تھا۔

565ء میں گوک ترک اور بازنطینی ریاست [Byzantine Empire] کے درمیان معاہدہ انجام پایا۔ اس میں انھوں نے ایران میں ساسانیوں کے خلاف مشترکہ مہمات کے آغاز پر اتحاد کیا اور بعد کے سالوں میں ایرانیوں کو سخت شکست سے دوچار کیا۔

581ء میں یہ ریاست دو حصوں میں تقسیم ہوگئی اور مشرقی گوک ترکوں و مغربی گوک ترکوں کے نام سے دو مستقل حکومتیں قائم ہوئیں۔

630ء میں چینیوں نے مشرقی گوک ترکوں کا خاتمہ کر کے اپنے ماتحت

کر لیا۔ 657ء میں مغربی گوک ترک ریاست کا بھی سقوط ہو گیا۔

682ء میں اِل تیریش خان [Ilterish Qaghan] کھوئی ہوئی سلطنت کو دوبارہ برقرار کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ ''اِل'' کے معانی قوم کے ہیں اور ''تیریش'' کے معانی ہیں نئی زندگی۔ اِل تیریش خان دوسری گوک ترک ریاست [Second Turkic Khaganate] کا بانی تھا۔ اس کے دور میں گوک ترکوں نے دوبارہ اپنی سرحدوں کو وسعت بخشی۔ اس نے 9 سال حکومت کرنے کے بعد 691ء میں وفات پائی۔

اِل تیریش کے بعد اس کے بھائی قاپاغان خان [Qapaghan Qaghan] کو دوسری گوک ترک ریاست کا خاقان بنایا گیا۔ اس نے ماوراء النہر کو فتح کر کے سمرقند تک کا علاقہ اپنی قلمرو میں شامل کیا۔ ماوراء النہر اس زمانے میں اُموی خلافت کا حصہ بن چکا تھا، اس لیے ردِعمل میں عربوں اور گوک ترکوں کے مابین شدید جنگیں ہوئیں، جس میں عرب افواج نے برتری پائی۔

آخری سالوں میں گوک ترکوں کے اوغوز ترکوں کے ساتھ شدید اختلافات پیدا ہوئے جو کہ شدت پکڑتا گیا۔ 716ء - 715ء کے دوران چار مرتبہ اوغوز قبائل کے ساتھ ان کی جنگیں ہوئیں۔ بالآخر قاپاغان خان 716ء میں اوغوز ترکوں کے خلاف جنگ کے دوران مارا گیا۔

قاپاغان کے بعد اینال قاغان [Inel Qaghan] جانشین مقرر ہوا۔ اینال بھی اسی سال جنگوں میں قتل ہوا۔

اینال کے بعد اِل تیریش خان کا بیٹا بِیلگہ خان [Bilga Qaghan] تخت

نشین ہوا۔ یہ گوک ترکوں کا آخری مقتدر خاقان تھا۔ اس نے تمام ترک قبائل کو متحد کرنے کی کوششیں کیں اور اوغوز قوم کو ''اپنا بھائی'' خطاب دیا۔ اوغوز قبائل نے بھی بالآخر اطاعت قبول کر کے گوک ترکوں کے پرچم تلے زندگی گزاری۔ بیلگہ خان کے زمانے میں ہی مشہور اورخون کتبے مرتب ہوئے جو کہ قدیم ترک رسم الخط اور اُس دور کی تاریخ کو جاننے کے لیے کافی اہمیت کے حامل ہیں۔

بِیلگہ خان کے بعد گوک ترکوں کی ریاست تنزل کا شکار ہوئی۔ 744ء میں قارلُق اور اوغوز یابغُو [Yabghu] ریاست نے ان کا تختہ الٹ کر اپنی حکومت قائم کر لی۔ قراخانیوں کے ظہور کے بعد قارلُق ریاست ان کی حکومت میں ضم ہوگئی۔

اورخَون کتبوں [Orkhon Inscriptions] کی تاریخی اہمیت

بِیلگہ خان (دورِحکومت: 734ء - 716ء) کے زمانے میں لکھے گئے اورخَون کتبوں کی دریافت 1884ء میں ہوئی۔

یہ کتبے موجودہ منگولیا کے شہر اردو بالیق [Ordu Baliq] سے 25 میل کے فاصلے پر دریافت ہوئے ہیں۔ پتھر پر لکھی تحریروں کے علاوہ دیگر نادر اشیا بھی دریافت ہوئیں جن میں انسانی مجسمے، جانوروں کے پتلے اور قدیم مکانات شامل ہیں۔ ان باقیات میں کول تکین [Kul Tigin] کا مجسمہ اپنی اصل حالت میں موجود ہے اور خاصا مشہور ہے۔

اورخَون کے کتبے ترکوں کے لیے خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ اس سے

ہمیں اُس زمانے کے ترکوں کی زبان، رسم الخط، طرزِ زندگی اور ثقافت کے متعلق آگاہی ملتی ہے۔ ان تحریروں کی لمبائی 235 سینٹی میٹر ہے۔ ان سنگی کتبوں کی تعداد 13 عدد ہے۔ اگر ان کو موجودہ زبانوں میں ترجمہ کر کے تحریر کیا جائے تو ان کا حجم تقریباً 35 صفحات بنتا ہے۔ ان میں بیلگہ خان کے ترکوں کے لیے کہے گئے خطابات، اس کے دورِ حکومت کے واقعات، اِل تیریش خان کی سرگذشت، اور ترکوں کی عالمگیر سوچ اور مقاصد پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مثال کے طور پر بعض کو یہاں درج کیا جاتا ہے:

"اوپر آسمان اور نیچے زمین کی تخلیق کے بعد تنگری [Tengri]
(خدا) نے ابن انسان کو پیدا کیا، اور انسانوں پر فرمانروائی
کرنے کے لیے ہمارے والد بومن خان اور ایستمی خان کو
تخت پر سرفراز کیا۔ ہمارے خاقان آباواجداد عالم و دانش مند
تھے۔ ان کے وزرا بھی دانا تھے۔ اسی لیے رعایا بھی ان کے
تابع اور وفادار رہی۔ انھوں نے قوم کی حفاظت کی اور ان کی
بہترین انداز میں تربیت کی۔ ان کے دُنیا سے پرواز کرنے
کے بعد حکومت نادان خاقانوں کے ہاتھ آئی۔ انھیں امورِ حکمرانی
کا کوئی شعور نہیں تھا۔ انھوں نے وزیر بھی ناکارہ مقرر کیے۔
امرا بھی خیانت کار اور دروغ گو ہونے لگے۔ ان کی دیکھا
دیکھی لوگ بھی کاہل و لاپروا ہوگئے۔ اس صورتِ حال کا
چینیوں نے فائدہ اٹھا کر ان کو آپس میں دشمن بنا دیا۔

بے اتفاقی پھیل گئی اور ہم ایک دوسرے کے خلاف ہو گئے۔
یہ باوقار اور جاہ و عظمت والی قوم غیروں کی ماتحت بن گئی۔
مردوں کو غلام اور عورتوں کو کنیز بنا لیا گیا۔ امرا نے اپنے نام
بدل کر چینیوں جیسے ڈھنگ اختیار کر لیے۔ پچاس سال تک
یہ سلسلہ جاری رہا۔ لوگ روتے ہوئے کہتے تھے: "ہم شان
و شوکت والی قوم تھے، وہ جاہ و جلال کہاں گیا۔ ہمارا ایک
خاقان ہوا کرتا تھا۔ وہ خاقان، اور وہ ملک کہاں گیا۔"
اس دوران کئی ترکوں نے بارہا غیروں کے تسلط سے نکلنے کے
لیے جنگیں کیں، لیکن ناکام رہے۔ چین کے بادشاہ نے ان
کے جذبۂ استقلال کو دیکھ کر ترکوں کی نسل کشی کا فیصلہ کیا اور قتل
عام کا آغاز ہوا۔ اس وقت خدا نے ترکوں کو نابودی سے بچانے
کے لیے میرے والد اِل تیریش خان اور میری والدہ اِل بیلگہ
خاتون کو یہ وظیفہ سونپا۔ خاقان نے 17 ساتھیوں کے ساتھ
بغاوت کا اعلان کیا۔ یہ تعداد 70 تک پہنچی جو کہ دیکھتے دیکھتے
ہزاروں کے لشکر میں تبدیل ہوگیا۔ پھر ایسا وقت بھی آیا کہ
دشمن بھیڑ بکریوں کی طرح ہمارے مقابلے میں مرنے لگے۔
اے ترک ملت! یاد رکھنا۔ جب تک آسمان پارہ پارہ ہو کر
ہمارے اوپر نہ گر جائے اور زمین دھنس نہ جائے، تمہاری
ثقافت اور تمہاری حکومت پر کبھی زوال نہیں آسکتا۔"[1]

---

[1] Orhun Abideleri. Muharrem Ergin. Page 44

گوک ترکوں میں کیلنڈر کا نظام

ترکوں میں ماہ و سال کا نظام دیگر اقوام کے برعکس بارہ جانوروں پر مشتمل ہے اور انہی سے وہ اپنی عمر اور قدیم واقعات کو یاد رکھتے ہیں۔ یہ طریقہ ترکوں میں ہزاروں سال سے جاری ہے۔ اورخون کتبوں میں بھی ان کا ذکر نظر آتا ہے۔ یہی نظام، اسلام سے روشناس ہونے کے بعد بھی ترکوں میں جاری رہا۔ سلجوقی، غزنوی، عثمانی، افشاری اور قاجاریہ سلطنتوں میں اگرچہ ہجری کیلنڈر بھی زیر استعمال تھا، لیکن انھوں نے اپنا قدیمی نظام بھی ترک نہیں کیا۔ اس کے متعلق اورخون کتبوں کے علاوہ دیوان لغات الترک از محمود کاشغری، البیرونی کی تصنیف آثار الباقیہ عن القرون الخالیہ (تالیف 1000ء)، اور عمر خیام کے نوروز نامہ میں تفصیلی ذکر نظر آتا ہے۔ محمود کاشغری کی کتاب میں اس کیلنڈر کی پیدائش کے بارے میں یہ افسانہ درج ہے:

"ترکوں کے خاقان نے ارادہ کیا کہ گذشتہ ادوار میں گزری ایک یادگار جنگ کی تاریخ معلوم کی جائے، لیکن مؤرخین درست اندازہ نہ لگا پائے اور ہر ایک کی بیان کردہ تاریخ مختلف سامنے آئی۔ خاقان نے اس بارے میں مجلس منعقد کی اور کہا کہ جیسے ہم نے تاریخ تلاش کرنے میں غلطی کی ہے، آئندہ آنے والے ہمارے متعلق بھی اسی مشکل سے دوچار

ہوں گے۔ اس لیے ایسا بہتر سالانہ نظام ترتیب دیا جائے۔

کئی روز کے بحث و مشوروں کے بعد فیصلہ یہ ہوا کہ مختلف نسل کے جانور جمع کر کے انھیں پانی میں چھوڑا جائے اور جو جانور دریا کو پار کر کے دوسرے کنارے تک پہنچنے میں کامیاب ہوجائیں، ان کے نام پر یہ سلسلہ ترتیب دیا جائے۔ حکم کے مطابق مقررہ وقت پر یہ عمل انجام دیا گیا۔ مختلف جانوروں کو ایلاسو نامی دریا میں چھوڑا گیا۔ ان میں سے پہلے پہنچے والے بارہ جانوروں کا انتخاب کر کے الگ کیا گیا۔ چوہا سب سے پہلے دوسرے کنارے پر پہنچا تھا، اس لیے پہلا سال اس سے منسوب ہوا۔ بالترتیب دیگر جانوروں کے نام بھی اس میں شامل ہوئے جو کہ درج ذیل ہیں:

سیچان: چوہا	سغیر: گائے
برس: شیر	تاوشان: خرگوش
ناک: بچھو	یلان: سانپ
یلقی: گھوڑا	قویون: بھیڑ
بیچین: بندر	تاووق: مرغ
ایت: کتا	دونگیز: خنزیر[1]

[1] دیوان لغات الترک، مصنف محمود بن الحسین کاشغری، صفحہ 222

اس کیلنڈر کی رُو سے موجودہ سال 2020ء چوہے کا سال ہے[1]۔ ترکوں میں نیا سال اس کیلنڈر کی رُو سے جشن نوروز سے دس روز قبل یعنی 11 مارچ کو منایا جاتا ہے۔ یہ نظام ہزاروں سال سے موجودہ زمانے تک جاری ہے اور افغانستان کے ترکوں، ایران کے نواحی علاقوں اور وسطی ایشیائی ممالک میں آج تک زیرِاستعمال ہے۔ ہر سال، بالترتیب ایک جانور کے نام پر آتا ہے اور بارہ سال مکمل ہونے پر دوبارہ ابتدا سے آغاز کیا جاتا ہے۔ (راقم الحروف کا سالِ پیدائش، شیر کا سال ہے۔)

ایران میں قاجاریہ حکومت میں سرکاری طور پر یہ نظام جاری تھا اور ہر سال کیلنڈر شائع ہوتا تھا۔ لیکن 1925ء میں پہلوی حکومت کے آنے کے بعد ترکوں کے خلاف حد درجہ تعصّبات کی بنا پر ترکی زبان میں لکھنے پڑھنے پر پابندی کے ساتھ ساتھ اس کیلنڈر کا ستعمال بھی ممنوع قرار دے دیا گیا۔

اسلام سے قبل ترکوں کے عقائد اور اجتماعی زندگی

ترکوں کی میدانی ثقافت 1700 قبل مسیح میں سامنے آئی۔ ان کی ثقافتی تاریخ تین ہزار سال سے زائد پر مشتمل ہے۔ عموماً قدیم ترکوں کو ایک خانہ بدوش و صحرانشین قوم تصور کیا جاتا ہے، لیکن ان کی تہذیب کافی گہرائی رکھتی ہے۔ ان کا بنیادی پیشہ مویشی پالنا اور زراعت تھا۔ جیسا کہ حدود العالم (مصنف نامعلوم)،

[1] قارئین کے لیے یہ امر دلچسپی کا باعث ہوگا کہ ترک کیلنڈر میں 2020ء کے حوالے سے وبائی مرض کی پیشین گوئی ہزاروں سال قبل کی گئی تھی۔

سفرنامہ ابن فضلان (از احمد بن فضلان) جیسی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ ترک اجتماعی زندگی بسر کرتے تھے اور ان میں تمام امور کا نظم ونسق قائم تھا۔ مختلف قبیلوں کی شکل میں آباد تھے اور ہر قبیلے کا اپنا سربراہ ہوتا تھا جسے ''بیگ'' کہتے تھے۔ یہ قبائل باہم مل کر ''اِیل'' کہلاتے اور ایک بادشاہ کے تابع ہوتے۔ بادشاہ کا لقب یابغُو [Yabghu]، خاقان [Khaqan]، یا قاغان [Qaghan] ہوتا تھا۔ ان کے زیرِحکمرانی ہر علاقے میں ایک اینال ہوتا تھا، جسے موجودہ دور کے لحاظ سے ہم گورنر کہہ سکتے ہیں۔

ترکوں میں رہائش کے لیے پختہ مکانات کا رواج نہیں تھا بلکہ یہ خیمہ نما مکانات میں زندگی بسر کرتے تھے، جسے فارسی میں خرگاہ اور ترکی میں قرا اوی کہا جاتا ہے۔ اس کی شکل گول انداز میں ہوتی اور اوپر سے گنبد نما ساخت میں بنایا جاتا۔ سب سے بڑا خیمہ قبیلے کے سربراہ کا ہوتا، جو کہ مرکز میں بنایا جاتا۔ ابن فضلان نے اپنے سفرنامہ میں ذکر کیا ہے کہ خزر کے خاقان کا خیمہ اتنا وسیع تھا کہ اس میں بیک وقت تین ہزار افراد سما سکتے تھے۔[1]

1200 قبل مسیح میں انھوں نے التائی پہاڑوں سے نکل کر مختلف سمتوں کی طرف نقل مکانی کی۔ اس کا سبب چراہ گاہوں کی کمی اور آپس کی جنگیں تھیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان کا مسکن تبدیل ہوتا رہتا۔ تُرک خوراک کے معاملے میں خودکفیل تھے۔ ان کی تجارت کا واحد ذریعہ مویشی، گھوڑے، قالین اور اسلحے تھے، جن میں انھیں خاص مہارت حاصل تھی۔

[1] سفرنامہ ابن فضلان، احمد بن فضلان، صفحہ 69

جیسا کہ اوغوز نامہ میں مذکور ہے کہ ایک سال تک بچے کا نام نہیں رکھا جاتا تھا۔ ایک برس کا ہونے پر حسب استطاعت ایک شاندار ضیافت کا اہتمام کر کے نام رکھنے کی رسم منعقد کی جاتی۔ کم عمری میں ہی بچوں کو تلوار بازی، گھڑسواری اور تیر اندازی کی تربیت دی جاتی۔ جوان ہونے پر ان میں سے ہر ایک ماہر شہسوار اور جنگجو بن کر ابھرتا۔

موسم کی رُو سے یہ اپنے لیے مسکن کا انتخاب کرتے اور حالات کے موافق سرزمینوں کا رخ کرتے۔ ان کے سردیوں کے مسکن کو قشلاق [Kishlak] کہا جاتا تھا جب کہ گرمیوں میں ترکوں کی جائے رہائش ییلاق [Yaylak] کہلاتی تھی۔

ترک معاشرہ مساوات اور انصاف پر قائم تھا، غلاموں کا رواج نہ تھا۔ عموماً امیر و غریب برابر حقوق کے حق دار تھے۔ سب اپنے بیگ کے تابع ہوتے اور اس کی حکم عدولی کو گناہ تصور کرتے۔ ہر قبیلے میں قوانین و قواعد موجود تھے، جنہیں ''تورہ'' کہا جاتا۔ تورہ میں ان کی اجتماعی زندگی، روزمرہ امور اور مختلف موضوعات پر اصول وضوابط مقرر تھے۔ کسی بھی خاص موضوع پر قورولتائی [Kurultai] (مجلسِ مشاورت) منعقد کی جاتی۔ اس موقع پر قوم کے سربراہ اور بزرگان جمع ہوتے اور باہمی مشاورت سے فیصلہ کرتے۔ قورولتائی کا فیصلہ حتمی ہوتا اور سب کے لیے قابل قبول تھا۔

یہ لوگ شہری رہائش کو پسند نہیں کرتے تھے اور میدانوں میں رہنے کو زیادہ ترجیح دیتے۔ مشقت آمیز زندگی گزارتے۔ عموماً ایک ہی شادی کرتے اور شادی کے لیے مہر کا رواج تھا۔ مہر میں لڑکا خوارزمی کپڑے یا اُونٹ پیش کرتا۔ گھر

والوں کی رضامندی ہونے پر دونوں کی شادی کی جاتی۔

ترکوں نے تاریخ میں کبھی دیگر اقوام کی بالادستی قبول نہیں کی اور اسلام سے قبل بھی وحدانیت پرستی پر قائم تھے۔ ابن فضلان نے 920ء میں اوغوز قبائل کے ہاں قیام کے دوران ان کی طرزِ حیات پر اہم معلومات قلم بند کی ہیں۔ ابن فضلان کے مطابق ترک ایک خدا پر ایمان رکھتے تھے، اپنے خدا کو تنگری کہتے تھے۔ اس عقیدے کے مطابق تمام کائنات کا خالق ایک تنگری ہے۔ اسی نے زمین، آسمان، سورج، چاند بنائے۔ وہی زندگی اور موت دیتا ہے، دعائیں قبول کر کے عمر میں اضافہ کرنے کا بھی اختیار رکھتا ہے۔ دیگر اقوام کے برعکس ترکوں نے کبھی بت پرستی اختیار نہیں کی۔ ان میں عبادت گاہ یا معبد کا تصور نہیں تھا۔ ترکوں کا عقیدہ تھا کہ ان کا خدا براہ راست سنتا اور دیکھتا ہے، اس لیے کبھی مذہبی شخصیتوں کا وجود نہ تھا۔

گوک ترک کتبوں میں درج ہے کہ انسان فانی ہے، لیکن تنگری لافانی ہے۔ ان کے عقیدے کے مطابق خدا کو ظاہر آنکھ سے نہیں دیکھا جا سکتا اور اس کی شکل وصورت کا تخیل نہیں کیا جا سکتا۔ جب ان میں کوئی بھی کسی مشکل میں ہوتا تو آسمان کی طرف رُخ کر کے بیر تنگری کہتا، جس کے معانی ہیں ایک خداوند۔

یہ طہارت کے پابند نہیں تھے اور سردیوں میں پانی سے کوئی سروکار نہیں رکھتے تھے۔ سردیوں میں غسل کرنا ان کے ہاں ممنوع اور ناپسندیدہ تصور کیا جاتا، کیونکہ وہ پانی کو مقدس تصور کرتے تھے اور ان کے مطابق پانی کو ناپاک کرنا گناہ تھا۔

خواتین میں چہرہ چھپانے کا رواج نہ تھا، لیکن اس کے باوجود ان میں زنا و بدکاری کی شرع صفر تھی اور اسے جرم سمجھا جاتا تھا۔ اگر کوئی شخص اس فعل کا مرتکب ہوتا تو اسے موت کی سزا دی جاتی اور اس کے جسم کے دو ٹکڑے کر دیے جاتے۔

جب کوئی سخت بیمار ہو جاتا تو قبیلے والے اس کے قریب نہ جاتے۔ وہ الگ خیمے میں رکھا جاتا، جہاں اس کی کنیزیں خدمت پر مامور ہوتیں۔

جب کوئی مر جاتا تو اس کے لیے بڑی قبر تیار کی جاتی۔ مردہ شخص کو نیا لباس پہنا کر اس کی کمر میں تیر و کمان باندھ کر دفن کیا جاتا۔ ہاتھ میں ''قیمز'' (گھوڑی کے دودھ سے بنا مشروب) رکھ دیا جاتا اور اس کا تمام مال و سرمایہ بھی اس کے ساتھ قبر میں رکھ کر اوپر گنبد نما قبر بنائی جاتی۔ اس کے بعد مرنے والے کے لیے مویشی قربان کیے جاتے اور اس کے گھوڑے کو ذبح کر کے کھایا جاتا۔ یہ رسومات ''اولوغ آشی'' کے نام سے معروف تھی۔ اس کے بعد ذبح شدہ جانور کے سر، کھال اور ہڈیوں کو قبر کے باہر ایک لکڑی پر لٹکا دیا جاتا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ مرنے والا اسی جانور پر سوار ہو کر جنت کو سفر کرے گا۔

اگر کسی کے مرنے کے بعد جانور ذبح نہ کیے جاتے تو ان میں سے ایک بزرگ شخص مرحوم کے گھر آتا اور ان سے کہتا کہ فلاں مُردے کو میں نے خواب میں یہ کہتے دیکھا کہ میرے اہل خانہ نے میرے لیے سواری نہیں بھیجی اور میں جنت پیدل جانے پر مجبور ہوں۔ ان سے کہو کہ میرے لیے جانور بھیجیں۔ اس کے بعد جب گھوڑے کو ذبح کر کے اس کے اعضا قبر پر رکھ دیے جاتے تو چند روز بعد

وہی شخص دوبارہ آ کر کہتا کہ میں نے فلاں مرحوم کو خواب میں دیکھا، اس نے مجھ سے کہا کہ میرے دوستوں اور اقربا سے کہو کہ میں جنت پہنچ چکا ہوں، اب وہ غم نہ کریں۔[1]

ترکوں کی کوئی مذہبی کتاب نہ تھی تاہم ترکوں کے قدیم عقائد اور اسلام میں کئی باتیں مشترک تھیں جس کے سبب ترکوں کو اسلام قبول کرنے میں زیادہ وقت نہ لگا۔ وہ مسلمانوں کے رویے اور برتاؤ سے بہت متاثر تھے جس نے ان کے اسلام قبول کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

اسلام اور تنگری ازم [Tengrism] میں بعض مشترکہ پہلو درج ذیل ہیں:

* ایک خدا پر ایمان
* وہ ہر جگہ موجود ہے
* اس کو کبھی زوال نہیں ہے
* تمام کائنات کا وہی خالق ہے
* خدا کے لیے مقدس جنگ (جہاد) کا تصور
* مساوت و برابری
* نیک کاموں اور صدقات پر ایمان
* اولی الامر کی اطاعت
* جنت و جہنم کا تصور
* زنا کی ممانعت

[1] سفرنامہ ابن فضلان، مصنف احمد بن فضلان، صفحہ 75

ترکوں کا قبولِ اسلام

اسلام سے قبل خراسان، ہند، ماوراء النہر اور التائی پہاڑوں میں رہنے والے ترکوں نے ہمیشہ اپنی حکومت کو کسی نہ کسی صورت میں برقرار رکھا۔ اس طویل عرصے میں ان کا سامنا کئی دیگر مشہور مذاہب سے ہوا جن میں بدھ مت، عیسائیت اور ہندومت شامل تھے۔ لیکن ترکوں نے کبھی ان مذاہب کی طرف میلان نہ دکھایا۔ اس کی ایک مثال گوک ترک حکمران بیلگہ تگین کے زمانے میں ملتی ہے۔ جب اس کے دربار میں بدھ مذہب کے پیروکار اس مذہب کی پیش کش لے کر آئے تو بیلگہ تگین کے مشورہ کرنے پر اس کے وزیر نے اعتراض کرتے ہوئے کہا:

> ''ترکوں کا ایسا مذہب اختیار کرنا تباہ کن ہوگا جو جنگ لڑنے اور جانوروں کا گوشت کھانے سے منع کرتا ہے، اور کاہلی و جمود کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔''[1]

جبکہ اسلام کی ترکوں نے کبھی مخالفت نہیں کی۔ اسلام آنے کے بعد بتدریج، کثرت کے ساتھ اس مذہب کو صدقِ دل سے قبول کیا۔ اسلام قبول کرنے کا ایک اہم سبب ان کے قدیم اعتقادات اور اسلام کی تعلیمات میں پائی جانے والی حیرت انگیز مماثلت تھی، جس نے ان کے لیے اسلام کو پرکشش بنایا۔

[1] ترک اسلامی ریاستوں کی مختصر تاریخ، مؤلفین: ابراہیم کیپفس اوغلو، حقی درسن یلدز، اردوغان میرچل اور محمد سارائے، صفحہ 55

محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں قبولِ اسلام

حضرت محمد ﷺ کی پیدائش کے وقت عرب کے ہمسایہ ایران میں ساسانی حکومت قائم تھی۔ اس کے آگے گوک ترکوں کی وسیع ریاست موجود تھی۔ ان کی بعثت کے زمانے میں بھی یہی ریاستیں اپنی آب و تاب سے برقرار تھیں۔ گوک ترکوں اور اسلامی حکومت کے درمیان کبھی براہ راست روابط استوار نہیں ہوئے۔

ابتدا میں گوک ترکوں کی عرب دُنیا اور اسلام سے واقفیت کا واحد ذریعہ تجارت تھا۔ عرب کاروان اور قافلے ایران سے گزر کر شاہراہ ریشم کے راستے سے ترکستان و چین کی طرف سفر کرتے تھے۔ ابتدائی ادوار میں ترکوں میں اسلام انھیں سوداگروں کے ذریعے فروغ پایا۔

کتبِ تاریخ 'اوغوز نامہ' اور 'جام جم آئین' کے مطابق ارطغرل غازی کے آباء و اجداد میں سے قائی قبیلے کے حکمران باسو نے رسول اکرم ﷺ کی حیات میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ باسو کی وفات کے بعد اس کے بیٹے قراخان نے اپنے ایمان لانے کا اعلان کرتے ہوئے وزیر قورقوت کو مدینہ روانہ کیا۔ قورقوت وزیر نے مدینہ پہنچ کر رسول اللہ ﷺ کے دیدارِ مبارک کا شرف حاصل کیا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ قورقوت کی معیت میں ترکوں کے پاس تشریف لائے اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے انھیں اسلام کی تعلیمات سے آگاہ کیا۔

ترکوں کے متعلق احادیث مبارکہ

ترکوں کی تاریخ میں اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ 'صحاح ستہ' اور 'مسند احمد بن حنبل' جیسی معتبر کتب میں ان کے متعلق احادیث موجود ہیں۔ اس کے علاوہ 'تاریخ طبری' اور 'دیوان لغات الترک' میں محمود کاشغری نے چند احادیث بسلسلۂ سند روایت کی ہیں۔ ان میں سے چند احادیث درج ذیل ہیں:

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''حبشہ کے کافروں کو اس وقت تک چھوڑے رکھو، جب تک وہ تم سے چھیڑ چھاڑ نہ کریں اور ترکوں کو بھی چھوڑے رکھو، جب تک وہ تم سے چھیڑ چھاڑ نہ کریں۔''[1]

ابوداؤد نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

یہی حدیث سنن نسائی میں بھی تفصیلاً روایت کی گئی ہے جو کہ درج ذیل ہے:

''روایت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے خندق کھودنے کا حکم دیا تو ایک ایسی چٹان لوگوں کے سامنے آئی جو لوگوں اور (خندق کی) کھدائی کے درمیان رکاوٹ بن گئی۔ رسول اللہ ﷺ اُٹھے، کدال پکڑی اور اپنی چادر خندق کے کنارے

[1] سنن ابی داؤد: حدیث نمبر 4302

رکھ دی اور یہ آیت پڑھ کر ضرب لگائی:

وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (الانعام:115)

''اور آپ کے ربّ کی بات سچائی اور عدل کی رُو سے پوری ہو چکی۔ اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں۔ اور وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔''

(آپ ﷺ کی ضرب سے) پتھر کا تیسرا حصہ اڑ گیا۔ ضرب کے ساتھ ایک چمک پیدا ہوئی۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کھڑے دیکھ رہے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے دوبارہ ضرب لگائی اور وہی آیت پڑھی اور مزید تیسرا حصہ ٹوٹ گیا۔ پھر ایک چمک پیدا ہوئی جسے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے دیکھا۔ پھر آپ ﷺ نے تیسری ضرب لگائی اور یہی آیت پھر پڑھی، باقی پتھر بھی ریزہ ریزہ ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ خندق سے نکلے، اپنی چادر اٹھائی اور بیٹھ گئے۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

''اے اللہ کے رسول ﷺ! جب آپ ضربیں لگا رہے تھے تو اس کے ساتھ چمک پیدا ہوتی تھی۔''

رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''سلمان! تُو نے وہ (چمک) دیکھی تھی؟''

انہوں نے کہا: ''جی اللہ کے رسول ﷺ! قسم اس ذات کی

جس نے آپ ﷺ کو برحق نبی بنایا۔"

آپ ﷺ نے فرمایا: "میں نے جب پہلی ضرب لگائی تھی تو مجھے کسریٰ کے شہر اور اردگرد کے بہت سے دوسرے شہر دکھائے گئے حتیٰ کہ میں نے انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔"

آپ ﷺ کے پاس موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہنے لگے:

"اے اللہ کے رسول ﷺ! دُعا فرمائیں اللہ تعالیٰ یہ شہر ہمارے لیے فتح فرمائے اور ان کے گھر ہمیں غنیمت میں عنایت فرمائے اور ہمارے ہاتھوں ان کے علاقے تاراج کرے۔"

رسول اللہ ﷺ نے یہ دُعا فرمائی۔ پھر فرمایا: "پھر جب میں نے دوسری ضرب لگائی تو مجھے قیصر اور اردگرد کے بہت سے شہر دکھائے گئے حتیٰ کہ میں نے انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: "اے اللہ کے رسول ﷺ! دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ یہ علاقے ہمارے لیے فتح فرمائے۔ ان کے گھر ہمیں غنیمت میں عطا فرمائے اور ان کے علاقے ہمارے ہاتھوں تاراج کرے۔"

رسول اللہ ﷺ نے پھر دعا فرمائی اور فرمایا: "پھر میں نے تیسری ضرب لگائی تو مجھے حبشہ اور اردگرد کے بہت سے شہر دکھلائے گئے حتیٰ کہ میں نے انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔"

اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "حبشیوں کو اپنے حال

پر رہنے دو، جب تک وہ تمھیں تمھارے حال پر رہنے دیں اور ترکوں کو کچھ نہ کہو، جب تک وہ تمھیں کچھ نہ کہیں۔"[1]

غور کرنے کی بات ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ قیصر و کسریٰ کے تاخت و تاراج ہونے کی بشارت دے رہے ہیں، اسی کے ساتھ فرما رہے ہیں کہ ترکوں کو کچھ نہ کہنا جب تک وہ تمھیں کچھ نہ کہیں۔ شاید خداوند عالم نے ان کے علم میں یہ بات ڈال دی تھی کہ ترک کبھی بزورِ شمشیر تسخیر نہ ہوں گے، بلکہ اللہ کی خاص عنایت سے معینہ وقت پر وہ اپنی رضامندی سے اسلام میں داخل ہوں گے اور جب ان میں ایمان کا نور داخل ہوجائے گا تو اس کی کرنوں سے سارے جہان کو منور کر دیں گے اور ہزاروں سال تک دین کی خدمت کے شرف سے بہرہ مند ہوں گے۔ شاید اسی حدیث کا اثر تھا کہ جب حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ نے ساسانی حکومت کا خاتمہ کر کے ایران و خراسان کو فتح کیا اور آخری ایرانی بادشاہ یزدگرد سوم کے تعاقب میں دریائے جیحون کے کنارے پہنچے، جس کے دوسرے حصے پر ترک آباد تھے، انھوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ اگر آپ کی اجازت ہو تو ہم اس دریا کو پار کر کے یزدگرد کے فتنے کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیں اور اسلامی فتوحات کا دائرہ مزید وسیع کریں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں آگے نہ جانے اور واپس لوٹنے کا حکم دیا تھا۔

صحیح بخاری میں دو مقامات پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] سنن نسائی: حدیث نمبر 3178

''قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی، جب تک تم ایسی قوم سے جنگ نہ کر لو گے جن کے جوتے بال کے ہوں گے اور جب تک تم ترکوں سے جنگ نہ کر لو جن کی آنکھیں چھوٹی ہوں گی، چہرے سُرخ ہوں گے، ناک چھوٹی اور چپٹی ہوگی۔ چہرے ایسے ہوں گے جیسے تہ بہ تہ ڈھال ہوتی ہے۔''[1]

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

'' قیامت قائم نہیں ہوگی، یہاں تک کہ مسلمان ترکوں سے جنگ کریں گے۔ یہ ایسی قوم ہے جن کے چہرے کُوٹی ہوئی ڈھالوں کی طرح ہوں گے۔ یہ لوگ بالوں کا لباس پہنتے ہوں گے۔ بالوں کے جوتوں میں چلتے ہوں گے۔''[2]

اس حدیث مبارکہ کو سنن ابوداؤد (4303)، سنن نسائی (3179)، مسند احمد بن حنبل (12897)، مشکوۃ المصابیح (5411) میں بھی درج کیا گیا ہے۔ تمام ائمہ کے مطابق یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

''دیوان لغات الترک'' میں محمود کاشغری نے ترکوں کے فضائل بیان کرتے ہوئے درج ذیل احادیث نقل کی ہیں:

---

[1] صحیح بخاری: 3587

[2] صحیح مسلم: 7313

''میں نے بخارا کے ثقہ ائمہ اور نیشاپور کے ایک امام سے خود سنا ہے۔ دونوں سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ ہمارے نبی کریم ﷺ جب آخرت کی نشانیوں کے متعلق بیان فرما رہے تھے تو انھوں نے اوغوز ترکوں کے خروج کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ترکوں کی زبان سیکھو، کیونکہ وہ عرصۂ دراز تک حکومت کریں گے۔''[1]

محمود کاشغری پھر لکھتے ہیں کہ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو پس ترکی زبان سیکھنا واجب ہے۔ اگر ثابت نہ بھی ہو تو عقل کا تقاضا یہی ہے کہ لوگ اسے سیکھنے کی کوشش کریں۔

اسی کتاب کے اگلے صفحات میں انھوں نے لفظ ''ترک'' کی تشریح میں لکھا ہے کہ ترک نام خدا نے خود رکھا ہے۔ شیخ امام الزاہد حسین بن خلف کاشغری سے روایت ہے کہ انھوں نے ابن الغرقی سے سنا کہ شیخ ابوبکر المفید الجرجرائی المعروف بن ابی الدنیا نے اپنی کتاب ''آخر الزمان'' میں بسلسلہ روایت رسول اکرم ﷺ سے یہ حدیث روایت کی ہے اور سند کے ساتھ اسے صحیح لکھا ہے:

''اللہ عز وجل فرماتے ہیں میرا ایک لشکر ہے، جس کا نام میں نے ترک رکھا ہے۔ انھیں زمین کے مشرق میں سکونت دی ہے۔ ہرگاہ کسی قوم پر خشمگیں ہوتا ہوں، ان کو اس قوم پر مسلط کر دیتا ہوں۔''

---

[1] دیوان لغات الترک، مصنف محمود بن الحسین کاشغری صفحہ 76-75

اسی روایت کو 599 ہجری میں محمد بن سلیمان الراوندی نے اپنی کتاب راحۃ الصدور و آیت السرور میں بھی دیگر ایک امام سے نقل کیا ہے۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں قسطنطنیہ (موجودہ استنبول) کے فتح ہونے کی بشارت دی تھی اور اس کو فتح کرنے والے لشکر کے لیے دعا فرمائی تھی۔ مسند احمد بن حنبل میں بشر خثعمی سے یہ حدیث روایت کی گئی ہے:

"قسطنطنیہ ضرور فتح ہوگا، اور اس کو فتح کرنے والا بہترین امیر ہوگا، اور وہ لشکر بہترین لشکر ہوگا۔"[2]

اس حدیث شریف کی بشارت کا شرف حاصل کرنے کے لیے بعد کے آنے والے تمام خلفا و سلاطین کے دلوں میں قسطنطنیہ کی فتح کا جذبہ موجود تھا۔ اس مقصد کے لیے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے 32 ہجری میں، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے 44 ہجری، ہارون الرشید نے 190 ہجری اور سلجوقی سلطان آلپ ارسلان اور عثمانی سلاطین میں سے بایزید یلدرم اور سلطان مراد دوم نے قسطنطنیہ کی طرف لشکر کشی کی لیکن تمام تر کوششوں کے باوجود قسطنطنیہ فتح نہ ہوسکا۔

بالآخر 1453ء میں یہ سعادت عثمانی ترکوں کے نصیب میں آئی جب سلطان محمد ثانی المعروف سلطان محمد فاتح نے رومی سلطنت کا پایۂ تخت قسطنطنیہ تسخیر کیا اور فاتح کا لقب پایا۔ یوں یہ بشارت تکمیل کو پہنچی۔

---

[1] راحۃ الصدور و آیت السرور در تاریخ آل سلجوق، مصنف محمد بن علی بن سلیمان راوندی، صفحہ 17

[2] مسند احمد بن حنبل: 12417

خلافت راشدہ میں قبول اسلام

اسلامی تواریخ کے مطابق عربوں اور ترکوں کے مابین براہ راست سرحدیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قائم ہوئیں جب ساسانی حکومت کا خاتمہ کرنے کے بعد ایران کو اسلامی لشکر نے فتح کیا۔ آخری ساسانی حکمران یزدگرد سوم [Yazdegerd III] مسلمانوں سے شکست کھانے کے بعد ترکستان کی طرف فرار ہوا۔ مسلمانوں کے سپہ سالار احنف بن قیس رضی اللہ عنہ اس کا تعاقب کرتے ہوئے خراسان میں دریائے جیحون (آمو دریا) کے کنارے پہنچے جس کی دوسری طرف بلاد الترک، یعنی ماوراء النہر کی سرزمین واقع تھی۔

احنف بن قیس رضی اللہ عنہ نے خط بھیج کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جیحون کو پار کر کے فتوحات کا دائرہ آگے بڑھانے کی اجازت طلب کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواباً فوری طور پر واپس آنے اور دریا پار نہ کرنے کی تاکید کی۔

یزدگرد سوم، مرو شہر [Merv] کے قریب ایک ترک خیمہ میں پناہ گزین تھا جہاں ایک دیہاتی نے اس کے مال و زیور کے لالچ میں اس کو قتل کر ڈالا۔

بعدازاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مزید فتوحات کا دائرہ ایران و خراسان میں وسیع ہوا، لیکن ترکوں کے مقابل کوئی جنگ نہیں دیکھی گئی۔ قلیل تعداد میں خلافت راشدہ کے زمانے میں ترکوں میں مسلمان ہونے کا ذکر ملتا ہے جن میں زیادہ تر خراسان کے ترک شامل تھے۔

اُموی خلافت میں قبولِ اسلام

خلافت راشدہ کے بعد اُموی دورِ حکومت میں قتیبہ بن مسلم کی سرکردگی میں ماوراء النہر کا ایک حصہ اسلامی قلمرو میں شامل ہوا۔ اس پورے دور میں ترکوں کا قبولِ اسلام بڑے پیمانے پر سامنے نہیں آیا۔ اس کا ایک سبب یہ تھا کہ اُموی حکمرانوں اور گورنروں نے نومفتوحہ علاقوں میں عوام کے دلوں میں اسلام کا حقیقی پیغام پہنچانے کے بجائے فتوحات اور کشور کشائی پر زور دیا اور کثیر مقدار میں ان علاقوں سے جزیہ جمع کرنے کی تگ و دو میں مشغول رہے۔ اگرچہ 94 ہجری میں بخارا میں ایک مسجد تعمیر کی گئی تھی لیکن مقامی آبادی کو دلی طور پر راغب نہ کر پائے۔ اُمویوں نے مسلمان ہونے والوں سے بھی جزیہ لینے کا سلسلہ جاری رکھا۔ جبکہ اسلام کے مطابق جزیہ صرف غیر مسلموں سے لینے کا حکم ہے۔ اس عرصے میں ترکوں کو ہمیشہ درجہ دوم اور پست طبقے کے طور پر دیکھا گیا اور جہاد میں شامل ہونے والے مسلمان ترکوں کو عرب افواج کے مقابلے میں غنیمت میں بہت کم حصہ دیا جاتا۔ انھیں گھوڑا نہیں ملتا تھا اور یہ پیادے کا کام انجام دیتے۔ اسی وجہ سے ابتدائی ادوار میں اسلام کا فروغ سستی کا شکار رہا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں قدرے بہتری دیکھنے میں آئی۔ انھوں نے جزیے کی رقم میں نرمی لانے کا اعلان کیا اور مسلم سپاہ کو فتوحات سے قطع نظر کرنے کا حکم دے کر کے مفتوحہ علاقوں میں دین کی اشاعت و تنظیم پر زور دیا۔ اس سبب سے ترکوں کی کثیر تعداد اسلام کی طرف راغب ہوئی۔ خلیفہ ہشام

نے ماوراء النہر کی طرف علما کا ایک گروہ روانہ کیا اور ان کی کوششوں سے بلخ میں ایک مسجد تعمیر ہوئی۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ترکوں نے کبھی بزورِ شمشیر اسلام قبول نہ کیا بلکہ اپنی خوشی و مرضی سے دینِ حق کو اپنایا، اور اسلام کی ڈھال ثابت ہوئے۔

عباسی خلافت میں قبولِ اسلام

عباسی خلافت کا ایک اہم کارنامہ یہ تھا کہ اس نے اُمویوں کی عرب قوم پرستی کے برعکس سب قوموں کو ایک نظر سے دیکھا اور مساوات قائم کی۔ جن غیرعربوں نے عباسی خلافت کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیے تھے، ان کو بلند رتبوں پر فائز کیا۔ ابومسلم خراسانی کو، جو کہ بعض روایات کے مطابق ترک تھا، فوج میں اعلیٰ مقام دیا گیا۔ یحییٰ و جعفر برمکی کو وزارت کا منصب سونپا گیا۔ خراسان میں بعدازاں طاہری خاندان کو گورنر بنایا گیا۔

خلیفہ مہدی نے دعوت اسلام کے لیے بعض ترک حکمرانوں کے دربار میں وفود بھیجے جن میں تخارستان، فرغانہ، قارلق، دوکر اور اویغور خاقان شامل تھے۔ تاہم تاریخی حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔[1]

عباسی دور میں سب سے پہلے خلیفہ ابوجعفر منصور نے ترکوں کو فوج میں

---

[1] ترک اسلامی ریاستوں کی مختصر تاریخ، مؤلفین: ابراہیم کیفس اوغلو، حقی درسن یلدز، اردوغان میرچل اور محمد سارائے، صفحہ 44

شامل کیا۔ ان کی نرم پالیسی کے سبب ترکوں کی کثیر تعداد نے اسلام کا انتخاب کیا۔

ہارون الرشید کے حفاظتی دستے اور محل کی نگرانی میں ترک سپاہ شامل تھی۔

مامون الرشید جو کہ اپنے والد کی وفات کے وقت خراسان کے شہر مرو کا گورنر تھا، ترک سپاہ کی حمایت سے اپنے بھائی امین کو شکست دے کر عباسی خلافت پر متمکن ہوا۔ مامون الرشید نے ترکوں کی حربی و عسکری قابلیت دیکھ کر ان کی تعداد میں اضافہ کیا اور 18000 ترکوں پر مشتمل ایک لشکر ترتیب دیا۔ یہ تمام تر مسلمان تھے۔ اس سے دیکھا جا سکتا ہے کہ ماوراء النہر میں اسلام تیزی سے رو بہ افزائش تھا۔

مؤرخین کے مطابق خلیفہ مامون اور معتصم کے زمانے میں ترکستان مکمل طور پر دائرہ اسلام میں داخل ہو چکا تھا۔ لیکن عباسیوں کا یہ عمل ان کے لیے بلائے جان ثابت ہوا اور ترکوں پر حد سے زیادہ اعتماد و اختیارات کی تفویض کے سبب ترک سپاہ امورِ خلافت میں دخیل ہو گئے۔

مامون الرشید کی وفات کے بعد اس کا بھائی معتصم تخت نشین ہوا۔ خلیفہ معتصم والدہ کی طرف سے ترک تھا اور ہارون الرشید کی ترک کنیز سے پیدا ہوا تھا۔ اس نے ترک سپاہیوں کی مراعات و تنخواہوں میں اضافہ کیا۔ تاریخ الخلفاء از امام جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی کے مطابق معتصم کی ذاتی حفاظت پر مامور ترک سپاہیوں کی تعداد دس ہزار سے زائد تھی۔ اس نے سمرقند و فرغانہ کے گرد و نواح سے ترکوں کو بھرتی کرنا شروع کیا اور نہ صرف فوج بلکہ تمام حکومتی اداروں میں ان کو متعین کیا۔ یہ بغداد میں ہر جگہ پھیل گئے۔ ان کی تعداد میں اضافے کے باعث

اہل شہر کے لیے اذیت کا باعث بن گئے، جس کے بعد خلیفہ نے ان ترکوں کے لیے الگ شہر تعمیر کروایا جس کا نام سامراء [Samarra] رکھا گیا۔ 836ء میں ترک سپاہ کے زیر اثر، خلیفہ نے عباسی خلافت کا دارالحکومت بغداد سے سامراء منتقل کیا۔

معتصم کی وفات کے بعد واثق باللہ تخت نشین ہوا اور اس نے اشناس [Ashinas] نامی شخص کو نائب السلطنت مقرر کیا۔ تاریخ الخلفاء کے مطابق اس کے سر پر ہیروں سے مزین تاج رکھا اور جواہرات کے ہار اس کے گلے میں ڈالے گئے۔ یہ پہلا خلیفہ تھا جس نے ایک ترک کو نائب السلطنت مقرر کیا تھا۔

المتوکل علی اللہ کے زمانے میں اس کے بیٹے منتصر باللہ نے ولی عہدی کے مسئلے پر ترک امراء کی مدد سے اپنے باپ کو قتل کروایا۔ لیکن تخت نشین ہونے کے بعد اس نے ترکوں پر ظلم و ستم شروع کر دیا۔ وہ سرعام تخت پر ان کو بُرا بھلا کہتا تھا۔ جب اس کے مظالم میں شدت آنے لگی تو ترکوں نے اس کے ذاتی طبیب ابنِ طیفور کو تیس ہزار دینار رشوت دے کر اس کی خوراک میں زہر ملا کر قتل کروا دیا۔ یوں اپنے والد کو قتل کروانے کے بعد اسی طریقے سے خود بھی ہلاک ہوا اور چھ ماہ سے بھی کم عرصہ تخت پر متمکن رہ کر انتقال کیا۔ اس کی عمر 36 برس تھی۔

منتصر باللہ کے بعد ترک سپاہیوں نے معتصم کے بیٹے احمد کو تخت پر بٹھایا اور مستعین باللہ کا لقب دیا۔ یہ بھی کچھ عرصے بعد ترکوں کا مخالف ہو گیا اور بعض سرکردہ ترک امرا کو قتل کروایا۔ اس کے بعد ترکوں کے خوف سے بغداد کی طرف چلا گیا۔ ترکوں نے اس کو معزول کر کے معتز باللہ کی بیعت کر لی۔ مستعین باللہ اور معتز باللہ کے مابین کئی جنگیں ہوئیں۔ بالآخر تین سال بعد مستعین بھی ہلاک ہوا۔

تاریخ الخلفاء میں ان تمام واقعات کا تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے۔

معتز باللہ بھی ترکوں کی توقعات پر پورا نہ اتر سکا اور اذیت ناک طریقے سے قتل ہوا۔ اس کے بعد مہتدی باللہ بھی موسیٰ بن بُغا [Musa ibn Bugha] نامی ترک کمانڈر کے ہاتھوں مارا گیا۔

معتضد باللہ کا دارالخلافہ بغداد منتقل کرنے سے ترکوں کا اثر کسی قدر کم ہوا، لیکن جب خلیفہ الراضی باللہ نے 936ء میں رائق الخزری [Ra'iq al-Khazari] کو امیرالامراء مقرر کر کے وسیع اختیارات سونپے تو ترک دوبارہ عباسی خلافت میں صاحبِ رسوخ ہوگئے۔[1]

ترکوں کی پہلی اسلامی ریاست

ترکوں میں ابتدائی طور پر آق ہنوں نے اسلام سے واقفیت حاصل کی۔ یہ 560ء کی دہائی میں گوک ترکوں کے ہاتھوں سقوط پانے کے بعد شمالی ہندوستان[2] اور خراسان میں منتشر ہوگئے تھے۔

ان کے علاوہ ترکستان میں مشہور تجارتی گزرگاہ شاہراہ ریشم کے دونوں اطراف میں ترک قبائل آباد تھے۔ ابتدائی ادوار میں اشاعت اسلام کا سلسلہ سُست روی کا شکار رہا تاہم ترکوں کی ایک قابل ذکر تعداد اسلام کے دائرے میں

---

[1] تاریخ الخلفاء، امام جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی، صفحہ 508

[2] آق ہنوں یا ہفتالیوں نے پنجاب میں اپنی حکومت قائم کی اور موجودہ سیالکوٹ کو اپنا دارالحکومت بنایا تھا۔

آچکی تھی جس میں عباسیوں کے زمانے میں خاطر خواہ اضافہ دیکھنے میں آیا۔ صرف عباسی لشکر میں ترک سپاہ کی تعداد تیس ہزار سے زائد تھی جو کہ بلاشبہ تمام مسلمان تھے۔ نویں صدی عیسوی کے ابتدائی ربع میں ماوراء النہر و ترکستان تقریباً مکمل طور پر مسلمان ہو چکا تھا۔ ان میں عرب صوفیائے کرام کی کوششوں کا بھی خاص اثر شامل ہے۔

ترک رعایا میں تو اسلام کی کرنیں آچکی تھیں لیکن ابھی تک حکمران خاندان اپنے قدیم عقائد و مذاہب پر قائم تھے۔ 920ء میں اسلام قبول کرنے والا ایتیل بلغار [Volga Bulgaria] کی ریاست کا حکمران آلمیش خان [Almish Iltabar] اولین شخص تھا جس نے اپنی ریاست کا مذہب اسلام قرار دیا اور عباسی خلیفہ المقتدر کو اس کی ریاست میں مسلمان علما بھیجنے اور مساجد و قلعوں کی تعمیر کے لیے ماہرین اور مالی امداد روانہ کرنے کی درخواست کی۔[1]

تواریخ اسلامی میں ایتیل بلغار کی ریاست کا زیادہ ذکر نہیں کیا جاتا اور ایک دوسری ترک مسلمان ریاست قراخانیوں [Kara-Khanid Khanate] کا نام لیا جاتا ہے جس کے مشرف بہ اسلام ہونے سے نہ صرف تاریخ اسلام بلکہ عالمی طور پر حیرت انگیز تبدیلی دیکھنے میں آئی۔

قراخانی حکمران ساتُوق بُغرا خان [Satuq Bughra Khan] نے اپنا نام عبدالکریم رکھا اور تواریخ میں عبدالکریم ساتوق بغرا خان کے نام سے پہچانا گیا۔ اس کی حکومت کا پایۂ تخت کاشغر تھا اور حکومت کی حدود چین و ترکستان میں پھیلی

---

[1] سفرنامہ ابن فضلان، مصنف احمد بن فضلان، صفحہ 57

ہوئی تھی۔ اس نے اپنے زمانے میں اشاعت اسلام کے لیے بہت کوششیں کیں اور کئی مساجد تعمیر کروائیں، جن میں سے آج تک بعض بطور یادگار موجود ہیں۔

اسی کے اسلام لانے کا نتیجہ تھا کہ 960ء میں ترکوں کے دو لاکھ خیموں نے باہم اسلام قبول کیا، جو کوئی دس لاکھ افراد کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس قدر کثیر تعداد میں بروقت ترکوں کا اسلام لانا ایک حیرت انگیز واقعہ ثابت ہوا اور اس واقعے کا عرب و دیگر مؤرخین نے کثرت سے ذکر کیا ہے۔ ان مسلمان ہونے والے قبائل کو ترکمن کا لقب دیا گیا۔

لفظ ترکمن کا اطلاق اور معانی

دسویں صدی عیسوی کے اوائل سے اوغوز ترکوں میں اسلام تیزی سے فروغ پانے لگا تھا۔ انھیں سالوں میں سامانی ریاست [Samanid Empire] کے آخری شہزادے ابوابراہیم سامانی نے قراخانی ریاست کے خلاف، اوغوز یابغو ریاست کے حکمران سے اتحاد قائم کیا۔ ابوابراہیم کی کوششوں سے یابغو مسلمان ہوا۔ ماوراء النہر میں اوغوز قوم کی ایک غالب اکثریت جب اسلام لے آئی تو دیگر مسلمانوں نے غیر مسلم ترکوں اور مسلمان ترکوں میں تفریق کے لیے مسلمان ترکوں کو ''ترکمن'' (یا ترکمان) کا خطاب دیا۔ لفظ ترکمن کے متعلق مؤرخین نے مختلف نظریات پیش کیے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

ابن کثیر اور تاریخ مختار کے مطابق یہ لفظ ترک ایمان سے نکلا ہے، جو کہ رفتہ رفتہ ترکمان اور بالآخر ترکمن بنا۔

شجرہ تراکمہ، البیرونی اور جامع التواریخ نے لکھا ہے کہ یہ لفظ ترک مانند سے آیا ہے۔ اس نظریے کے مطابق بعض ترک قبائل آپسی جنگوں کی وجہ سے آبائی علاقوں سے نکل کر خراسان میں آباد ہوئے۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد جغرافیائی تبدیلیوں کے سبب ان کی شکل و شباہت میں تبدیلی آگئی، لیکن ان کی زبان اور رہن سہن اپنی اصل جگہ قائم رہا۔ مقامی آبادی نے انھیں ترک مانند (ترکوں جیسی شباہت رکھنے والے) کہنا شروع کیا جو کہ بعدازاں ترکمن بن گیا۔[1]

فارسی و ترکی زبان میں ''من'' کا لفظ، اصل و خالص کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ مشہور ترک شناس، فاروق سومر [Faruk Sumer] نے اپنی تصنیف ''اوغوزلر'' میں ترکمن کو خالص ترک (ترک۔من) کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ ان کے مطابق قوجامان، دگیرمان اور آزمان مؤرخین نے بھی اسی کو درست و معتبر کہا ہے۔[2]

مسلمان ترکوں کے لیے بہت عرصے تک ترکمن کا لفظ زیر استعمال رہا۔ سلجوقیوں کو بھی بیہقی و گردیزی نے ترکمن لکھا ہے۔ سلجوقیوں نے کافی مدت تک خود کو اوغوز خطاب کیا لیکن بعدازاں ترکمن کا لقب اختیار کر لیا۔ البیرونی کی تصانیف سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان اوغوز قبائل کے لیے ترکمن کا اطلاق ہوتا تھا۔[3]

---

[1] Şecere-i Terakime. Ebulgazi Bahadır Han. Page 170

[2] اوغوز ھا، مصنف فاروق سومر، صفحہ 98

[3] کتاب الجماہیر، ابوریحان البیرونی، صفحہ 205

غزنوی سلطنت [Ghaznavids]

قراخانیوں کے بعد ترکوں میں تیسری اسلامی سلطنت کی بنیاد آلپ تگین [Alp-Tegin] نے 962ء میں ڈالی۔ آلپ تگین ترکوں کی کون سی شاخ سے منسوب تھا، اس کے متعلق واضح طور پر معلومات کم ہیں۔ لیکن اس کے ایک ترکی غلام کی حیثیت سے سامانی دربار سے وابستہ ہونے، اور اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر دربار میں بلند ترین مقام ''حاجب الحجاب'' کے رتبے پر فائز ہونے، بعدازاں سپہ سالار بننے اور عمر کے اواخر میں خراسان کا گورنر مقرر کیے جانے کا ذکر ملتا ہے۔ بعدازاں سامانی حکمران اور اس کے مابین تعلقات خراب ہوئے اور غزنی کے گردو نواح میں اس نے اپنی مستقل حکومت بنا لی۔ اس کی وفات کے بعد اسحاق نامی بیٹا جانشین ہوا۔ اس نے سامانیوں کی اطاعت کی اور خراج دینے پر آمادہ ہوا۔ تین سال حکومت کرنے کے بعد وفات پائی۔ بعدازاں حکومت چند سالوں تک آلپ تگین کے وفادار ترک غلاموں بلگاتگین [Bilgetegin] اور امیر پیری تگین [Boritigin] کے ہاتھ میں رہی۔ لیکن ان میں امورِ سلطنت کو سنبھالنے کے جوہر نہیں تھے، اس لیے 962ء میں آلپ تگین کے داماد سبکتگین [Sabuktigin] نے سپاہ کی مدد سے پیری کو معزول کر کے اسے قلعہ غزنی میں نظر بند کیا اور تخت غزنہ پر جلوہ افروز ہوا۔ اس نے اپنی قلمرو کو وسعت بخشی اور مضبوط حکومت قائم کی۔ درحقیقت غزنوی سلطنت کا اصل بانی اسے کہا جاتا ہے۔ 1186ء تک، تقریباً دو سو سال تک قائم رہنے والی غزنوی سلطنت کے تمام سلاطین اسی کی نسل سے ہیں۔

سبکتگین کے خاندانی نسب کے متعلق مؤرخین نے مختلف آرا پیش کی ہیں۔ اس کے ترک ہونے پر عموماً تمام معتبر تواریخ متفق ہیں جن میں تاریخ بیہقی، طبقاتِ ناصری اور تاریخ یمینی قابل ذکر ہیں۔ جامع التواریخ اور شجرہ تراکمہ کے مطابق سبکتگین کا سلسلۂ نسب اوغوز ترکوں کے قائی قبیلے سے جا ملتا ہے۔[1]

اس حساب سے ارطغرل غازی اور امیر سبکتگین ایک ہی نسب اور قائی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور دونوں ہی اپنے زمانے کی دو عظیم سلطنتوں کے بانی تھے۔ جس طرح ارطغرل غازی نے سلجوقیوں کے اوچ بیگی کی حیثیت سے مغرب میں بازنطینی عیسائیوں کو پے در پے شکست دے کر اسلامی سرحدوں کی وسعت میں اضافہ کیا اور عثمان غازی جیسا عظیم جانشین چھوڑ گیا۔ اسی طرح قائی قبیلے کے سبکتگین نے بھی ہندو راجہ جے پال کو شکستوں سے دوچار کر کے ہند کے علاقوں میں اسلام کی صدا بلند کی۔

سبکتگین نے اپنی فتوحات کا آغاز غزنی کے گرد ونواح کے شہروں سے کیا اور بلخ و بامیان کی فتح کے بعد موجودہ بلوچستان کے علاقے خضدار تک کے علاقوں کو اپنی حاکمیت میں شامل کیا۔ ہندوستان پر بھی لشکر کشی کر کے متعدد مرتبہ ہندوؤں کو شکست دی۔ غزنی و اطراف میں رہنے والے افغان و خلجی قبائل بھی اس کے مطیع ہوئے اور لشکر میں شامل ہو کر اہم خدمات انجام دیں۔ ایک وقت ایسا بھی آیا جب اس کی طاقت سامانی حکومت سے کئی گنا بڑھ چکی تھی۔ لیکن اس نے غالباً پرانے احسانات کے سبب سامانیوں کو نہ صرف کبھی ضرر پہنچانے کی کوشش نہیں کی،

[1] Şecere-i Terakime. Ebulgazi Bahadır Han. Page:168

بلکہ ان کی اطاعت پر قائم رہا۔ لیکن یہ اطاعت محض رسمی تھی۔ اس کے بیٹے سلطان محمود غزنوی نے اپنے والد کی بنا کردہ سلطنت کی عمارت کو عظمت کی بلندیوں پر پہنچایا، جس کے سبب سینکڑوں سال گزر جانے کے بعد بھی ان کا نام زندہ ہے۔

سبکتگین نے 997ء میں بیماری کے سبب انتقال کیا اور غزنی میں سپردِ خاک ہوا۔ سبکتگین کی وفات کے وقت سلطان محمود نیشاپور میں مقیم تھا اور سامانیوں کی طرف سے خراسان کا سپہ سالار مقرر تھا۔ اس نے یہ خبر پا کر غزنی کی طرف اپنا سفیر روانہ کیا اور بھائی اسماعیل کو تعزیت کا خط لکھ کر رنج و غم کا اظہار کیا۔ ساتھ ہی غزنوی سلطنت کے امرا کو پیغام دیا کہ تخت کی وراثت اس کا حق ہے اور سکہ سلطان محمود کے نام کا بنوایا جائے۔ لیکن اسماعیل نے بعض امرا کی حمایت سے تخت و تاج پر اپنا تصرف جما لیا۔ ناچار دونوں فریقین میں جنگ ہوئی اور سات ماہ کی خانہ جنگی کے بعد سلطان محمود نے غالب آ کر حکومت پر گرفت حاصل کی۔ اسماعیل کو جوزجان کے قلعے میں نظر بند کر دیا گیا۔

اندرونی شورشوں کے خاتمے کے بعد سلطان نے سامانیوں سے بھی قطع تعلق کرتے ہوئے خودمختاری کا اعلان کیا۔ اس کے دو سال بعد قراخانیوں نے بخارا پر حملہ کر کے سامانی ریاست کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا۔

سلطان محمود نے سفاریوں [Saffarid Dynasty] کے خلاف کامیاب مہم کے بعد ہند کی طرف یورش کی اور 1001ء میں پشاور کے مقام پر راجہ جے پال کو شکست دی۔ اس جنگ میں ہندو راجہ جے پال سمیت کثیر تعداد میں ہندو اسیر ہوئے اور سلطان نے پشاور و گردونواح پر تصرف پالیا۔ راجہ نے اپنی رہائی کے

عوض دو لاکھ دینار اور ایک سو پچاس ہاتھی جرمانہ کے طور پر دینے کی پیش کش کی، جسے سلطان محمود نے قبول کر لیا۔ اس شرمناک شکست کی تاب نہ لاتے ہوئے جے پال نے زندہ چِتا میں خود کو جلا کر خودکشی کر لی۔

جے پال کے جانشین آنند پال نے بھی غزنویوں کے خلاف جنگ کا اعلان کیا۔ جس کے بعد سلطان محمود غزنوی کی مشہور فتوحات کے نتیجے میں 1005ء میں بھیرہ، 1006ء میں ملتان اور بالترتیب 1014ء میں تھانیسر، 1018ء میں متھرا اور 1021ء میں قنوج تسخیر ہوا، جس میں کئی قلعے فتح ہوئے اور بے حساب مال غنیمت ہاتھ آیا۔ اگلے برسوں میں لاہور، کالنجر اور گوالیار جیسے اہم شہر بھی فتح ہوئے۔ لیکن ان میں سب سے مشہور اور اہم فتح سومنات کی تھی۔ 1025ء میں سلطان محمود غزنوی نے تیس ہزار سواروں کی معیت میں غزنی سے سومنات کے ارادے سے حرکت کی۔ یہ مقام اہل ہنود کے لیے مذہبی و سیاسی مرکزیت کا حامل تھا۔ نہ صرف ان کی سب سے بڑی عبادت گاہ سومنات میں واقع تھی، بلکہ ہر سال مسلمانوں کے خلاف جنگوں کے فیصلے بھی یہیں سے کیے جاتے۔ غزنوی لشکر نے شدید جنگ کے بعد شہر پر تصرف حاصل کیا۔ سومنات کے پجاریوں نے سلطان کو بے تحاشا مال و زر کا لالچ دیا اور درخواست کی کہ سومنات کو نہ توڑا جائے۔ یہاں سلطان محمود نے وہ تاریخی جواب دیا جو کہ رہتی دُنیا تک یادگار رہے گا:

> ”اگر میں نے یہ دولت قبول کر لی تو قیامت کے روز مجھے محمود بُت فروش کہہ کر پکارا جائے گا۔ میں بُت فروش نہیں، بلکہ بُت شکن کہلانا پسند کروں گا۔“

یہ کہہ کر بُت کے ٹکڑے کر ڈالے۔ اس کا ایک حصہ غزنی کی جامع مسجد کے باہر رکھا گیا۔ اس موقع پر اقبال کا یہ شعر صدق آتا ہے:

ہم جو جیتے تھے، تو جنگوں کی مصیبت کے لیے
اور مرتے تھے، ترے نام کی عظمت کے لیے
تھی نہ کچھ تیغ زنی، اپنی حکومت کے لیے
سر بکف پھرتے تھے دہر میں، کیا دولت کے لیے؟
قوم اپنی جو زر و مالِ جہاں پر مرتی
بُت فروشی کے عوض بُت شکنی کیوں کرتی!

محمود غزنوی نے قراخانیوں کے ساتھ بھی دوستانہ روابط قائم کیے۔ روابط میں بہتری کے لیے ایلک خان کی بیٹی سے نکاح کے لیے پیغام بھیجا، جو کہ قراخانی حکمران نے بخوشی قبول کر کے اپنی بیٹی سلطان کے عقد میں دے دی۔

محمود غزنوی تاریخ میں اولین حکمران تھا جس نے اپنے نام کے ساتھ سلطان کا لفظ استعمال کیا جو کہ بعد کے اکثر مسلمان حکمرانوں کے نام کا حصہ بن گیا۔ 30 اپریل 1030ء کو سلطان نے غزنی میں انتقال کیا۔ وفات کے وقت ان کی عمر 58 برس تھی۔

سلجوقیوں کا ظہور

سلجوقی، اوغوز ترکوں کے معروف قبیلے قینیق [Qinik] سے تعلق رکھتے تھے جو کہ جامع التواریخ کی رُو سے 24 ترک قبائل میں تنگیز خان [Tengiz Khan] کی

اولاد میں آخر پر آتے ہیں۔ اس خاندان کا تذکرہ اس لیے بھی اہم ہے کیونکہ مسلمانوں کے لیے اناطولیہ کے دروازے کھول کر وہاں ترک حکومت کی بنیاد رکھنا انھیں کو نصیب ہوا۔ قائی قبیلے کے اناطولیہ میں دخول کے موقع پر یہی سلجوقی وہاں کے حاکم تھے۔ ارطغرل غازی کا براہ راست تعلق اس سلسلے کے سلاطین سے رہا ہے۔

اس خاندان کا نام اپنے جد، سلجوق کے نام پر مشہور ہوا۔ سلجوق، اوغوز یابغو ریاست [Oghuz Yabgu State] کے مشہور امرا میں سے ایک، دقاق [Tuqaq] کا بیٹا تھا جسے تواریخ میں لقمان بھی کہا گیا ہے۔

دقاق کی زندگی کے متعلق تفصیلی معلومات نہیں ملتیں۔ البتہ باسورس کے مطابق وہ اوغوز یابغو سلطنت کے دربار میں بلند مقام پر فائز تھا اور دقاق کے بعد سلجوق کو یابغو کی طرف سے ریاست کا سوباشی [Su-bashi] (سپہ سالار) مقرر کیا گیا تھا۔ سلجوق کے روز بروز بڑھتے اقتدار و مقبولیت کو دیکھ کر دربار کے دیگر امرا اس سے حسد کرنے لگے۔ یہاں تک کہ یابغو کی اہلیہ بھی اس کے مخالف ہوگئی اور یابغو کو اس کے مخالف کر دیا۔ اوغوز حکمران کے ساتھ اختلافات میں شدت پیدا ہونے پر چوتھی صدی ہجری کے آخری عشرے میں جند نامی شہر کی طرف کوچ کیا اور وہاں اپنے تمام قبیلے سمیت اسلام قبول کر کے حنفی مذہب اختیار کیا۔ مؤرخ ابنِ اثیر کے مطابق سلجوق نے 67 برس کی عمر میں وفات پائی اور جند میں دفن ہوا۔[1]

[1] تاریخ ابن اثیر، عز الدین بن الاثیر الجزری، جلد 9: صفحہ 196

سلجوق کے پانچ بیٹے تھے: اسرائیل، میکائیل، موسیٰ، یونس، یوسف۔[1]

999ء میں سامانیوں کے زوال کے بعد ماوراء النہر میں قراخانی حاکمیت قائم ہوگئی تھی۔ سلجوقیوں نے اسرائیل، جو ارسلان اسرائیل [Arslan Isra'il] کہلاتا تھا، کی قیادت میں قراخانیوں کی بالادستی قبول کی۔

قراخانی حکمران ارسلان خان کی حکومت کے اواخر میں قراخانی شہزادے علی تگین [Ali-Tegin] نے اوغوز ترکمانوں کی مدد سے ماوراءالنہر میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ 1020ء میں سلجوقیوں کی مدد سے بخارا پر بھی تصرف پالیا۔ سلجوقیوں کے سردار ارسلان اسرائیل سے اتحاد کر کے اپنی بیٹی اس کے عقد میں دی۔ یوں اوغوز ترکمانوں کے ایک طاقتور گروہ کو اپنا اتحادی بنا لیا۔

دوسری طرف مشرقی ترکستان (کاشغر) میں ارسلان خان کے دُنیا سے گزرنے کے بعد علی تگین کا بھائی قدرخان کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ اس کے دوسرے بھائی احمد نے بھی علی تگین کی حمایت کر کے بلاساغوز، خجند اور فرغانہ پر تصرف حاصل کر لیا۔

علی تگین کی بڑھتی طاقت کے سبب نہ صرف قراخانی حکومت، بلکہ غزنوی حکومت بھی تشویش کا شکار تھی اور انھیں اپنی سرحدوں کی طرف سے بھی خطرہ محسوس ہونے لگا۔ علی تگین کا سدباب کرنے کے لیے 1025ء میں سلطان محمود غزنوی اور قدرخان باہم متحد ہوگئے۔ خراسان کی طرف سے سلطان محمود ایک عظیم الشان لشکر لے کر ماوراء النہر میں وارد ہوا جبکہ دوسری سمت سے قدرخان نے بھی حرکت شروع

[1] سلجوق نامہ، ظہیر الدین نیشاپوری، صفحہ 10

کی۔ علی تگین جانتا تھا کہ وہ ان دو سلطنتوں کے خلاف مقابلے کی ہمت نہیں رکھتا، اس لیے اس نے روپوشی اختیار کی اور بیابانوں کی جانب فرار ہوگیا۔

چونکہ سلجوقیوں کا گروہ بھی اس کا اتحادی تھا، قدرخان سے سلطان محمود کی ملاقات کے دوران دیگر موضوعات اور معاہدات کے ساتھ ترکمانوں کا مسئلہ بھی زیر بحث آیا۔ سلطان محمود نے اپنے ایک چرب زبان سفیر کو ارسلان اسرائیل کے پاس روانہ کیا۔ سفیر نے سلجوقیوں کے سردار سے ملاقات کر کے سلطان محمود کے ہدیے پیش کر کے نیک پیغامات اس کے گوش گزار کیے اور یہ تاثر دیا کہ سلطان محمود ترکمانوں کی شجاعت و جنگی مہارتوں سے بہت متاثر ہے، اس لیے وہ آپ سے ملاقات کر کے اتحاد قائم کرنا چاہتا ہے، تاکہ ہندوستان کی مہمات کے لیے سلجوقیوں کی مدد بھی لی جائے اور اس دوران سرحدوں کی نگرانی بھی ترکمانوں کے سپرد کی جائے۔

ارسلان اسرائیل یہ سن کر دس ہزار سوار جمع کر کے سلطان کے پاس روانہ ہونے لگا۔ سفیر نے کہا کہ فی الوقت عسکری اعانت کی ضرورت نہیں ہے، سلطان فقط آپ سے ملاقات کر کے تعارف و دوستی قائم کرنا چاہتا ہے۔ ارسلان اسرائیل نے باہمی صلاح مشورے کے بعد رضامندی ظاہر کی اور تین سو افراد کی معیت میں سلطان محمود کی اقامت گاہ کی جانب روانہ ہوا۔ وہاں اس کا پرتپاک استقبال ہوا۔ سلطان نے تمام امرا سے اوپر، بالائی مقام پر اسے اپنے برابر تخت پر بٹھایا۔

دورانِ گفتگو دیگر باتوں سے فارغ ہو کر کہا کہ ہمیں ہندوستان پر لشکر کشی

کرنے کے لیے سپاہیوں کی ضرورت پڑتی ہے اور اس دوران بلادِ خراسان مہمل و معطل رہ جاتے ہیں۔ لہٰذا ہمارے اور آپ کے مابین ایک معاہدہ ہونا چاہیے تاکہ ہماری غیر موجودگی میں ان علاقوں کا امن و امان برقرار رہے۔ ارسلان اسرائیل نے جواب دیا کہ ہماری طرف سے بندگی میں تقصیر نہ ہوگی۔ سلطان نے پوچھا کہ اگر ہمیں لشکر کی ضرورت پڑ جائے تو کتنی مدد کر سکتے ہو؟ ارسلان اسرائیل کی کمر میں کمان اور تین تیر باندھے ہوئے تھے جو کہ اوچ اوق اوغوزوں کا نشان تھا۔ اس نے غرور بھرے لہجے میں کمان کو نکالا اور کہنے لگا: ''اس کمان کو میری قوم کی طرف روانہ کر دیں تو بیک وقت تیس ہزار سوار حاضر ہو جائیں گے۔''

سلطان نے کہا: ''اگر اس سے زائد کی ضرورت ہو تو؟''

ارسلان نے ایک تیر نکال کر سلطان کے سامنے رکھا اور گویا ہوا:

''یہ تیر اگر اپنے قبیلے کی طرف روانہ کر دوں تو دس ہزار مزید حاضر ہو جائیں گے۔''

سلطان نے کہا: ''اگر وہ بھی کافی نہ ہوا؟''

ارسلان نے دوسرا تیر نکال کر کہا: ''اسے بالقان کے پہاڑوں کی طرف ارسال کیجیے، ایک لاکھ سوار آ جائیں گے۔''

سلطان نے کہا: ''اگر پھر بھی کافی نہ ہوئے تو؟''

ارسلان نے جواب دیا: ''میری کمان کو ترکستان کی طرف بھیج دیجیے، دو لاکھ سوار پہنچ جائیں گے۔''

اس گفتگو سے محمود کو سلجوقیوں کی فوجی قوت کا اندازہ ہوا اور ان کے

استیصال کا فیصلہ کیا۔ اپنے امرا کو حکم دیا کہ ارسلان اسرائیل کے ساتھیوں کو لے جا کر مہمان کریں اور ارسلان اپنے دس افراد کے ساتھ میرا مہمانِ خاص ہوگا۔ تین شبانہ روز تک ان کو مہمان رکھا۔ ایک شب بدمستی کی حالت میں ارسلان کو قید کر کے ہندوستان کے کالنجر قلعے بھیج کر وہاں نظر بند کر دیا۔ (یہ قلعہ مرکزی ہندوستان والا کالنجر نہیں، بلکہ ملتان کی حدود میں واقع تھا۔)

ارسلان اسرائیل کے بھائیوں کو صورتحال کا علم ہونے پر سخت تشویش لاحق ہوئی لیکن سلطان محمود کی طاقت کے خوف سے شورش کرنے کی ہمت نہ ہو پائی اور ظاہراً اطاعت کا اعلان کیا، لیکن اندرونی طور پر وہ بہتر موقع کی تلاش میں رہے۔ دوسری طرف کالنجر قلعے میں قید کے دوران ارسلان کے قبیلے کے چند ترکمانوں نے بھیس بدل کر قلعے میں باربرداری اور ماشکی کا پیشہ اختیار کیا۔ ایک روز موقع پا کر اسے قلعے سے نکال کر فرار ہو گئے۔ راستے سے عدم واقفیت کی بنا پر جنگل میں بھٹک گئے۔ کوتوال نے خبر پا کر ان کا تعاقب کیا۔ ارسلان کو جب اپنے گرفتار ہونے کا یقین ہو گیا تو اس نے ترکمانوں سے کہا:

''تم وطن واپس جاؤ۔ میرے بھائیوں کو میرا سلام پہنچانا اور ان سے کہنا کہ خراسان پر تصرف پانے کی کوشش کریں، کیونکہ یہ بادشاہ غلام زادہ اور بےنسب ہے۔ ہمت نہ ہارنا اور اپنی پوری جدوجہد جاری رکھنا، جب تک مملکت کا نظام تمہارے ہاتھ نہ آ جائے۔ اس نے جس جور و ستم سے مجھ بےگناہ کو قید رکھا، اس کا حساب ضرور لینا۔''

وہ افراد جھاڑیوں میں روپوش ہوگئے اور ارسلان گرفتار ہوکر دوبارہ قلعے میں قید کر دیا گیا، جہاں اس نے سات سال زندہ رہ کر وفات پائی۔ یہ تاریخ میں اس اعتبار سے بھی اہم ہے کہ اسی ارسلان اسرائیل کی نسل سے سلاجقہ رُوم کے بادشاہ پیدا ہوئے۔[1]

سلجوقی سلطنت کا آغاز

ارسلان کی گرفتاری کے کچھ عرصہ بعد ترکمانوں کا ایک گروہ سلطان محمود کے حضور میں پیش ہوا اور عرض کی کہ ماوراء النہر کی چراہ گاہیں ہمارے لیے کافی نہیں ہیں، اس لیے ہمیں جیحون دریا پار کر کے خراسان میں آباد ہونے کی اجازت دی جائے۔[2] سلطان نے ان کی درخواست قبول کرتے ہوئے چار ہزار گھرانوں کو خراسان میں آباد ہونے کی اجازت دے دی۔ درحقیقت انھیں وہاں لا کر سلطان محمود سخت غلطی کا مرتکب ہوا تھا جو کہ بعدازاں سلجوقیوں کے فتح مند ہونے اور غزنویوں کی ناکامی کا سبب بنا۔ اوائل میں طوس کے گورنر امیر جاذب نے ترکمانوں کے آنے کی سخت مخالفت کی۔ ترکمانوں کو وہاں سے نکالنے یا ان کی انگلیاں کاٹنے کا مشورہ دیا، تاکہ وہ تیر چلانے کی صلاحیت سے محروم ہوجائیں۔ سلطان نے سختی سے اس کی تجویز ردّ کرتے ہوئے کہا کہ تم نہایت بے رحم اور بدگمان شخص ہو۔[3]

---

[1] سلجوق نامہ، ظہیر الدین نیشاپوری، صفحہ 13

[2] زین الاخبار، ابوسعید گردیزی، صفحہ 411-410

[3] تاریخ ابن اثیر، عز الدین بن الاثیر الجزری، جلد 9: صفحہ 197

1027ء میں سلطان کے ہندوستان کے سفر سے واپسی پر ترکمانوں کے تجاوزات کی شکایات موصول ہوئیں۔ اس نے طوس کے گورنر کو خط بھیجا کہ ان کا سدباب کیا جائے۔ لیکن ترکمانوں نے غلبہ پاکر ان کے کئی سپاہیوں کو قتل و زخمی کیا۔ سلطان نے گورنر کی بےلیاقتی اور ناکامی پر سخت الفاظ کہے۔ والیٔ طوس نے جواب میں محمود کو لکھ بھیجا کہ یہاں ترکمانوں کا فتنہ آخری حد تک پہنچ چکا ہے۔ اگر آپ بذاتِ خود آکر ان کی سرکوبی نہ کریں تو یہ بڑھتا جائے گا۔ سلطان نے جرار لشکر کے ساتھ ان پر یورش کی، اور سخت جنگ کے بعد سلجوقی پسپا ہوکر بالقان اور دہستان کی طرف پراگندہ ہوگئے۔ کچھ عرصہ تک ان کی طرف سے خطرہ ٹل گیا۔

1030ء میں سلطان محمود کی وفات کے بعد ترکمانوں نے دوبارہ سر اٹھایا۔ چونکہ سلطان مسعود سیاسی و فکری اعتبار سے اپنے والد کے مقابلے بہت کم شعور رکھتا تھا، اس لیے سلجوقیوں کے دوبارہ ظہور کرنے کی راہیں ہموار ہوگئیں۔ اس دوران سلجوقیوں کی سربراہی طغرل بیگ [Tughril Beg] اور چغری بیگ [Chaghri Beg] نے سنبھالی جو کہ میکائیل کے بیٹے تھے۔ 1037ء میں سلطان مسعود کے ہندوستان سفر سے فائدہ اٹھا کر سلجوقیوں نے فاریاب اور طالقان پر قبضہ کرلیا۔ مسعود غزنوی نے غزنی پہنچ کر اس ناخوشگوار واقعے کی اطلاع پائی اور اپنے لشکر کو جمع کر کے سرخس [Sarakhs] کی جانب روانہ ہوا۔ وہاں سلجوقی اور غزنوی سپاہ کے مابین فیصلہ کن جنگ ہوئی، جس کے نتیجے میں سلجوقی ترکمانوں نے برتری حاصل کر کے نیشاپور کو بھی فتح کرلیا۔ 1037ء میں طغرل بیگ نیشاپور پہنچا اور وہاں کی جامع مسجد میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ یہ واقعہ سلجوقیوں کے

حکومت کا آغاز کہلایا جاتا ہے۔ بعدازاں طغرل کی تخت نشینی کے بعد بلخ کے علاوہ تمام نواحی خراسان سلجوقیوں کے تصرف میں آ گیا۔

بیہقی نے طغرل بیگ کے نیشاپور میں داخل ہونے کا احوال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ تین ہزار زرہ پوش سواروں کے ساتھ شہر میں وارد ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک کمان اور کمر میں تین تیر دیکھے جا سکتے تھے۔ طغرل بیگ نے سلطان مسعود کے تخت پر متمکن ہو کر اہالیان شہر سے ملاقات کی۔ نیشاپور کی معروف روحانی شخصیت قاضی سعید کی نصیحتوں کے جواب میں ان سے کہا کہ ہم عجم کے آداب و رسوم سے واقفیت نہیں رکھتے، اس لیے اپنے نصائح و مشوروں سے ہمیں دور نہ کیجیے گا۔[1] اسی سال نیشاپور میں طغرل بیگ اور مرو میں چغری بیگ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔

سلطان مسعود جو کہ اپنی غفلت و غلط فیصلوں کے سبب سلطنت کا اہم حصہ گنوا چکا تھا، اب کی بار تمام تر قوت جمع کر کے سلجوقیوں کی سرکوبی کے ارادے سے روانہ ہوا۔ لیکن غزنوی لشکر پے در پے شکستوں اور خستگی سے ذہنی طور پر مغلوب ہو چکا تھا۔ مرو اور سرخس کے درمیان دندانقان [Dandanaqan] کے مقام پر دونوں لشکر مدمقابل ہوئے۔ کہتے ہیں کہ غزنوی لشکر پچاس ہزار سے زائد سپاہ پر مشتمل تھا جبکہ سلجوقیوں کی کل عسکری قوت بیس ہزار سے زائد نہ تھی۔ جنگ میں فیصلہ کن موڑ تب سامنے آیا جب غزنویوں کے ہراول دستے سے چار سو کے قریب سپاہی سلجوقیوں کی صف میں شامل ہو گئے۔ غزنوی لشکر میں موجود ہندو افغان

---

[1] تاریخ بیہقی، ابوالفضل بیہقی، صفحہ 692-691

عساکر تو پہلے سے بددل تھے، انھوں نے میدانِ جنگ سے فرار کی راہ اختیار کی۔ سلطان مسعود اپنے وفادار ساتھیوں کے ساتھ مردانہ وار لڑتا رہا، لیکن اب پانی سر سے گزر چکا تھا۔ ناچار بھاگ نکلا اور غور کے راستے غزنی کا رُخ کیا۔

اس جنگ سے سلجوقیوں کے زریں دور کا آغاز ہوا اور غزنوی سلطنت ہندوستان تک محدود ہو کر رہ گئی۔ طغرل بیگ نے غزنوی لشکر کے ہزاروں اسیروں کو صلہ رحمی کر کے رہا کیا اور انھیں گھوڑے، لباس اور زادراہ دے کر آزاد کیا۔ سلجوقی ترکمانوں نے باہمی مشاورت سے طغرل بیگ کو خراسان کا حاکم منتخب کر لیا۔ اسی مہینے مرو میں سلجوقیوں نے جمع ہو کر فیصلہ کیا کہ طغرل بیگ کو سلطان کا خطاب دیا جائے اور نیشاپور، کرمان، قہستان، فارس اور عراق اس کی ملکیت میں دے دیے جائیں۔ چاغری بیگ کو ملک کا لقب دے کر غزنی سے جیحون تک کے درمیانی علاقوں کا حاکم بنایا جائے جس کا مرکز مرو ہوگا۔ اسی طرح ان کے چچا موسیٰ یابغو کو ہرات و سیستان کی حکمرانی دی گئی۔

1040ء میں چاغری بیگ نے بلخ کو بھی سلجوقی سلطنت کا حصہ بنایا اور خوارزم میں بھی فتوحات کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے پرانے دشمن شاہ ملک کو شکست دی۔ قراخانیوں کو بھی 1043ء میں مغلوب کیا۔ چغری بیگ نے بعدازاں قراخانیوں کے ساتھ امن معاہدہ کیا اور غزنوی حکمران ابراہیم سے بھی 1059ء میں یہ معاہدہ طے پایا کہ دونوں ریاستوں کے درمیان ہندوکش کو سرحد تسلیم کیا جائے۔ چغری بیگ نے اس کے اگلے سال ستر برس کی عمر میں انتقال کیا۔

دندانقان کے بعد طغرل بیگ نے تمام پڑوسی ریاستوں کی طرف مکتوب

روانہ کیے جن میں سے عباسی خلیفہ کے دربار میں بھیجے گئے ایک خط کو الراوندی نے اپنی کتاب میں یوں نقل کیا ہے:

"ہمارا ایک چچا اسرائیل بن سلجوق نامی تھا، جو ہمارے درمیان بزرگ و محترم تھا۔ یمین الدولہ محمود بن سبکتگین نے اس کو بے جرم و خطا گرفتار کر کے ہندوستان کے قلعہ کالنجر میں قید کر دیا۔ وہاں سات سال نظر بند رہ کر اس کا انتقال ہوا۔ ہمارے دوسرے ساتھیوں اور اقربا کو بھی اس نے قلعوں میں مُقَیَّد رکھا۔ محمود کے انتقال کے بعد اس کے جانشین مسعود نے امورِ مملکت کی طرف توجہ نہ دی اور لہو و لعب اور تماشوں میں مشغول رہا۔ ناچار اہلیانِ خراسان نے ہم سے درخواست کی کہ ہم ان کی نگہداشت کا کام اپنے ذمہ لیں۔ اس کے لشکر نے ہم سے مقابلہ کیا۔ آخرکار، مسعود نے ہمارے مقابلے میں شکست کھائی۔ خداوند عالم کی مدد سے ہمیں غلبہ حاصل ہوا۔ اس بخشش و نصرت کا شکر بجا لانا ہم نے لازم سمجھا، اور عدل و انصاف کو عام کر کے دین کے اصولوں اور امیر المومنین کے فرمان کے مطابق چلنا چاہتے ہیں۔"[1]

ان سفارتی خطوط کا نتیجہ کیا ہوا؟ اس کے متعلق تواریخ خاموش ہیں۔

---

[1] اسلامیہ، ابوالاعلیٰ مودودی، صفحہ 154 بحوالہ آیت السرور و راحۃ الصدور، مصنف ابن الرّاوَندی، صفحہ 103-104

لیکن یہ خط اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ سلجوقی حکمران عباسی خلیفہ کی عزت و تکریم کے ساتھ ساتھ سلطنت کی بقا اور قیام کے لیے ان کی رضامندی کو ضروری سمجھتے تھے۔

1042ء میں طغرل بیگ نے اپنے برادرِ مادری ابراہیم اینال [Ibrahim Inal] کو لشکر کی سربراہی دے کر رے شہر کی فتح کے لیے روانہ کیا۔ اس نے رے کی فتح کے بعد سلطان کو پیغام بھیجا۔ بعدازاں اسے سلجوقی سلطنت کا نیا پایہ تخت بنایا گیا۔

1048ء میں ابراہیم اینال نے ترکمانوں کے لشکر کے ساتھ بازنطینی علاقوں میں فتوحات کا آغاز کیا۔ سلجوقی فوج نے آرمینیا میں داخل ہو کر ملازگرد کا علاقہ فتح کیا۔ اس کے بعد بلادِ روم میں داخل ہو کر طرابزون تک کا علاقہ تسخیر کیا۔ ان جنگوں میں کثیر تعداد میں مالِ غنیمت حاصل ہوا اور سلجوقیوں کی سرحدیں وسعت پاتی گئیں۔ بالآخر قیصر روم نے طغرل بیگ کے دربار میں سفیر بھیجے اور بیش قیمتی ہدایا ارسال کر کے درخواست کی کہ دونوں حکومتوں کے مابین امن معاہدہ قائم ہوجائے۔ 1049ء میں طغرل بیگ نے اس کی درخواست کو قبول کیا اور اسیر شدہ ابخان کے عیسائی بادشاہ کو بھی بغیر کسی فدیے کے رہا کر دیا۔

ان فتوحات کا اثر یہ ہوا کہ اوغوز ترکمان قبائل اناطولیہ میں پھیل گئے اور رومی سرحدوں میں سکونت اختیار کر لی۔ یوں ایشیائے کوچک میں سلجوقیوں کی دھاک بیٹھ گئی اور ترکستان و خوارزم سے ہزاروں لوگ آ کر آذربائیجان، آرمینیا اور مغربی فرات تک پھیل گئے۔

1051ء میں طغرل بیگ نے اصفہان فتح کر کے پایہ تخت کو وہاں منتقل کیا۔

1055ء میں بغداد کی جامع مسجد میں طغرل بیگ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ اسی سال طغرل بیگ نے بغداد کی طرف سفر کیا اور شہر میں داخل ہونے کی اجازت طلب کی۔ خلیفہ کی طرف سے اجازت ملنے کے بعد قاضی القضات، امیر الامراء اور تمام اشرافِ شہر استقبال کے لیے شہر سے باہر آئے۔ طغرل بیگ اپنے سپاہیوں کے ساتھ شان و شوکت سے شہر میں داخل ہوا۔ اس کے لشکر میں آٹھ ہاتھی بھی شامل تھے۔ خلیفہ نے طغرل کو سات خلعت پہنائے، جو کہ ہفت اقلیم کی حکومت کے معنوں میں آتے ہیں۔

اسے تاج پہنا کر عرب کا زریں عمامہ پہنایا۔ اس کے گلے میں ہار ڈال کر ایک زرنگار تلوار اس کی کمر میں باندھی۔ خلیفہ نے ایک اور تلوار پیش کر کے اس کو سلطان المشرق و المغرب کا خطاب دیا۔

اس دوران ابراہیم اینال کی بغاوت کی خبر پہنچی۔ یہ طغرل بیگ کی طرف سے اناطولیہ میں مفتوحہ علاقوں کا سپہ سالار تھا، لیکن اس کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ گویا طغرل کی تمام تر فتوحات میری تلوار کے سبب ممکن ہوئی ہیں۔

طغرل بیگ اور ابراہیم اینال کے مابین جنگ ہوئی، جس میں طغرل بیگ غالب آیا۔ اس نے اینال کا قصور معاف کرتے ہوئے دوبارہ اپنے عہدے پر بحال کیا لیکن موصل کی حکومت پر فائز ہونے کے بعد وہ دوبارہ بغاوت پر اتر آیا۔ اب کی مرتبہ وہ طغرل بیگ سے کئی گنا بڑا لشکر لے کر اس کے مقابلے پر آیا۔ لیکن

عین وقت پر خراسان سے آلپ ارسلان [Alp Arslan] اور قاورت بیگ [Qavurt Beg] کے دستے اس کی مدد کو آن پہنچے۔ اینال گرفتار ہوا اور طغرل بیگ کے حضور میں لایا گیا۔ اب کی بار اسے معاف کرنا خطرناک ہوسکتا تھا، اس لیے اسی کی کمان کی تانت سے اسے پھانسی دے دی گئی۔

جب طغرل بیگ، اینال کے خلاف مصروف تھا تو اسی دوران بساسیری [al-Basasiri] کی باغی سپاہ نے بغداد پر قبضہ کر لیا۔ کئی امرا و اہل شہر کو قتل کر کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ خلیفہ کو مجبوراً شہر ترک کرنا پڑا۔ ایک سال تک شہر ان کے قبضے میں رہا اور منبروں پر شیعہ فاطمی خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔

1058ء کے اواخر میں طغرل بیگ بغداد میں وارد ہوا اور بساسیری کو شکست دے کر خلیفہ کو دوبارہ تخت نشین کیا۔ سلجوقی سپاہ نے بساسیری کا تعاقب کیا اور اس کا سر پیش کیا۔

1060ء میں طغرل کی بیوی کے انتقال کے بعد اگلے سال اس نے خلیفہ کی بیٹی سے نکاح کی خواہش ظاہر کی۔ خلیفہ پر یہ بات نہایت گراں گزری کیونکہ عباسی خاندان میں آج تک باہر سے کسی کا رشتہ نہ ہوا تھا اور نہ ہی کوئی ایسی جرات کر سکتا تھا۔ بالآخر خلیفہ راضی ہوا اور 1062ء میں نکاح ہوا۔ اس وقت طغرل بیگ کی عمر ستر برس تھی۔ بغداد میں خوشی کے شادیانے بجائے گئے۔ طغرل بیگ اور اس کے امرا نے ترکی نغموں پر رقص کیا۔ خلیفہ کی اجازت سے دلہن کو دارالحکومت رے شہر لے جایا گیا۔ اس کے سات ماہ بعد طغرل بیگ نے بیمار ہو کر وفات پائی۔

آلپ ارسلان اور جنگِ ملازگرد

طغرل بیگ کی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی، اس لیے چغری بیگ کے بیٹے آلپ ارسلان کو سلطان منتخب کیا گیا۔ اس نے تخت نشین ہوکر داخلی بغاوتوں کا خاتمہ کیا اور حلب تک کا علاقہ فتح کیا۔ یہاں تک کہ مکہ و مدینہ میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ آلپ ارسلان کے دور کا سب سے اہم واقعہ ملازگرد کی جنگ [Battle of Manzikert] ہے، جو کہ قیصر روم اور مسلمانوں کے مابین ہوئی۔

1071ء میں بازنطینی سلطنت کے بادشاہ رومانوس دیوجانس [Romanos IV Diogenes] نے ایک دیوہیکل لشکر کے ساتھ اسلامی سرزمینوں کا رخ کیا۔ دو سے تین لاکھ کا لشکر اس کے ساتھ تھا جو آرمینیا سے گزر کر اخلاط کی جانب بڑھا اور ملازگرد کے مقام پر خیمہ زن ہوا۔

آلپ ارسلان کو اس حملے کی اطلاع تب ہوئی جب وہ حلب سے واپس ہو کر آذربائیجان میں تھا۔ اس نے اپنے موجودہ سپاہیوں کو ساتھ لے کر فوری حرکت کی جو کہ بمشکل بیس ہزار سے زائد نہ تھے۔ تواریخ میں بازنطینی لشکر کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار سے چار لاکھ تک بیان کی گئی ہے، اور سلجوقی لشکر بعض روایات میں پندرہ سے بیس ہزار اور بعض مؤرخین نے ان کی کل تعداد چالیس ہزار درج کی ہے۔ اگر رومی لشکر کے کم ترین اور سلجوقیوں کے بلند ترین قیاس کو بھی سامنے رکھا جائے تب بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں سے کئی گنا بڑا لشکر تھا۔

جمعہ کے روز 26 اگست 1071ء کو دونوں لشکر مدمقابل ہوئے۔ دنیائے

اسلام میں جمعہ کی نماز میں اسلام کی سربلندی کی دعائیں مانگی گئیں۔ سلطان نے بھی مع لشکر، جمعہ کی نماز ادا کر کے خوب دعا مانگی۔ اس کے بعد لشکر کو خطاب کر کے کہا:

''آج کوئی سلطان اور بادشاہ نہیں ہے۔ جو واپس جانا چاہتا ہے، چلا جائے۔ جو شہادت چاہتا ہے، وہ ٹھہر جائے۔''

اس کے بعد گھوڑے کی دم باندھ کر دشمن پر حملہ آور ہوا۔ اسلامی افواج بھی بھرپور شوقِ شہادت اور جذبۂ ایمانی سے ٹوٹ پڑیں اور صفیں چیرتی ہوئی آگے بڑھتی گئیں۔ اسی دوران رومی فوج میں موجود پیچنک [Pechenegs] اور دیگر ترکی قبائل بھی صفیں بدل کر اسلامی لشکر میں شامل ہوگئے، جس سے رومیوں کے حوصلے پست ہوئے۔ نصرتِ خداوندی سے اپنے سے کئی گنا طاقتور لشکر کو مسلمانوں نے سخت شکست سے دوچار کیا اور قیصر روم گرفتار ہوکر آلپ ارسلان کے حضور میں لایا گیا۔

یہاں رومانوس اور سلجوقی سلطان کا تاریخی مکالمہ نیشاپوری نے نقل کیا ہے کہ سلطان نے اس کے ساتھ عزت و تکریم کا برتاؤ کیا اور اسے عزت دے کر اپنے پاس بٹھایا اور پوچھا: ''اگر میں تمہارے ہاتھوں اسیر ہوجاتا، تو تم میرے ساتھ کیا سلوک کرتے؟''

قیصر نے کہا: ''میں تمہارے جسم پر کوڑے مارتا اور قتل کر دیتا۔''

سلطان نے پوچھا: ''اب تم مجھ سے کیا امید کرتے ہو؟''

اس نے جواب دیا: ''آپ مجھے قتل کریں گے، یا اسلامی ممالک میں

میری تشہیر کریں گے۔''

ایک اور جگہ آتا ہے کہ قیصر نے سلطان سے کہا: ''اگر قصاب ہو تو مجھے قتل کر دو۔ اگر بادشاہ ہو تو مجھے آزاد کر دو۔ اگر سوداگر ہو تو مجھے فروخت کر دو۔''[1]

خلاصہ، آلپ ارسلان نے اس کو معاف کر دیا اور عزت و تکریم کے ساتھ شاہی خلعت پہنا کر بعض شرائط کے ساتھ رخصت کیا۔ قسطنطنیہ پہنچنے پر عوام اور سپاہ نے اس کے خلاف بغاوت کر دی اور اسے تخت سے اتار کر قتل کر دیا۔

اس جنگ کو مسلمانوں کے لیے قسطنطنیہ اور یورپ میں داخل ہونے کا پیش خیمہ قرار دیا گیا۔ اس فتح کے بعد ہزاروں مسلمان اوغوز قبائل نے ترکستان سے مغرب (اناطولیہ) کا رُخ کیا اور وہاں آباد ہوئے۔

آلپ ارسلان 1072ء میں خوارزم میں ایک سفر کے دوران ایک باغی کمانڈر کے ہاتھوں ناگہانی حملے میں زخمی ہوا اور چند روز بعد 42 برس کی عمر میں وفات پائی۔

اس کے بعد ملک شاہ سلجوقی نے حکومت کا انتظام سنبھالا۔ اس وقت ملک شاہ کی عمر 18 برس تھی۔ لیکن آلپ ارسلان کے معروف وزیرک وزیر، نظام الملک نے سلطنت کو اندرونی و بیرونی خطرات سے محفوظ رکھا اور سلطان کے لیے ایک بہترین وزیر اور مشیر ثابت ہوا۔ جیسے ہمایوں کی وفات کے بعد بیرم خانِ خاناں نے اکبر کی سرپرستی کر کے بابری سلطنت کو مزید بلندیوں پر پہنچایا۔ اسی طرح نظام الملک نے بھی سلجوقی سلطنت سے عمر بھر اپنی وفاداری قائم رکھی۔

---

[1] سلجوق نامہ، ظہیر الدین نیشاپوری، صفحہ 27

1094ء میں ملک شاہ کی وفات کے بعد بہت عرصے تک مرکزی سلجوقی سلطنت باقی رہی لیکن اس دوران سلجوقی شہزادوں نے تخت و تاج پر اختلافات کے سبب اپنی خودمختار ریاستیں بھی قائم کر لیں، جو درج ذیل ہیں:

* سلاجقہ روم [Anatolian Seljuk Sultanate of Rum] (زمانہ: 1301ء - 1077ء)
* سلاجقہ شام [Burid dynasty] (زمانہ: 1117ء - 1076ء)
* سلاجقہ کرمان [Kerman Seljuk Sultanate] (زمانہ: 1187ء - 1076ء)
* سلاجقہ عراق و کردستان [Seljuks of Irak and Kurdistan] (زمانہ: 1194ء - 1117ء)

انھوں نے عرصۂ دراز تک سلجوقیوں کا نام زندہ رکھا۔ اس کے علاوہ کئی ترک امرا نے مقامی سطح پر اپنی اپنی ریاستیں تشکیل دیں۔

اگر ان سلجوقیوں کے دورِ حکومت پر ابتدا سے نظر رکھی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک خانہ بدوش قبیلہ جو کہ ترکستان میں آباد ہوا، یہ قبیلہ کبھی سامانیوں کے زیردست آجاتا، کبھی قراخانیوں کے ہاتھوں صحراؤں میں بکھر جاتا ہے۔ یہی سلجوقی ترکمان جن کو فقط اپنے بھیڑ بکریوں کے لیے چراہ گاہ اور رہنے کے لیے زمین کی تلاش تھی اور محمود غزنوی کے ہاتھوں ان کے سربراہ کے قید ہونے کے باوجود اس کے مقابلے میں سر اٹھانے کی جرأت نہ تھی۔ یہی چرواہے صرف دو دہائیوں میں اپنے زمانے

کی عظیم ترین سلطنتِ غزنوی کو زیر کرتے ہیں، جس کا تصور نہ غزنوی سلاطین نے کیا تھا اور نہ خود ان کے وہم و گماں میں یہ بات تھی۔ لیکن جب بقا و سالمیت کا مسئلہ درپیش ہوا، تو اپنے اور اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے لیے انھوں نے بیابانوں سے نکل کر شاہی محلات کو لرزا کر رکھ دیا۔ 1037ء میں نیشاپور، 1040ء میں مکمل خراسان و ایران کو زیر کرنے کے بعد 1057ء میں سلجوقی گھوڑوں کے قدم دارالخلافہ بغداد تک پہنچ گئے۔ جس عباسی خلیفہ کے دربار میں داخل ہونا نامور سلاطین کو نصیب نہ ہوتا تھا، تاریخ میں اولین مرتبہ کسی غیر قوم نے خلیفہ کی بیٹی سے نکاح کیا اور طغرل بیگ کو یہ سعادت نصیب ہوئی۔ انھوں نے اگلے بیس سالوں میں دو لاکھ کے بازنطینی لشکر کو شکست دے کر قیصر روم کو اسیر بنا لیا۔ مغرب میں بحیرۂ روم کے سواحل تک، مشرق میں چین تک، جنوب میں یمن، شمال میں خوارزم تک کے تمام ممالک ایک حکمران، ایک قانون، ایک سیاسی نظام کے زیر حاکمیت آ گئے۔

ترکوں کی عالمگیر سوچ: قزِل اَیلما

قزِل اَیلما [Kizil Elma] ترکوں میں قدیم ادوار سے آنے والا عالمگیری حاکمیت کا نظریہ ہے۔ اگر لفظی معنوں پر غور کیا جائے تو اس لفظ کے معنی سرخ سیب کے ہیں۔ (قزل: سرخ - ایلما: سیب)

درحقیقت قزل ایلما سے مراد ایک ایسا تصوراتی مقام ہے جو دُنیا کے آخری حصے میں واقع ہے اور جہاں سورج غروب ہوتا ہے۔ (شام کو آفتاب

غروب ہوتے وقت ایک سرخ سیب کی مشابہت اختیار کر لیتا ہے۔)

ترک ہر زمانے میں عظیم افکار کے مالک تھے اور خود کو روئے زمین پر خدا کا خاص نمائندہ سمجھتے تھے۔ اس کے متعلق اورخون کتبوں میں بیلگہ خان کہتا ہے:

> ”مشرق میں طلوعِ آفتاب کے مقام سے لے کر مغرب میں سورج غروب ہونے والی جگہ تک کی تمام ملّتیں میرے تابع ہیں۔ مشرق میں شانتونگ [Shandong] کے علاقے تک میرے لشکر پہنچ چکے ہیں اور سمندر تک پہنچنے میں کم فاصلہ رہ گیا ہے۔ اوپر آسمان اور نیچے زمین کی تخلیق کے بعد، ان کے درمیان انسانوں کو بسایا گیا۔ ان پر میرے والد بومن خان اور ایستمی خان کو حاکم بنایا گیا۔“[1]

ان تحریروں سے واضح ہوتا ہے کہ وہ تمام روئے زمین کو اپنی ملکیت قرار دیتے تھے۔ ان کی حدود کی کوئی حد نہ تھی۔

ترکوں کے اسلام قبول کرنے کے بعد قزل ایلما کا نظریہ مزید قوت پکڑتا گیا۔ کیونکہ وہ ایسے مذہب کے پیروکار ہو گئے تھے جس میں خدا کی راہ میں مقدس جہاد کرنے پر انعام و اکرام کا وعدہ کیا گیا تھا اور خداوندِ عالم کی غیبی مدد ان کے ساتھ ہونے کے عقیدے نے ان کو ناقابلِ شکست بنا دیا تھا۔[2]

---

[1] Orhun Abıdeleri. Muharrem Ergın. Page 11-13

[2] ترک اسلامی ریاستوں کی مختصر تاریخ، مؤلفین: ابراہیم کیفس اوغلو، حقی درسن یلدز، اردوغان میرچل اور محمد سارائے، ص 52

یہی نظریہ غزنوی، سلجوقی اور عثمانی ریاستوں کے عروج کا سبب بنا۔ ایک طرف انھوں نے راہِ خدا میں کفار کے خلاف جہاد کا مقدس فریضہ انجام دیا۔ دوسری طرف اپنے آبا و اجداد کی راہ پر چلتے ہوئے ان کے فتحِ عالم کی سوچ کو بھی آگے بڑھایا۔

قزل ایلما کے نظریے سے ترکوں کو اپنا نصب العین مل گیا تھا اور وہ ایک اہم مقام کو اپنا ہدف قرار دے کر تمام تر توجہ اس پر مرکوز کر دیتے تھے۔ اس میں کامیابی پانے کے بعد مزید آگے کا ارادہ کرتے۔ اسی نظریے نے سلجوقیوں کو بیس سال میں ایک غیر معروف گروہ سے فاتح عالم بنایا اور انھوں نے اپنے زمانے کی طاقتور ترین ریاستوں کو زیر کیا۔ محمود غزنوی کے لیے اس کا قزل ایلما سومنات تھا۔ اٹیلا کے لیے یورپ، سلطان محمود فاتح کے لیے قسطنطنیہ تھا۔ جب تک ترکوں میں یہ جذبہ موجود تھا، انھیں کوئی شکست نہ دے پایا تھا۔ لیکن جب عثمانیوں نے قزل ایلما کو فراموش کر دیا تو وہ مغلوبیت اور زوال کا شکار ہو گئے۔

ترکوں میں عسکری و حکومتی القاب

خان:

خان کا لفظ موجودہ زمانے کے اکثر مشرقی ممالک بالخصوص پاکستان، افغانستان، وسطی ایشیا، ایران، ہندوستان اور ترکی میں بکثرت استعمال ہوتا ہے۔ اس لفظ کے متعلق مؤرخین اور زبان دانوں نے مختلف آرا و تشریحات پیش کی ہیں،

جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

فرہنگ نفسینی کے مؤلف لکھتے ہیں کہ خان ترک زبان کا لفظ ہے اور چین، ترکستان اور تاتارستان کے بادشاہوں کا لقب ہے۔ اس کے معانی امیر، رئیس اور بیگ کے ہیں۔

نور اللغات میں لفظ 'خان' کی یوں تعریف بیان ہوئی ہے کہ یہ قدیم ایام میں ترکستان کے بادشاہوں کا لقب تھا لیکن موجودہ زمانے میں یہ امرا و رؤسا کے لیے مشہور ہے۔ عربی میں اس کی جمع خوانین ہے۔ یہ ترکستان کے حکمرانوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جس طرح روم کے حاکم کو قیصر [Caesar] اور چین کا فرمانروا فغفور [Fagfur] کہلاتا ہے۔

امریکی دائرہ المعارف کے مطابق خان ابتدائی ادوار میں ترکستان کے قافلوں اور کاروان کے سربراہ کو کہتے تھے۔ بعد میں یہ لفظ مشرقی ایشیائی ممالک کے سربراہان کے لیے مختص رہا۔

تمام تواریخ اس پر متفق ہیں کہ یہ لفظ وسط ایشیا سے نکل کر مفتوحہ علاقوں میں پھیلا۔ اولین مرتبہ یہ لفظ ترک بن یافث کی نسل میں باقوی خان کے نام میں نظر آتا ہے جس کے بعد اس کی اولاد اپنے نام کے ساتھ خان کا لقب استعمال کرتی رہی جیسے النجہ خان، قراخان، اوغوز خان وغیرہ۔

ساتویں صدی عیسوی کے اورخون کتبوں میں بھی خان، خاقان اور قاغان کے الفاظ ملتے ہیں۔ گوک ترکوں کے علاوہ سلجوقی، عثمانی اور صفوی حکمران بھی خان کا لقب استعمال کرتے تھے۔ حکمرانوں کے علاوہ یہ دربار کے امرا اور

فوج کے سپہ سالاروں کے لیے بھی مستعمل تھا۔ جیسے ہمایوں کی وفات کے بعد سپہ سالار بیرم خان ترکمان نے سلطنت کے لیے اہم خدمات انجام دیں اور نوجوان بادشاہ اکبر کے اطالیق اور وزیر اعظم کا وظیفہ بطریقِ احسن انجام دے کر بیرونی خطرات سے سلطنت کو محفوظ رکھا۔ اکبر بادشاہ اس کو خان بابا کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔ بیرم خانِ خانان کی وفات کے بعد اس کے بیٹے عبدالرحیم کو بھی خانِ خانان کا درجہ دیا گیا۔[1]

دیگر القاب

خاقان کا لفظ بھی اسی معنوں میں آتا ہے جیسا کہ حدود العالم میں درج ہے کہ خرخیز کے مَلِک کو خاقان کہتے ہیں۔[2]

چنگیز خان اور اس کی اولاد نے اپنے لیے قاآن [Qa'an] کا لفظ استعمال کیا جو خان کا بلند ترین درجہ ہے۔

قاغان اور ترخان[3] بھی ترک و منگول دربار کے اعلیٰ فوجی و درباری عہدوں میں سے ہیں۔

والدہ کو انا کہا جاتا تھا اور ملکہ و شہزادیوں کے لیے خاتون، خانم اور بعض مقامات پر سلطان کا لفظ دیکھا جا سکتا ہے۔

---

[1] محمد بیرم خانِ خانان: ترکمن خلق نینگ بیوک شخصیت و شاعری، ژورنالیست عبدالمجید توران، صفحہ 21-20

[2] حدود العالم من المشرق الی المغرب۔ صفحہ 80

[3] اوغوز ها، ترکمن ها۔ مصنف فاروق سومر۔ صفحہ 101-100

سلطان:

سلطان محمود غزنوی اولین مسلمان حکمران تھا جس نے سلطان کا لقب اختیار کیا۔ ناظم الاطباء کرمانی کے مطابق اس لفظ کے معانی بادشاہ اور فرمانروا کے ہیں۔ اس کے بعد اکثر اسلامی سلطنتوں میں یہ لقب حکمرانوں کے لیے مخصوص رہا۔ شہزادوں کو مَلِک بھی کہتے تھے۔

یابغو، اینال، گوزرگین:

حدود العالم میں مذکور ہے کہ خلجی اپنے ملوک کو یابغُو کہتے تھے۔ ان کے زیردست اینال اور گوزرگین ہوتے تھے جو کہ ملک کے دیگر حصوں میں فرمانروائی کرتے۔[1]

اسی طرح ابن فضلان کے مطابق غز (اوغوز) قوم کا بادشاہ یابغو کہلاتا ہے۔ یہ نام امیر (حکمران) کے لیے لیے مخصوص ہے اور اس کا جانشین گوزرگین کہلاتا ہے۔[2]

آلپ:

آلپ بھی ترکی زبان کا لفظ ہے اور اسلام سے قبل اور بعد بھی ترکوں

---

[1] حدود العالم من المشرق الی المغرب، صفحہ 81

[2] سفرنامہ ابن فضلان، احمد بن فضلان، صفحہ 75

حصہ دوم

ارطغرل غازی

شخصیت و کارنامے، قائی قبیلہ کی سربراہی، خاندان و سپہ سالار، اولاد، روحانی شخصیات،
ابتدائی عثمانی تواریخ میں ارطغرل غازی کا تذکرہ اور سلطنتِ عثمانیہ کا قیام

میں رائج رہا۔ آلپ کے معانی بہادر اور جنگ جُو کے ہیں۔ یہ خطاب قدیم زمانے میں شہزادوں، سپہ سالاروں اور جنگ میں بہتر کارکردگی دکھانے والوں کے لیے مخصوص تھا۔ ترکی سلطنتوں میں آلپ باشی اور سوباشی کے خطابات سپہ سالار کے لیے مختص تھے۔ خراسان میں غزنوی سلطنت کے بانی آلپ تگین، سلجوقی سلطان آلپ ارسلان، دہلی سلطنت میں علاؤالدین خلجی کے بہنوئی اور گجرات کے حاکم آلپ خان، ارطغرل کے دادا قیاء آلپ، نیز ارطغرل کے سپاہیوں میں تُورغُوت آلپ [Turgut Alp] جیسے کمانڈروں کے نام میں یہ لفظ موجود ہے۔

آلپ کو ہم مجاہد اور غازی کی ترکی صورت کہہ سکتے ہیں۔ آلپ کہلانے والے شخص کا صرف جسمانی طور پر بہادر ہونا ضروری نہیں، بلکہ عین وقت پر ذہنی اور روحانی اعتبار سے بھی بیدار، دور اندیش اور چالاک ہونا لازمی ہے۔ آلپ کو ہمہ وقت آمادہ اور ہر قسم کے خطرے کے مقابلے میں چوکنا رہنا ہوتا ہے۔ اس میں صبر، قناعت اور صلہ رحمی کا ہونا بھی ضروری ہے۔ آلپ تیز نظر کا حامل، ماہر تیرانداز اور شہسوار ہوتا ہے۔[1]

عاشق پاشازادہ نے آلپ کی نو خصوصیات بیان کی ہیں: ولایت، رضایت، کفایت، عشق، توکل، شریعت کی پیروی، علم، ہمت، نیک دوست۔[2]

---

1 Osmanlının Kökleri. Tarkan Suçıkar. Page 133-135

2 Garib-Name C.XL.VII. Aşık Paşa. Page 191,192

اوغوز خان سے ارطغرل تک

جیسا کہ حصہ اوّل میں بیان کیا گیا ہے کہ اوغوز خان کے چھ بیٹے (گُون خان، آی خان، یلدیز خان، گوک خان، تاغ خان، تنگِیز خان) اور چوبیس پوتے تھے۔ ان میں بَوزَوق لَر کا گروہ گون، آی اور یلدیز پر مشتمل تھا اور پہلے درجے پر آتا تھا۔ جب کہ گوک، تاغ اور تنگیز، اُوچَوق لَر گروہ کا حصہ تھے، جن کا مقام بوزوق لر کے بعد آتا تھا۔

بوزوق لر میں سب سے بڑا بھائی گون خان تھا۔ اوغوز ترک روایات کے مطابق وہ اور اس کے بیٹے حقِ اولیت کے مالک تھے۔ گون خان کے چار بیٹے ہوئے: قائی، بایات، القہ اویلی، قرا اویلی۔[1]

گون کے بعد قائی خان کو بادشاہ منتخب کیا گیا۔ بعدازاں عرصۂ دراز تک حکمرانی قائی خان کے بیٹوں میں رہی۔[2]

قائی کے معنی مضبوط و مستحکم کے ہیں۔[3]

---

[1] جامع التواریخ، رشید الدین فضل اللہ ہمدانی، ص 37

[2] Şecere-i-Terakıme. Ebulgazi Bahadır Han. Page 163

[3] جامع التواریخ، رشید الدین فضل اللہ ہمدانی، ص 37

ان کا مخصوص پرندہ شاہین ہے۔ قائی ترکوں کا طمغا [Tamga] (مخصوص نشان) ۱۷۱ ہے جو کہ دو تیر اور ایک کمان کی نشاندہی کرتا ہے۔ ابتدائی ادوار کے عثمانی سکوں میں یہ نشان دیکھا جا سکتا ہے۔[1]

قائی قبیلہ، ارطغرل سے قبل بھی ترکوں میں ایک حکمران خاندان کے طور پر جانا جاتا تھا۔ قراخانیوں سے قبل گزرنے والی اوغوز یابغو ریاست (750-1055ء) کے اکثر حکمران بھی قائی خاندان سے تھے۔[2]

ترک تواریخ کی ابتدائی اور معتبر کتب جامع التواریخ، داستانِ دده قورقوت، دیوان لغات الترک اور شجرہ تراکمہ میں 24 اوغوز قبائل میں قائی کو سب سے پہلے درج کیا گیا ہے۔ دده قورقوت کا قائی کے متعلق ایک قول بھی موجود ہے، جس میں وہ کہتا ہے کہ آخری زمانے میں حکومت دوبارہ قائیوں کے ہاتھ آئے گی اور کوئی ان سے یہ منصب چھین نہ پائے گا۔

قائی قبیلے کی ابتدائی تواریخ 1482ء میں تصنیف ہونے والی کتاب 'جام جم آئین' میں ملتی ہیں۔ اس کے مطابق سلطان محمد فاتح کی وفات کے بعد عثمانی شہزادوں میں تخت و تاج کے لیے چپلقش ہوئی، جس میں شہزادہ جم نے شہزادہ بایزید سے اختلافات کے بعد مکہ کی طرف سفر کیا۔ رسمِ حج کے دوران ایران کے معروف مؤرخ حسن بن محمود بایاتی سے شہزادہ جم کی ملاقات ہوئی۔

---

[1] Osmanlının Kökleri Ertuğrul Gazi. Tarkan Suçıkar. Page 28

[2] اوغوز ها، ترکمن ها۔ مصنف فاروق سومر، ص 99

شہزادے نے اس سے عثمانی خاندان کی تاریخ پر کتاب لکھنے کا تقاضا کیا۔ بایاتی نے قدیم اوغوزنامہ و دیگر کتب کی رو سے عثمانیوں کے سلسلۂ نسب پر ایک ہفتے میں کتاب تصنیف کر کے شہزادے کو پیش کی۔ اس میں حضرت نوح علیہ السلام کے پوتے ترک بن یافث سے سلطان محمد فاتح تک کا نسب تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔ ترک سے اوغوز خان تک کا سلسلہ گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکا ہے، اس لیے یہاں قائی خان سے آغاز کر کے ارطغرل کے آبا و اجداد پر مختصر نظر ڈالتے ہیں۔

گون خان کے بیٹے قائی خان نے پچاس سال حکومت کرنے کے بعد نوے برس کی عمر میں وفات پائی۔ اس کے بعد تورمیش تخت نشین ہوا۔ سو سال سے زائد زندہ رہا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ پایا۔ اس کے بعد بای تیمور اور بعدازاں بوزدوغان بادشاہ بنا۔ اس نے کئی علاقے فتح کیے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے مذہب پر ایمان لا کر دوسروں کو بھی دینِ حق کی دعوت دی۔ اس کے بعد قورقولو فرمانروا بنا اور حضرت سلیمان علیہ السلام پر ایمان لا کر ایک سو بیس برس کی عمر میں وفات پائی۔ اس نے اپنے بیٹے کا نام حضرت سلیمان علیہ السلام کے نام پر سلیمان شاہ رکھا۔ سلیمان شاہ کے زمانے میں ہندوستان کے راجہ نے اس کی خدمت میں ہاتھیوں کا تحفہ بھیجا۔ یہ عادل اور دیندار شخص تھا۔

سلیمان شاہ کے بیس پشتوں بعد یاسو نامی شخص حکمران ہوا۔ یاسو کی حکومت کا مرکز مانقیشلاق تھا۔ ایک رات اس نے خواب میں دیکھا کہ مملکت عرب کی طرف سے چاند اور سورج پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہے ہیں اور ان کی روشنی اس تک بھی پہنچ رہی ہے۔ اس خواب کے کچھ عرصے بعد مکہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے اعلانِ نبوت کی خبر پھیلی۔ یاسو نے یہ سنتے ہی مسلمان ہونے کا اعلان کیا اور قربانی کر کے رعایا میں تقسیم کی۔ اس کی وفات کے بعد قراخان نے اپنے والد کی جگہ سنبھالی۔ اس نے اپنے وزیر قورقوت آتا کو مدینہ کی طرف روانہ کیا۔ قورقوت مدینہ پہنچ کر رسول اللہ ﷺ کے دیدارِ مبارک سے شرف یاب ہوا۔ بعدازاں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اس کے ساتھ اوغوز قوم کو اسلامی تعلیمات سکھانے کے لیے تشریف لائے۔

قراخان کے بعد توروک خان تخت نشین ہوا۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے خلیفہ تھے۔ اس نے مدینہ کی طرف ایلچی روانہ کیا۔ لیکن اس کے پہنچنے تک خلیفۂ اوّل کا انتقال ہو چکا تھا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دوسرے خلیفہ بن چکے تھے۔ سفیر نے توروک خان کی طرف سے اطاعت کا پیغام ان کو پہنچایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے مکتوب لے کر واپس آیا۔ توروک نے دین کے فروغ کے لیے بہت کوششیں کیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں وفات پائی۔

اس کے بعد لوگوں نے مل کر اس کے بیٹے آی قوتلوق کو بادشاہ بنایا۔ اس نے قورقوت اَتا کے بیٹے اورنگچ کو اپنا وزیر منتخب کیا اور اسے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں روانہ کیا۔ اورنگچ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پا کر مکہ کا رخ کیا اور طوافِ کعبہ سے فیض یاب ہونے کے بعد کچھ عرصہ وہاں قیام کیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان صلح ہونے کے بعد خلیفۂ چہارم کی خدمت میں پیش ہوا۔ ان کی بیعت کر کے اپنے

بادشاہ کی اطاعت کا پیغام سنایا۔ آی قوتلوق بیس سال حکومت کرنے کے بعد اُمویوں کے زمانے میں راہیٔ عدم ہوا۔

چمندر اس کا جانشین ہوا اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ پایا۔ اس نے چالیس سال حکومت کی۔

اس کے بعد یاساک بادشاہ بنا اور عباسی خلیفہ المنصور کے زمانے میں اس کے دربار میں تحائف ارسال کیے اور وفاداری کا عہد باندھا۔

اس کے بیٹے توق تیمور نے مامون الرشید کا زمانہ پایا۔ کئی مرتبہ گرجستان اور بازنطینی سلطنت کی طرف لشکر کشی کی۔ چھپن سال تخت پر متمکن رہا۔

لوگوں نے اس کے بعد سونغور کو اپنا حکمران بنایا۔ اس نے قنق قبیلے میں سلجوقیوں کے جد اعلیٰ دقاد کے ساتھ روابط قائم کیے۔ تیس سال حکومت کرنے کے بعد راہیٔ عدم ہوا۔

سونغور کے بعد اس کے بیٹے بلغائے نے المہتدی باللہ کے دربار میں سفیر روانہ کیے۔ خلیفہ نے بلغائے کو مختلف القابات سے نوازا۔

اس کے بعد ساکور نے سامانی حکمران نوح بن نصر کے ساتھ روابط قائم کیے اور قراباتور کو جانشین بنایا۔ قراباتور نے لمبی عمر پائی۔ سلجوق قبیلے میں آباد ہو کر وہیں اس قبیلے سے نکاح کیا اور سلجوق کے بیٹوں کا اطالیق مقرر ہوا۔

قراباتور کا ایک بیٹا ہوا جس کا نام سلجوق کے بیٹوں کے نام پر طغرل رکھا۔ یہ بڑا ہو کر طغرل بیگ سلجوقی کی طرف سے عباسی خلیفہ کے دربار میں ایلچی بنا کر بھیجا گیا۔ واپس آنے پر طغرل بیگ سلجوقی کی طرف سے مرو شہر کے قریب

ماہان نامی علاقے میں حاکم مقرر کیا گیا اور اپنے قبیلے سمیت وہاں آباد ہوا۔ ماہان میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوا۔

اس کا بیٹا آی قوتلوق، سلجوقی سلطان کے مقربین خاص میں شمار ہوتا تھا۔ خوارزم شاہ کے دربار میں ایلچی بن کر روانہ ہوا۔ راہ میں لٹیروں کے گروہ کو ایک قافلے پر حملہ کرتے دیکھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان پر حملہ کر کے راہزن گروہ کے سردار کو قتل کیا۔ باقی گروہ بھاگ کر منتشر ہوگیا۔ خوارزم شاہ کے دربار میں پہنچنے پر اس کی عزت و تکریم کی گئی۔ 490 ہجری میں حج کے لیے جاتے ہوئے وفات پائی اور ماہان میں والد کے پہلو میں دفن ہوا۔

اس کے بیٹے بای تیمور کو بھی سفیر کے طور پر خوارزم شاہی سلطنت کی طرف بھیجا گیا۔ آخری عمر میں ماہان آیا اور اسی سال کی عمر میں وفات پائی۔[1]

اس کا بیٹا قِزل بُوغا [Kizil Bugha] ماہان میں پیدا ہوا اور جوان ہونے پر ہمدان جا کر سلجوقی دربار سے وابستہ ہوا۔ وہاں سے سلطان کے فرمان پر ماہان کا حاکم مقرر ہوا۔

قزل بوغا کے مرنے کے بعد قایا آلپ [Kaya Alp] قائی قبیلے کا سربراہ بنا۔ یہ ارطغرل غازی کا دادا تھا۔

اس کے بعد سلیمان شاہ اور ارطغرل غازی کا تفصیلی تذکرہ آگے کیا جائے گا۔

---

[1] Osmanlı Tarihleri. Cam-i-Cem-Ayin. Bayatlı Mahmud Oğlu Hasan. Page 388-392

عثمانی خاندان کا شجرہ

ارطغرل غازی کے سلسلۂ نسب کے متعلق مؤرخ شکر اللہ نے بہجۃ التواریخ [Bahjat al—Tawarikh]، القونوی، عاشق پاشازادہ، ادریس بتلیسی نے ہشت بہشت اور محمد نشری نے کئی مفصل شجرے ذکر کیے ہیں، جو کہ اوغوز خان تک پہنچتے ہیں۔ مصر کے معروف مؤرخ و محدث ابن حجر العسقلانی نے عثمانیوں کا شجرہ محمد رسول اللہ ﷺ سے منسوب بتایا۔[1] پندرہویں صدی کے عثمانی مؤرخ انوری نے بھی انھیں قریشی لکھا ہے۔[2] لیکن دونوں مؤرخین اپنی بات کی تائید میں کوئی معتبر دلیل پیش نہ کر پائے۔ دیگر مؤرخین میں سے 99 فیصد نے ارطغرل غازی کو اوغوز ترکوں کے قائی قبیلے سے منسوب کیا ہے جو کہ اورخان اور سلطان مراد کے جاری کردہ سکوں سے بھی واضح ہے۔

یہاں ادریس بتلیسی کی کتاب ''ہشت بہشت'' میں موجود شجرہ نقل کیا جاتا ہے:

عثمان خان بن ارطغرل بن سلیمان شاہ بن قایا آلپ بن قزل بوغا بن بای تیمور بن قایلیمغہ بن طغرا بن قراینو بن بایسقر بن بلغاری بن سونغور بن توقتمور بن یاساق بن چمندر بن آی قتلق بن دورلق بن قازخان بن باسو بن یلواج بن بای بیک

---

[1] انباء الغمر، ابن حجر العسقلانی، ص 1050

[2] Düstur-Name-i Enveri. Enveri. Page 8

بن طغرا بن دوغتمش بن کوچ بیگ بن ارتوق بن قماری بن
جکتور بن طورخ بن قزل بوغا بن یماق بن باشبوغہ بن حورمز
بن بایسو بن طغرا بن سوخ بن چاربغا بن قورلمش بن قورخاد
بن بالجق بن قماس بن قرا اغلن بن سلیمان شاہ بن قرخلو بن
بورتوغاز بن باتیمور بن تورمش (قائی خان) بن کوک الب
بن اوغوز خان۔[1]

ارطغرل کی پیدائش اور شخصیت

ارطغرل غازی کا نام ''طغرل'' پرندے سے منسوب ہے۔ یہ ترکی زبان کا لفظ ہے۔ طغرل ایک قسم کا شکاری شاہین ہے۔ ''ار'' کے معنی بہادر اور دلیر کے ہیں۔ اٹیلا کے جھنڈوں اور بعض قدیم اوغوز ریاستوں کے پرچم میں بھی اس پرندے کا نشان نظر آتا ہے۔[2]

جام جم آئین کی رو سے ارطغرل غازی کا نام اس زمانے میں عراق کے سلجوقی حکمران طغرل ثانی کے زمانے میں پیدا ہونے کے سبب اس کے نام پر رکھا گیا۔[3]

---

[1] شجرہ در ہشت بہشت، بحوالہ از ترکان عثمانی جلد 1، مصنف ڈاکٹر محمد صابر، ص 31

[2] Osmanlının Kökleri Ertuğrul Gazi. Tarkan Suçıkar. Page 110

[3] Osmanlı Tarihleri. Cam-i-Cem-Ayin. Bayatlı Mahmud Oğlu Hasan. Page 394

ارطغرل غازی 1188ء میں خراسان کے شہر مرو کے نواحی گاؤں ماہان میں پیدا ہوئے۔[1] ان کے بچپن اور خراسان کی زندگی کے متعلق زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ ان کی سیاسی زندگی اناطولیہ میں کوچ کرنے کے بعد سے شروع ہوتی ہے۔ مؤرخ نشری نے جہان نما میں ارطغرل غازی کے متعلق یوں بیان کیا ہے:

> ''بہت دین دار، نامدار اور اپنی شجاعت کے سبب معروف تھا۔ زہد و تقویٰ اور صلاح میں اس زمانے کے پیشرو افراد میں سے ایک تھا۔''

نشانجی محمد پاشا کے مطابق ارطغرل غازی نے جب زمین کی درخواست کے لیے سلجوقی سلطان کے پاس سفیر بھیجا تو یہ پیغام دیا:

> ''کفار کے مقابلے میں جہاد کی نیت سے ہم اس دیار میں آئے ہیں۔''[2]

ان روایات سے واضح ہوتا ہے کہ ارطغرل غازی ایک پاک نفس، وفادار اور ماہر سپہ سالار تھا۔ سلطنت کی طرف سے دیے گئے ہر کام کو بطریق احسن انجام دیتا اور تا دمِ مرگ سلطنت کے ساتھ وفادار رہا۔ اگرچہ اس عرصے میں سلاطین کی آپس کی خانہ جنگی اور تاتاریوں کے پے در پے حملوں سے سلطنت کی قوت جواب دے چکی تھی، لیکن اس نے کبھی دیگر بعض امرا کی طرح بغاوت کرنے کا خیال دل

---

[1] سوغوت میں ان کے مقبرے پر یہی تاریخ درج ہے۔

[2] Osmanlının Kökleri Ertuğrul Gazi. Tarkan Suçıkar. Page 111

میں نہ لایا اور ہر مشکل میں وقت کے حاکم کا ساتھ دیا۔ شاید اس کا سبب سلطان علاؤالدین مرحوم کے احسانات اور اس کی نیک نیتی تھی۔

ارطغرل بہترین درجے کا راسخ العقیدہ اور دین دار انسان تھا۔ اس نے اپنے بیٹے عثمان کی تربیت کر کے اس کو ہر لحاظ سے پختہ بنایا اور اس کو جسمانی و روحانی اعتبار سے تیار کیا۔

قائی قبیلے کا ابتدائی مسکن

قدیم عثمانی مؤرخین میں سے اکثر اس نکتے پر متفق ہیں کہ ارطغرل غازی کا قبیلہ اناطولیہ آنے سے قبل ماہان، مرو (موجودہ ترکمانستان) میں آباد تھا۔ اس نظریے کی تائید کرنے والے مؤرخین و کتب میں سے بعض یہ ہیں:

* تاریخ آلِ عثمان
* مصلح الدین لاری
* نشانجی محمد پاشا
* جنابی (العلیم الزاخر فی علم الاوائل و الآخر)
* قرامانی (اخبار الدّول و آثار الاوّل)
* ہزارفن (تنقیح التواریخ ملوک)
* عالی
* کاتب محمد[1]

[1] ترکان عثمانی جلد 1، ڈاکٹر محمد صابر، صفحہ 45

عثمانی مؤرخین میں صرف ابنِ کمال کا یہ کہنا ہے کہ قائی قبیلہ اناطولیہ آنے سے قبل بلخ میں آباد تھا۔

1220ء میں تاتاریوں کے فتنے سے جہاں لاکھوں انسان بے جا قتل ہوئے، اُنھیں میں سے ایک چھوٹا سا گروہ قائی قبیلے کا تھا۔ اس کی سربراہی اُس وقت سلیمان شاہ کے ہاتھوں میں تھی۔ قائی قبیلہ سلجوقیوں کے ہمراہ ترکستان سے خراسان آیا اور 1040ء میں دندانقان کی مشہور فتح کے بعد دیگر ترکمان قبائل کے ساتھ مرو اور گرد و نواح میں آباد ہوا۔ انھوں نے اپنے لیے ماہان کو مسکن بنایا۔ جیسا کہ ''جام جم آئین'' میں بھی مذکور ہے کہ قائی قبیلے کے سربراہ قرا باتور کے بیٹے طغرل نے سلجوقیوں کے دربار سے وابستگی اختیار کی۔ سلجوقیوں کا وہ مشہور خط لے کر عباسی خلیفہ کے دربار میں گیا جس کا تفصیلی بیان صفحاتِ ماقبل میں موجود ہے۔ بعدازاں طغرل بیگ سلجوقی کی طرف سے اس کو ماہان کا علاقہ دیا گیا[1]، جہاں وہ اپنے قبیلے کے ساتھ آباد ہوا۔ اس کی ساتویں پشت سے سلیمان شاہ پیدا ہوا۔

قدیم تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ماہان قائی قبیلے کی آمد سے قبل بھی اہم شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ اس کا نام غزنوی دَور میں مرتب شدہ کتاب مجمل التواریخ و القصص (مصنف نامعلوم) میں ملتا ہے، جہاں مصنف قبل از اسلام کی ایرانی ساسانی حکومت کے بانی اردشیر [Ardashir I] (241ء - 224ء) اور دوسرے حکمران شاپور [Shapur I] (271ء - 241ء) کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا

[1] Osmanlı Tarihleri. Cam-i-Cem-Ayin. Bayatlı Mahmud Oğlu Hasan. Page 392

ہے کہ اردشیر اور شاپور کے عہد میں مرو اور ماہان ان کے زیر حاکمیت تھا۔[1]
بعض تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ علاقہ ابو مسلم خراسانی کا سیاسی مرکز
تھا۔[2]

قائی قبیلہ ماہان میں آباد ہونے کے بعد سلجوقیوں کے معتمد ترین حامیوں
میں شامل تھا۔ طغرل بیگ کے زمانے میں بازنطینی سلطنت سے ہونے والی جنگوں
میں قائی قبیلے کے جنگجو بھی سپاہ میں شامل تھے۔ قائی قبیلے کے سربراہان کو اکثراً
سفیر بنا کر دیگر ریاستوں کی طرف روانہ کیا جاتا۔ چنگیز خان کے حملوں میں ماہان
شہر کا وجود مٹ گیا۔

1071ء میں جنگِ ملازگرد میں فتح کے بعد ہزاروں کی تعداد میں
اناطولیہ کی طرف کوچ کرنے والے اوغوز قبائل میں قائی قبیلہ بھی شامل تھا۔ ان
میں اَرتُوق بیگ [Artuk Bey] نامی سلجوقی فوج کا مشہور کمانڈر تھا۔ ارتوق نے
ملازگرد کی جنگ میں بہادری کے جوہر دکھائے اور فتح کے بعد اپنے قبیلے کے ساتھ
حلوان نامی جگہ پر آباد ہوگیا۔ ارتوق کا تعلق بھی قائی قبیلے سے بتایا جاتا ہے۔ اس
نے سلطان ملک شاہ سلجوقی کے دورانِ حکومت میں اخسا اور بحرین کو قرامطیوں
[Qarmatians] کے تسلط سے آزاد کر کے سلجوقی سلطنت کا حصہ بنایا۔ لیکن کچھ
عرصے بعد سلجوقیوں سے اختلافات کے سبب ملک شاہ کے بھائی اور شام کے
سلجوقی حکمران تُوتُش [Tutush I] کے دربار سے وابستہ ہوگیا۔ جب دمشق کے بعد

---

[1] مجمل التواریخ والقصص، ص 94
[2] ترکان عثمانی: جلد اوّل، ڈاکٹر محمد صابر، ص 44

بیت المقدس فتح ہوا تو ارتوق کو وہاں کا گورنر مقرر کر کے قرب و جوار کے علاقے
بھی اس کی حاکمیت میں دے دیے۔[1] ارتوق نے 1091ء میں وفات پائی۔

اس کے بعد اس کے بیٹوں اِل غازی [Ilghazi] اور سقمان [Sokmen]
کو اس کے والد کی جگہ مقرر کیا گیا۔ سقمان اور ال غازی نے دیاربکر اور ماردین
کے علاقوں پر اپنا اثر رسوخ قائم کیا اور 1102ء میں اپنی خودمختار حکومت کی
بنیاد رکھی جو ارتوقیہ [Artuqid Dynasty] کے نام سے معروف ہوئی۔ صلیبی جنگوں
میں اس کی اولاد نے کافی شہرت حاصل کی۔ ایوبیوں [Ayyubid Dynasty] کے
ظہور کے بعد ان کی طاقت کم ہوگئی، لیکن ماردین اور حارپوت میں ان کی حکومت
قائم رہی۔ مختلف نشیب و فراز سے گزر کر 1409ء تک یہ اقتدار میں رہے۔
بعدازاں یہ علاقے قرا قَویُونلُو [Kara Koyunlu] حکمران قرا یوسف [Qara Yusuf]
کے زیرِ اختیار آ گئے۔

ارتوقیہ دور کے اکثر سکوں میں قائی قبیلے کا نشان[2] دریافت ہوا ہے۔
انھوں نے اپنی ترکی روایات کو برقرار رکھا اور مملکت میں امن و امان قائم کیا۔ ان
کے زمانے میں کئی یادگار عمارتیں اور قلعے تعمیر ہوئے جن کی باقیات آج تک بہتر
حالت میں باقی ہیں۔[3]

---

[1] افرمانروایان اسلام، سٹینلے لین پُول، مترجم: ڈاکٹر غلام جیلانی برق، ص 165
[2] Osmanlı Impratuluğu Içinde Oğuz Boyları. Fahrıye Arık. Page 72-73
[3] ترک اسلامی ریاستوں کی مختصر تاریخ، مؤلفین: ابراہیم کیپفس اوغلو، حقی درسن یلدز، اردوغان میرچل اور محمد سارائے۔ ص 226

مستشرقین کی اسلام دشمنی اور سازشیں

گزشتہ ایک صدی کے عرصے میں بعض ایسی کتب بھی سامنے آئی ہیں جن کو اسلام دشمن عناصر نے خاص طور پر مسلمانوں کے ذہنوں کو پراگندہ کرنے کے لیے عام کیا ہے۔ ان میں عثمانی سلاطین کے کردار کو ظالمانہ اور غیر منصفانہ دکھانے کی کوششیں کی گئی ہیں۔ ان کے نسب پر بھی اعتراضات اٹھائے گئے ہیں۔ اس کی ابتدا دراصل صلیبی جنگوں کے بعد سے ہوئی۔ جب اہلِ مغرب کو یہ معلوم ہوگیا کہ وہ مسلمانوں کو تلوار کے زور پر شکست نہیں دے سکتے، اس لیے ان کو اپنی تاریخ سے متنفر کر دیا جائے جس کے سبب وہ اپنے اسلاف کے افکار و اعمال سے کنارہ کشی کر لیں۔

ہمارا المیہ یہی رہا ہے کہ ہم نے سلاطینِ دہلی (زمانہ: 1526ء - 1206ء) اور سلطنت مغلیہ (زمانہ: 1526ء - 1857ء) کے حکمرانوں کی مادری زبان ترکی اور حکومتی زبان فارسی سے دُوری اختیار کر لی ہے۔ جس کے سبب ہم اکثر اُمور میں مستشرقین کے محتاج ہوگئے ہیں، بالخصوص علمِ تاریخ میں۔ اسلام دشمن مغربی لکھاریوں، جن کو مؤرخ کہنا بھی تاریخ کی توہین ہے، نے اپنے تعصب اور نفرت کے سبب ایسی کتابیں منظرِ عام پر لائیں جن کا بنیادی مقصد مسلمانوں کو ان کی تاریخ و ثقافتی میراث سے بیگانہ کرنا تھا۔ ان سازشوں میں وہ کسی حد تک کامیاب ہوتے نظر آتے ہیں کیونکہ ان کا لٹریچر ہمارے معاشرے میں جگہ جگہ پھیل چکا ہے، جس کے ذریعے ان کا کینہ اور بغض عام لوگوں میں منتقل ہو رہا ہے۔ بقول اقبال:

کس درجہ یہاں عام ہوئی مرگِ تخیل
ہندی بھی فرنگی کا مقلد، عجمی بھی
مجھ کو تو یہی غم ہے کہ اس دَور کے بہزاد
کھو بیٹھے ہیں مشرق کا سرورِ ازلی بھی

افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے اپنے بعض مؤرخین نے بھی مغربی مستشرقین کو پڑھ کر ان کے ناپاک افکار و عزائم کو ہمارے معاشرے میں منتقل کر دیا ہے۔ یہ اقدام دانستہ یا نادانستہ طور پر جیسے بھی کیا گیا، تاریخ کے ساتھ بہت بڑا ظلم ہے۔ عثمانی شاعر جناب شہاب الدین نے کیا خوب کہا:

”انسان تاریخ سے کچھ بھی کہلوا سکتا ہے، کیونکہ مُردے کبھی اعتراض نہیں کرتے۔“

اس لیے ہم زندہ لوگوں کو ہی آواز اٹھانی پڑتی ہے۔

گزشتہ صدی میں تصنیف کی جانے والی کتاب ”دولت عثمانیہ“ کے مصنف ڈاکٹر محمد عُزیر نے کمال لاپروائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مغربی مستشرقین ہربرٹ گینس اور پروفیسر گرمانس کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ قائی قبیلہ اناطولیہ میں آمد کے وقت بُت پرست تھا۔ ارطغرل کو بھی غیر مسلم قرار دے کر اس کے بیٹے عثمان غازی کے اسلام لانے کا ذکر کیا ہے جو کہ سراسر جھوٹ اور بہتان پر مبنی ہے۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے لکھا ہے کہ خود عثمانیوں کے مؤرخ نشری کے بیان سے بھی صاف واضح ہوتا ہے کہ عثمانیوں کا مؤرث اعلیٰ سلیمان شاہ اور اس

کے ساتھی، جو اپنے وطن سے نکل کھڑے ہوئے تھے اور پچیس ہزار گھرانوں پر مشتمل تھے، غیر مسلم تھے۔ یہ قومیں بت پرست تھیں۔[1]

دراصل موصوف ترکی زبان سے ناشناسی کے سبب نشری کی کتاب کا براہِ راست مطالعہ نہ کر پائے اور مغربیوں کے کہے کو حقیقت مان کر اس کی تائید بھی کر دی۔ یہاں اُنہی عثمانی مؤرخ مولانا محمد نشری (دورِ حیات: 1520ء - 1450ء) کے چند الفاظ نقل کیے جاتے ہیں جو انھوں نے عثمانیوں کے متعلق لکھے تھے:

"یہ طبقہ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد افضل الغزوات والمجاہدین ہے۔ اگرچہ زماناً و ذکراً یہ مؤخر ہیں لیکن رتباً اور قدراً یہ مقدم ہیں۔ تاخر الزمان سے ان کے تقدمِ رتبہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، کیونکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بھی خاتم النّبیین اور سیّد و امام المرسلین ہیں۔"[2]

اس کے علاوہ نشری نے سلیمان شاہ کے تاتاریوں کے خلاف جہاد کرنے اور ارطغرل کا عیسائیوں کے مقابلے میں جنگ کر کے قراجہ حصار [Karajahisar] اور دیگر علاقوں کے فتح ہونے کے متعلق بھی لکھا ہے۔

مؤرخ حدیدی نے اپنی منظوم تاریخ میں ارطغرل بن سلیمان شاہ کے جذبۂ جہاد کے متعلق ترکی زبان میں یوں لکھا ہے:

---

[1] دولت عثمانیہ: جلد اول، ڈاکٹر محمد عزیز، ص 45-46

[2] Kitab-i Cihan Numa. Mevlana Neşri. Page 55

Makamum maşrık u Ertuğrul dur adım

'Gazadur Ruma Gelmekden Muradum

"میرا وطن مشرق اور نام ارطغرل ہے۔

روم میں میرے آنے کا مقصد جہاد فی سبیل اللہ ہے۔"

اُردو داں طبقہ میں ایک اور کتاب منظر عام پر آئی جس کا نام "تاریخ دولتِ عثمانیہ" رکھا گیا۔ اسے فرانسیسی زبان میں دُلاژوں کیُر نے لکھا، فرانسیسی سے انگریزی اور انگریزی سے اُردو ترجمہ محمد مارماڈیوک پکتھال اور مولوی سیّد ہاشمی فریدآبادی نے کیا جو کہ 1938ء میں دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن سے شائع ہوا۔ اس میں تو فرانسیسی مؤرخ نے تعصب و ترک دشمنی کی حد ہی کر دی۔ اوّل سے آخر تک طنزیہ اور توہین آمیز جملے استعمال ہوئے۔ یہاں تک کہ ارطغرل اور ترکوں کو آتش پرست، بُت پرست اور وحشی کہہ کر خطاب کیا گیا۔ مجھے انتہائی دُکھ ہوتا ہے کہ پاکستان کے بعض پبلشر اس کتاب کو قدیم اور مفت مال جان کر سوچے سمجھے اور پڑھے بغیر شائع در شائع کیے جا رہے ہیں۔ انہوں نے کبھی یہ کتاب پڑھنے کی زحمت بھی نہیں کی۔

جیسا کہ ابتدائی صفحات میں اسلام سے قبل ترکوں کے دینی عقائد اور اجتماعی زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے اور قدیم مؤرخین کا حوالہ دے کر صاف لکھا گیا ہے کہ ترکوں نے تاریخ میں کبھی بُت پرستی اختیار نہیں کی۔ یہ خدائے مطلق کے

---

[1] Osmanlının Kökleri Ertuğrul Gazi. Tarkan Suçıkar. Page 89

قائل تھے جو کہ ظاہری آنکھ سے قابلِ دید نہ تھا اور ان کے ہاں کسی قسم کے معبد یا مذہبی شخصیت کا وجود نہ تھا۔ اپنی تمام تر حاجات آسمان کی طرف رُخ کر کے اللہ سے مانگتے جسے وہ اپنی زبان میں تنگری کہتے تھے۔[1]

ان ترک دشمن اور اسلام مخالف متعصب مؤرخین سے بس یہی کہا جا سکتا ہے.... ع

دے اور دِل ان کو، جو نہ دے مجھ کو زباں اور
(غالبؔ)

سلیمان شاہ

ارطغرل غازی کے والد سلیمان شاہ یا گوندوز آلپ [Gunduz Alp] 1163ء میں ماہان میں پیدا ہوئے۔ ارطغرل غازی کے والد کے نام پر مؤرخین میں عرصۂ دراز سے اختلاف رہا ہے۔ اس بارے میں دو مختلف نظریات سامنے آتے ہیں جو کہ دونوں اپنی جگہ مضبوط و معتبر ہیں۔

اُن مؤرخین کے نام جو ارطغرل کو ابنِ سلیمان شاہ روایت کرتے ہیں:

شکر اللہ، عاشق پاشازادہ، نشری، تاریخ اوروچ بیگ، القونوی، ادریس بتلیسی، حسن بن محمود بایاتی، لطفی پاشا، محی الدین جمالی، ابن کمال، جنابی اور خواجہ سعد الدین۔[2]

---

[1] سفرنامہ ابن فضلان، احمد بن فضلان، ص 69

[2] تاریخ عثمانی، جلد اوّل، پروفیسر اسماعیل حقی اوزون چارشی لی، ص 120

جبکہ وہ مؤرخین جو ارطغرل کے ابنِ گوندوز آلپ ہونے کے دلائل پیش کرتے ہیں، ان کے نام یہ ہیں:

رسالۃ التاریخ العثمانیہ، احمدی، کرامانی محمد شاشا، انوری، روحی، ولایت نامہ، حضرت بکتاش ولی، جہان نما نشری، نشانچی محمد پاشا، یازیجی زادہ علی اور یونانی مؤرخ ہلقوندل۔

ان دونوں نظریات کو پیش کرنے والوں میں سے کسی کو بھی غلط نہیں کہا جاتا کیونکہ یہ سب معتبر مؤرخین ہیں اور انھوں نے جو دلائل پیش کیے ہیں وہ نظرانداز نہیں کیے جا سکتے۔ اورخان غازی کے جاری کردہ سکوں میں اورخان بن عثمان بن ارطغرل بن گوندوز آلپ لکھا ہے جو کہ اس نظریہ کو مزید تقویت بخشتے ہیں۔

ارطغرل کے والد کے نام کا ایک پہلو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جس طرح ترکوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد ترکی ناموں کو برقرار رکھ کر اسلامی ناموں کا بھی اس میں اضافہ کیا (جیسے عبدالکریم ساتوق بغرا خان، داؤد چغری بیگ، محمد آلپ ارسلان)، اسی طرح یہ کہنا بھی بعید از قیاس نہیں کہ ان کا نام سلیمان گوندوز آلپ یا گوندوز سلیمان شاہ بھی ہوسکتا ہے۔[1]

اوروچ بیگ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ 620 ہجری میں چنگیز خان نے بیس ہزار کے منگول لشکر کے ساتھ ختائی (چین) سے گزر کر بلخ، خراسان اور عراق پر یورش کی۔ اس زمانے میں ماہان شہر کا بادشاہ سلیمان شاہ تھا اور بلخ کا

---

[1] دورِ حاضر کے معروف ترک مؤرخ پروفیسر احمد شمشیر گیل بھی اس نظریے کی تائید کرتے ہیں۔

بادشاہ خوارزم شاہ تھا۔ اسلیمان شاہ نے دیگر ترک قبائل کے ہمراہ ماہان کو خیر باد کہہ کر ایران کا رُخ کیا۔ ان کے وہاں سے نکلنے کے کچھ عرصے بعد چنگیز خان کی فوجیں وہاں آن پہنچیں اور بخارا، مرو اور ماہان میں وہ تباہ کاریاں پھیلائیں کہ شہروں کا نام ونشان تک باقی نہ رہا۔

قائی قبیلہ سلیمان شاہ کی قیادت میں ایران پہنچا، وہاں کچھ عرصہ قیام کیا، اس کے بعد آگے کی طرف سفر کر کے اخلاط میں سکونت اختیار کی۔ اخلاط اس زمانے میں ایوبی سلطنت کا حصہ تھا اور ملک بلبن نامی حکمران کے زیر حاکمیت تھا[2]۔ ایوبی چونکہ ارتوقیہ امارت کے ہمسائے تھے، اس لیے وہ قائیوں کی بہادری اور اعلیٰ نسب سے بخوبی واقف تھے۔ ملک بلبن نے سلیمان شاہ اور اس کے قبیلے کو پناہ دی اور کافی معاونت کی۔

وہاں سلیمان شاہ کئی سال مقیم رہا اور کافی مقبولیت پائی۔ اس عرصے میں جلال الدین خوارزم شاہ کی اناطولیہ کی طرف آمد اور تاتاریوں کے اس کے تعاقب میں آنے کی خبر پھیلی۔ سلیمان شاہ نے اپنے قبیلے کے ساتھ ممکنہ خطرے کے پیشِ نظر اخلاط سے نکلنے کو ترجیح دی اور اناطولیہ کے اندرونی حصے ارض روم [Erzurum] اور ارزنجان [Erzinjan] کے درمیانی علاقوں میں سکونت اختیار کی۔ اس زمانے میں سلیمان شاہ نے عیسائی لٹیروں کے ایک گروہ کا بھی سدباب کیا جو کہ اکثر مسلمان علاقوں پر حملہ آور ہو کر غارت گری کرتے تھے۔ اس کے علاوہ انھوں نے شمال

---

[1] Oruç Bey Tarihi. Page 24

[2] ترکان عثمانی: جلد اوّل، ڈاکٹر محمد صابر، صفحہ 47

میں طرابزون کے بازنطینی حکمران کو شکست دے کر پسپا کیا۔[1] 1226ء میں ایک صلیبی قلعہ بھی ان کے ہاتھوں سرنگوں ہوا۔

اس کے کچھ عرصے بعد سلیمان شاہ نے حلب کی طرف کوچ کرنے کا ارادہ کیا۔ بعض احتمالات کی رو سے سلیمان شاہ نے اپنے بیٹے ارطغرل کو حلب کے امیر کے پاس زمین کی درخواست کے لیے روانہ کیا، جہاں ارطغرل نے ایوبی حکمران امیر العزیز سے ملاقات کر کے اپنی عسکری اعانت کی یقین دہانی کروائی اور زمین کا پروانہ حاصل کیا۔ حلب کوچ کرنے کے اسباب کے متعلق مراۃ الکائنات میں لکھا ہے کہ اخلاط میں جگہ کم تھی، اس لیے حلب کا رخ کیا۔ روضۃ الابرار کا مصنف لکھتا ہے کہ اپنے وطن ترکستان جانے کے لیے حلب آئے۔ ابنِ کمال کے مطابق انھیں مشرقی اناطولیہ کی کوہستانی آب و ہوا راس نہ آئی۔ اس کے علاوہ ایران کے علاقہ میں منگول غلبہ کے باعث آبائی وطن کو پھر واپس نہ جا سکتے تھے، اس لیے نقل مکانی کی غرض سے حلب کی جانب آئے۔

چونکہ ایران وخراسان کی راہ پر منگول سپاہ کا تسلط تھا اس لیے وہ راستہ خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ انھوں نے بغداد پہنچ کر وہاں سے جنوبی ایران کے راستے ماہان کی طرف جانے کو ترجیح دی۔ ایک اور روایت یہ ہے کہ سلیمان شاہ، ایوبی حکمران کی دعوت پر بیت المقدس میں عیسائی صلیبیوں کے خلاف جہاد میں شامل ہونے کے لیے حلب جارہا تھا۔[2]

---

[1] ترکان عثمانی: جلد اوّل، ڈاکٹر محمد صابر، ص 48

[2] ترکان عثمانی: جلد اوّل، ڈاکٹر محمد صابر، ص 50-49

الغرض سلیمان شاہ نے اپنے قبیلے کے ساتھ حلب کا رُخ کیا۔ راستے میں قلعہ جعبر کے قریب دریائے فرات سے گزرنا پڑا۔ دریا میں سخت طغیانی تھی۔ قبیلے والوں نے اپنے سردار کو مشورہ دیا کہ کچھ وقت تک پانی کا دباؤ کم ہونے کا انتظار کیا جائے، لیکن سلیمان شاہ نے سفر جاری رکھنے کی ہدایت دی اور اپنا گھوڑا پانی میں ڈال دیا۔ فرات میں راہ کی صحیح واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے ایک کھائی میں گھوڑے کے بدکنے سے سلیمان شاہ پانی میں گر گیا اور ڈوب کر انتقال کر گیا۔[1]

اولیاء چلبی [Evliya Çelebi] (1611–1682ء) کے علاوہ دیگر تمام مؤرخین نے سلیمان شاہ کی وفات کا سبب دریا کو پار کرتے ہوئے ڈوب جانا لکھا ہے۔ اولیاء چلبی اپنی کتاب ''سیاحت نامہ'' میں کہتے ہیں کہ عثمانیوں کے جد اعلیٰ ارطغرل بیگ کے والد سلیمان شاہ ہیں، جنھوں نے ماہان سے سلجوقی سرزمین کی طرف جاتے ہوئے راہ میں قلعہ جعبر کے کنارے پڑاؤ ڈالا۔ غسل کے ارادے سے دریائے فرات میں اترے اور پانی کی گہرائی کا اندازہ نہ کر سکے لہٰذا ڈوب کر وفات پا گئے۔ ان کی نعش کو قلعے کے جوار میں ایک بلند ٹیلے پر دفنایا گیا۔[2]

مقبرہ سلیمان شاہ

سلیمان شاہ کی تاریخ وفات 1227ء یا 1228ء اور عمر ساٹھ برس بتائی جاتی ہے۔[3] ان کو قلعہ جعبر کے سامنے دفن کیا گیا جو کہ بعدازاں ترک مزاری کے

---

[1] تاریخ عثمانی: جلد اوّل، پروفیسر اسماعیل حقی اوزون چارشی لی، ص 119

[2] Osmanlının Kökleri Ertuğrul Gazi. Tarkan Suçıkar. Page 87

[3] ترکان عثمانی: جلد اوّل، ڈاکٹر محمد صابر، ص 51

نام سے مشہور ہوا۔ بعض روایات کے مطابق اس مزار میں ارطغرل کے والد سلیمان شاہ نہیں، بلکہ سلاجقہ روم کی سلطنت کے بانی سلیمان شاہ بن قتلمش [Suleiman ibn Qutulmish] مدفون ہیں۔ لیکن اکثر مؤرخین گوندوز سلیمان شاہ والی روایت کی تصدیق کرتے ہیں۔

مزار خراب حالت کا شکار ہونے پر عثمانی سلطان عبدالحمید ثانی (دورِ حکومت: 1876ء – 1909ء) نے اس کی مرمت کا حکم دیا۔ سلطان کے فرمان سے 1889ء میں حلب کے گورنر جمیل حسین پاشا نے اس کی تعمیر کروائی اور نگرانی کے لیے ایک مجاور کو مامور کیا گیا۔

جنگ عظیم اوّل کے بعد یہ علاقے عثمانیوں کے ہاتھ سے نکل کر فرانسیسیوں کے قبضے میں آ گئے۔ انھوں نے شام [Syria] کے نام سے مستقل ملک کا اعلان کر کے اپنے وفادار عربوں کے اختیار میں دے دیا، جس کے بعد سلیمان شاہ کا مقبرہ بھی شام کی حدود میں آ گیا۔ لیکن یہ مقبرہ ترکوں کے لیے تاریخی و معنوی میراث تھا اور اس کا غیر ملک میں ہونا ان کے لیے ہرگز قابلِ قبول نہ تھا۔

اکتوبر 1920ء میں ترکی جمہوریہ کی ملی پارلیمان اور فرانس کے درمیان انقرہ معاہدے کی نویں شق میں یہ طے پایا کہ سلیمان شاہ کا مقبرہ اور اس کا حدودِ اربعہ جمہوریہ ترکی کی سرزمین میں شامل ہوگا اور اس میں ترکی کا جھنڈا نصب کیا جائے گا۔ اس کا رقبہ 8797 مربع میٹر بنتا ہے۔ یہ علاقہ ترکی کی سرحد سے سو کلومیٹر کے فاصلے پر دریائے فرات کے قریب شام میں واقع ہے۔

1974ء میں دریائے فرات پر ڈیم بننے سے مزار کو نقصان پہنچنے کے

پیشِ نظر مقبرہ اور دیگر باقیات کو وہاں سے منتقل کر کے ترکی سرحد کے مزید قریب لایا گیا اور وہاں جدید طرز پر ایک عالی شان مقبرہ تعمیر ہوا، جس کے بعد یہ ترکی سرحد سے ستائیس کلومیٹر کے فاصلے پر رہ گیا۔

2012ء میں اُس وقت کے ترک وزیر اعظم رجب طیب اردوگان [Recep Tayyip Erdoğan] نے دہشت گرد تنظیم داعش کی مزار پر حملے کی دھمکیوں کے جواب میں یہ بیان جاری کیا:

> ”شام میں سلیمان شاہ کا مقبرہ اور اس کے گرد و نواح کا علاقہ ہماری خاک کا حصہ ہے۔ مقبرے میں کسی قسم کی مداخلت اور ناشائستہ اقدام ہرگز برداشت نہیں کیے جائیں گے اور مزار پر حملہ نہ صرف ترکی بلکہ نیٹو پر حملہ تصور ہوگا۔“

2014ء میں ممکنہ خطرات سے تحفظ کے لیے ترک حکومت نے وہاں حفاظتی اقدامات میں سختی لائی اور مقبرے کے محافظین کی تعداد 38 تک بڑھا دی۔ فروری 2015ء میں مخالف تنظیم کی طرف سے مقبرے کے قریبی علاقوں پر تصرف کیے جانے کے بعد ترک حکومت نے آپریشن شاہ فرات کا آغاز کیا اور 22 فروری 2015ء کو ترک عسکری افواج نے سلیمان شاہ کے مقبرے کی طرف حرکت کی جس میں 577 فوجی، 56 بکتر بند گاڑیاں اور 60 ٹینک شام کی حدود میں داخل ہوئے۔ فضائی نگرانی کے لیے ایف-16 طیاروں نے ذمہ داریاں سنبھال لیں اور راتوں رات ترک محافظین اور مقبرے کو تیسری بار وہاں سے منتقل کیا گیا۔ اب کی

بار یہ مقبرہ ترکی سرحد سے صرف 180 میٹر کے فاصلے پر رہ گیا۔ ترک وزیر اعظم نے 2018ء میں بیان جاری کیا کہ شام کے حالات معمول پر آنے کے بعد مقبرے کو دوبارہ اپنی اصل جگہ پر بحال کیا جائے گا۔

اس تاریخی اقدام سے ثابت ہوتا ہے کہ 800 سال گزرنے کے باوجود انھوں نے اپنے اسلاف کی حرمت کو برقرار رکھا اور اپنی محبّت و عقیدت میں کوئی کمی نہ آنے دی۔ اسے صرف ایک مقبرہ نہیں سمجھا بلکہ اپنا عزت و شرف قرار دے کر عملی طور پر اپنی محبّت کا ثبوت دیا۔

خیمہ آنا

خیمہ آنا یا خیمہ خاتون، جنھیں تاریخ میں حائمہ آنا یا حائمہ خاتون بھی لکھا گیا ہے، ترک تواریخ کے مطابق سلیمان شاہ (گوندوز آلپ) کی اہلیہ اور ارطغرل غازی کی والدہ تھیں۔[1]

حائمہ آنا کی ابتدائی زندگی کے متعلق فقط اس قدر معلوم ہے کہ یہ خراسان کے شہر ماہان میں پیدا ہوئیں۔ ان کا تعلق قائی قبیلے کے قراگچیلی گروہ سے تھا۔

حائمہ کا لفظ ترک زبان میں خیمہ اور گھر کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ عثمانی ترکی میں خیمہ حکومت کی علامت ہے اور اتحاد و یگانگی کا نشان سمجھا جاتا ہے۔ اسی سبب سے ان کو دولت انا [Devlet Ana] یعنی سلطنت کی والدہ بھی کہا جاتا ہے۔

---

[1] تاریخ عثمانی: جلد اوّل، پروفیسر اسماعیل حقی اوزون چارشی لی، ص 120

ماہان سے کُوچ کر کے حائمہ خاتون نے دیگر خاندان کے ساتھ ایران وانا طولیہ کا سفر کیا۔ حلب کے قریب قائی قبیلے کے سربراہ سلیمان شاہ کی دریائے فرات میں ڈوب کر وفات کے بعد انھوں نے قبیلے کی تمام تر ذمہ داریاں اپنے ہاتھوں میں لے لی اور سلجوقی سرزمینوں کی طرف کُوچ کرنے میں ارطغرل کا ساتھ دیا، کیونکہ ان کے مرحوم شوہر سلیمان شاہ نے ایک موقع پر دیگر بھائیوں میں ارطغرل کو افضلیت دی تھی اور اس میں سعادت کے جوہر نظر آنے کا ذکر کیا تھا۔

بعض روایات کے مطابق تاتاریوں کے خلاف سلجوقی سپاہ کی مدد کرنے کے بعد، سلطان علاؤالدین کیقباد سے ملاقات کے وقت بھی حائمہ خاتون ارطغرل کے ساتھ موجود تھیں۔

پوتے عثمان غازی کی پیدائش کے وقت بھی حائمہ خاتون زندہ تھیں اور عثمان کی تربیت میں ان کا بھی ہاتھ شامل تھا۔ حائمہ خاتون کے چار بیٹے تھے:

1. سونغورتگین [Sungurtekin Bey]
2. گوندوغدو [Gundoghdu Bey]
3. ارطغرل [Ertughrul]
4. دوندار [Dundar Bey]

حائمہ خاتون نے تیرہویں صدی عیسوی کے دوسرے نصف میں وفات پائی اور ان کی تدفین ڈومانیچ[1] کے چارشنبہ کویو [Charshamba Koyu] نامی گاؤں

[1] قائی قبیلے کی گرمیوں کی جائے رہائش

میں کی گئی۔

عثمانی سلطان عبدالحمید ثانی نے اپنے آبا و اجداد کے مقابر کی تعمیر و توسیع کی طرف خصوصی توجہ دی۔ 1886ء میں سلطان نے ڈومانیچ کی طرف ایک کمیشن روانہ کیا جس نے عثمانی مزارات کو تلاش کرنے کے لیے تحقیقات کا آغاز کیا۔ چاملیجا قصبے میں عمر آغا نامی ایک بزرگ شخص نے چمڑے پر لکھی ہوئی ایک تحریر پیش کی، جس میں ان کے مزار کے متعلق معلومات درج تھیں۔ کمیشن مذکورہ مقام پر پہنچا جہاں حائمہ خاتون کے مقبرے کا سراغ مل گیا۔ سلطان عبدالحمید ثانی کے حکم سے 1891ء میں مقبرے کی تعمیر کا آغاز ہوا اور 1892ء میں مکمل ہوا۔ حائمہ خاتون عثمانی تاریخ میں واحد خاتون رہی ہیں جن کے نام پر باقاعدہ مقبرہ تعمیر کیا گیا ہے۔[1]

خیمہ خاتون کے مقبرے کے داخلی دروازے پر اس کی تاریخِ تعمیر نظم کی صورت میں عثمانی ترکی میں یوں بیان کی گئی ہے:

شاہنشہ عالی حسب خاقان مبروک النسب
اولمش ایدی وقتا کہ بو سنجآقدہ اقبآلی پدید

(اعلیٰ حسب کا حامل شہنشاہ اور مبارک نسب سے تعلق رکھنے والا خاقان، جس کے سعادت اور نیک نامی کی نشانیاں ان کے علم سے ہی نمایاں تھیں۔)

[1] Osmanlının kökleri Ertuğrul gazi, Tarkan Suçıkar, p.116

غازی مرحوم ایمش خیمہ آنا مادری
ایام عمر و شوکت قلسون جناب حق مزید

(خیمہ آنا مرحوم غازی (ارطغرل) کی والدہ تھیں۔ ان کی سلطنت کی عمر اور شان و شوکت میں حق تعالیٰ مزید اضافہ کرے۔)

والی ایکن محمود قولی نظم ایلدی تاریخنی
عبدالحمید خان کیم انک لطفندن عالم مستفید

(گورنر محمود قولی نے اس کی تاریخ نظم کی۔ سلطان عبدالحمید (کے حکم پر)، جس کی لطف و مہربانی سے تمام عالم بہرہ مند ہوا۔)

شو دومانیچ یایلاسینی الدقده دست مکنة
ایتسون غریق مغفرت دائم آنی رب وحید

(اس نے ڈومانیچ کے علاقے کو اپنے دستِ اختیار میں لے لیا۔ ربِ جلیل اسے غریقِ مغفرت فرمائے۔)

بر پادشاہہ ایتمایش اللہ بو خیری نصیب
قلدی بو رعنا تربہ یی بنیاد خان عبدالحمید

(ہر ایک بادشاہ کو اللہ نے اِس نیک عمل کی سعادت نصیب نہیں کی۔ اس خوشنما مزار کی بنیاد کا شرف عبدالحمید خان کو حاصل ہوا۔)

غازئ میدان وغا جنتمکان ارطغرلک
اہل خلافہ اولا چکمشدی اول سدسدید

(میدانِ کارزار کے غازی اور جنت آشیانی ارطغرل نے ان سرحدوں کو کشایش دے کر اپنے جانشینوں کے لیے استوار کیا۔)

شاہ جہان بو تربہ یی یاپدیردی اول مرحومہ
شمدی یہ دک کچمش ایدی تاریخدن عصر مدید

(شاہ جہان (سلطان عبدالحمید) نے اس مرحومہ کے مقبرے کی تعمیر کروائی۔ ان کے انتقال کو تاریخ میں طویل عرصہ گزر چکا تھا۔)

نظم کے آخر میں کتبے پر 1308 ہجری قمری کی تاریخ درج ہے۔

ترکی کے موجودہ دارالحکومت انقرہ کی حدود میں واقع ایک علاقے کا نام بھی خیمہ آنا [Haymana] ہے جو انھی سے منسوب ہے۔

دوندار بیگ

دوندار بیگ ارطغرل غازی کی معیت میں اناطولیہ آنے والا واحد بھائی تھا۔ ان کے دیگر دو برادران گوندوغدو اور سونغور تگین آبائی وطن جانے کے ارادے سے وطن واپس ہو گئے تھے۔ اس کے بعد ان دونوں کے حالات سے متعلق تاریخ خاموش ہے۔

دوندار بیگ، سلیمان شاہ کے بیٹوں میں سب سے کم عمر تھا۔ جیسا کہ گزشتہ ابواب میں بیان ہو چکا ہے کہ دوندار، ارطغرل و قائی قبیلے کے ساتھ سورمہ لی چوخور اور بعدازاں سلطان علاؤالدین کیقباد کی طرف سے تخصیص شدہ قراجہ داغ میں مقیم ہوا۔ اس کے بعد سوغوت اور ڈومانیچ کو قائی قبیلے نے اپنا مستقر بنایا۔

قراجہ داغ کی فتح کے وقت وہاں کے تکفور کو بھی اسیر کر لیا گیا تھا۔ ارطغرل غازی نے تکفور اور مالِ غنیمت کو دوندار کے توسط سے سلطان علاؤالدین کی طرف قونیہ روانہ کیا تھا۔[1]

دوندار، ارطغرل غازی کی وفات تک اس کے ساتھ رہا اور بہترین مشیر ثابت ہوا۔ بڑے بھائی کی رحلت کے بعد غیر قائی قبائل کی ایک تعداد نے دوندار کی ارطغرل کا جانشین بننے کی حمایت کی۔

لیکن قائی قبیلے کی اکثریت نے عثمان کو ترجیح دی۔ عثمان غازی کے حامیوں کی تعداد زیادہ ہونے پر دوندار نے بھی اپنا ارادہ ترک کر دیا اور عثمان کی بیعت کر لی۔[2]

لیکن اندرونی طور پر دوندار ہمیشہ عثمان کے خلاف رہا اور اسے ہٹا کر خود قائی قبیلے کا سربراہ بننے کے لیے کسی بہتر موقع کی تلاش میں تھا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ بیلاجیک اور یارحصار کے تکفوروں کی طرف سے عثمان کے قتل کے لیے بنائے جانے والے منصوبوں سے دوندار بھی آگاہ تھا۔ عثمان نے ان قلعوں کی

---

[1] Osmanlı Mimarısının Ilk Devri. Istanbul 1966. Page 2

[2] Kitab-i Cihan Numa Neşri 1. Mevlana Mehmed Neşri. Page 44

تسخیر کے بعد حقیقت سامنے آنے پر اپنے چچا دوندار کو بھی غداری کے جرم میں قتل کروا دیا۔[1]

نشری نے اپنی تاریخ جہان نما میں لکھا ہے کہ بیلاجیک کی فتح کے لیے رکاوٹ بننے اور تکفور کے لیے جاسوسی کرنے پر عثمان نے دوندار کو تیر مار کر ہلاک کر دیا۔ دوندار کی قبر چقرپنار کو جانے والے راستے میں واقع ہے۔[2]

بعض تواریخ کی رو سے دوندار کا ایک مشاورتی جلسے میں مارے جانے کا بیان سامنے آتا ہے۔ عثمان بیگ نے قراجہ حصار پر یورش کرنے سے قبل اپنے قریبی ساتھیوں کو جمع کر کے مشورہ کیا۔

اس نشست میں دوندار بھی موجود تھا۔ دوندار بیگ نے قراجہ حصار پر یورش کرنے کی مخالفت کی اور کہا کہ گرمیان کی ریاست اور دیگر ہمسایہ بازنطینی تکفور پہلے سے ہمارے دشمن ہیں، ایسا کرنے سے ہم مزید خطرات میں گھر جائیں گے۔ عثمان غازی کو اس کی بات ناگوار گزری جس کے بعد عثمان نے اپنے ہاتھوں سے ایک تیر چلا کر اسے ہلاک کیا۔[3]

دوندار کی تاریخ وفات 1298ء بتائی جاتی ہے۔

اس کی قبر ترکی میں کوپرو حصار سے چقرپنار کے درمیانی راستے میں موجود ہے۔

---

[1] Hayrullah Effendi Tarihi: Cilt 2. Hayrullah Effendi. Page 46

[2] Kitab-i Cihan Numa Neşri 1. Mevlana Mehmed Neşri. Page 94-95

[3] Tarih Islam. leonklavı. Page 75

حلیمہ سلطان

حلیمہ خاتون، تاریخ میں حلیمہ سلطان اور حلیمہ خانم کے نام سے معروف، سوغوت کے اوچ بیگی ارطغرل غازی کی زوجہ اور سلطنت عثمانیہ کے بانی عثمان غازی کی والدہ تھیں۔ بعض روایات کے مطابق یہ سلجوقی خاندان کی شہزادی تھیں اور ان کی ابتدائی زندگی قونیہ کے محل میں گزری۔ ان کے والد کا نام شہزادہ عزالدین بتایا جاتا ہے لیکن اس بارے میں سلجوقی تواریخ میں کہیں تذکرہ موجود نہیں۔ حلیمہ خاتون نے سلجوقی شہزادی ہونے کے سبب بہترین تعلیم پائی اور اس کا اثر ان کے بیٹوں کی تربیت میں بہ خوبی نظر آتا ہے۔

ان کے تین بیٹے تھے:

1. گوندوز آلپ (1306ء وفات)
2. صاروباتو یا صاوجی (1287ء وفات)
3. عثمان غازی (1326ء - 1258ء)

حلیمہ خاتون ہمیشہ اپنے شوہر ارطغرل غازی کے لیے ایک بہترین ہمراز اور ساتھی ثابت ہوئیں۔ انھوں نے ہر مقام پر ارطغرل کا ساتھ دیا اور عثمان غازی و دیگر بیٹوں کی احسن تربیت کر کے 37 عثمانی سلاطین و خلفا کی ماں ہونے کا شرف پایا۔ عثمانی سلطنت کو ہم سلجوقی سلطنت کی توسیع کہہ سکتے ہیں کیونکہ دونوں سلطنتوں کا سلسلۂ نسب اوغوز خان پر پہنچتا ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ عثمانی، والد کی طرف سے قائی ترک ہیں اور والدہ کی طرف سے سلجوقی۔ اس سلطنت کے

صدیوں تک قائم رہنے اور جاہ و جلال کے عروج پانے کی وجہ یہی ہے کہ یہ دو اعلیٰ خاندانوں کے ایک ہونے سے وجود میں آئے تھے۔

حلیمہ خاتون کی تاریخ وفات 1281ء یا 1282ء ہے۔ ارطغرل غازی کے دُنیا سے گزرنے کے کچھ عرصہ بعد حلیمہ سلطان نے بھی آخرت کی راہ لی۔ انھیں سوغوت میں ارطغرل غازی کی آرام گاہ کے قریب سپردِ خاک کیا گیا۔

ارطغرل کا مقبرہ ابتدائی طور پر تیرہویں صدی عیسوی کے اواخر میں عثمان غازی کی طرف سے تعمیر کیا گیا۔ اس کے بعد سلطان محمد چلبی [Mehmed Çelebi] (دورِ حکومت: 1421ء - 1413ء) نے اور 1757ء میں سلطان مصطفیٰ ثالث (دورِ حکومت: 1774ء - 1757ء) نے اس کی تعمیر کروائی اور نیا مقبرہ تعمیر کروایا۔

ارطغرل کے مقبرے کی موجودہ حالت سلطان عبدالحمید ثانی کے زمانے کی یادگار ہے۔ مقبرے کے احاطے میں حلیمہ خاتون کی قبر پر عثمانی ترکی میں یہ عبارت درج ہے:

”ھو الباقی، فاتحہ خوان استقلالیت و موسسِ بنیان دولت عثمانیہ سلطان عثمان غازی حضرت لرے نینگ والد ماجد کثیر المحامدے جداعلیٰ سی حضرت پادشاہ فردوس مقام ارطغرل غازی حضرت لرے نینگ زوجہ جنان آشیانلرے حانمگ خلیفہ سلیمان بارگاہ زمان سلطان غازی عبدالحمید خان ثانی حضرت لرے طرف باھرالشرف ملوکانہ لرندن بولدیریلان ضریح غفران صریح لری دیر روحی اوچون فاتحہ۔“

ترجمہ: ”وہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے (اللہ)۔ فاتحہ خوان استقلالیت اور دولت عثمانیہ کے بانی اعلیٰ حضرت سلطان عثمان غازی کے والد ماجد، بہترین صفات و کردار کے مالک جد اعلیٰ حضرت بادشاہِ فردوس مقام اعلیٰ حضرت ارطغرل غازی کی زوجہ، معظّمہ آشیانی خانم کی قبر ہے، جو سلیمانِ زمانہ اعلیٰ حضرت خلیفہ سلطان غازی عبدالحمید خان ثانی سراپا شرف الملوکانہ کی طرف سے دریافت کیا گیا۔ ان کی لحد پر نور پر برکات نازل ہوں۔ ان کی رُوح کے لیے فاتحہ۔“

ارطغرل غازی اور قائی قبیلے کی سربراہی

سلیمان شاہ کی وفات کے بعد کچھ عرصہ قائی قبیلہ دریائے فرات کے کنارے مقیم رہا۔ اس دوران قبیلے کی سربراہی سلیمان شاہ کی بیوہ حائمہ اَنا [Hayme Ana] نے اپنے کاندھوں پر لی۔ سلیمان شاہ کے چار بیٹے تھے:

1. سونغور تگین [Sungurtekin Bey]
2. گوندوغدو [Gundoghdu Bey]
3. ارطغرل [Ertughrul]
4. دوندار [Dundar Bey]

یہ قائی قبیلہ قلعہ جعبر میں کچھ عرصہ رہنے کے بعد دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک حصہ سلیمان شاہ کے مقبرے کے پاس ٹھہر گیا اور وہیں آباد ہوا۔ جبکہ

دوسرا حصہ چوخوراووا [Chukurova] کی طرف چلا گیا۔

وہاں کچھ عرصہ مقیم رہنے کے بعد قائیوں میں دوبارہ اختلاف پیدا ہو گیا۔ ان میں ارطغرل اور دوندار کے ساتھ ایک حصہ شامل ہوا۔ جبکہ سونغور تگین اور گوندوغدو کی قیادت میں قائی قبیلے کا دوسرا گروہ ترکستان میں اپنے آبائی علاقوں کی طرف جانے کے ارادے سے واپس روانہ ہو گیا۔

قائی ترکمانوں میں اختلافات اور تقسیم کے مختلف اسباب مؤرخین نے درج کیے ہیں۔ ایک نظریہ ہے کہ کُوچ کرنے کے مسئلے پر سلیمان شاہ کے بیٹوں میں اختلافِ نظر سامنے آیا۔ سونغور تگین اور گوندوغدو کا کہنا تھا کہ چنگیز خان کے مرنے کے بعد اب تاتاریوں کی طرف سے خطرہ ٹل گیا ہے، اس لیے ہمیں ماہان واپس جانا چاہیے۔ ارطغرل کا کہنا تھا کہ منگول خطرہ ابھی رفع نہیں ہوا ہے اور نہ صرف خراسان بلکہ عراق و شام پر بھی ان کے مزید حملے کا امکان ہے، اس لیے واپس جانا نہ صرف خطرے سے خالی نہیں ہے بلکہ ہمیں مزید اندرونی اناطولیہ کی طرف جانا چاہیے، جہاں ہمارے اپنے اوغوز بھائی، سلجوقیوں کی حکومت ہے۔ وہاں ہمیں محفوظ سرزمینیں بھی مل جائیں گی اور سلطان علاؤالدین کی حمایت بھی حاصل ہوگی۔ لیکن بڑے بھائیوں نے اس کی تجویز قبول نہ کی اور قبیلے کی تقسیم کا باعث بنے۔

دوسرا نظریہ یہ بتایا جاتا ہے کہ سرداری کے مسئلے پر ارطغرل اور بھائیوں میں اختلافات پیدا ہوئے، جس کے سبب قبیلہ دو حصوں میں بٹ گیا۔ ا سونغور تگین

ترکان عثمانی: جلد اوّل، ڈاکٹر محمد صابر، ص 51

اور گوندوغدو نے اپنے حامیوں کو ساتھ لے کر ترکستان کی راہ لی۔ اس کے بعد ان کے احوال کے متعلق کوئی ذکر نہیں ملتا۔

ان کی والدہ حائمہ خاتون نے ارطغرل کا ساتھ دینے کا ارادہ کیا۔ بڑے بھائیوں کے جانے کے بعد ارطغرل اپنی والدہ اور دوندار کے ساتھ چار سو کے قریب خاندانوں کو لے کر روانہ ہوا اور سورمہ لی چوخور میں کچھ مدت رہا۔[1]

تاریخ خیر اللہ آفندی میں ارطغرل کے مغرب کی طرف کوچ کرنے کی تاریخ 628ھ بمطابق 1331ء مذکور ہے۔ یہ تاریخ تاتاریوں کے اناطولیہ پر حملے سے مطابقت رکھتی ہے۔[2] مؤرخ شکر اللہ نے ''بہجتہ التواریخ'' میں ارطغرل کے 340 افراد (یا خاندان) کے ساتھ اناطولیہ آنے کا ذکر کیا ہے۔[3]

سلطان علاؤالدین کیقباد اور ارطغرل غازی

ارطغرل اور قائی قبیلے کے اناطولیہ میں آباد ہونے کے متعلق ایک مشہور واقعہ درج کیا جاتا ہے، جس کو سب سے پہلے نشری نے بیان کیا۔ بعدازاں مؤرخ ادریس بتلیسی نے ادبی زبان اور بعض نے اس میں ارطغرل غازی اور سلطان علاؤالدین کیقباد بن کیکاوس [Kayqubad I] (دورِ حکومت: 1237ء - 1220ء) کے درمیان ہونے والی گفتگو کو مکالمہ کی صورت میں بیان کیا ہے۔[4]

---

[1] تاریخ عثمانی: جلد اوّل، پروفیسر اسماعیل حقی اوزون چارشی لی، ص 119

[2] تاریخ عثمانی: جلد اوّل، پروفیسر اسماعیل حقی اوزون چارشی لی، ص 120

[3] Osmanlı Tarihleri. Behcet-üt-Tevarih. şukrullah. Page 51

[4] ترکان عثمانی: جلد اوّل، ڈاکٹر محمد صابر، ص 57

یہ چار سو خیموں پر مشتمل قائی قبیلہ اناطولیہ کی طرف رواں دواں تھا۔ راہ میں سیواس [Sivas] کے قریب ایک پہاڑی کو عبور کرتے ہوئے ارطغرل نے دیکھا کہ دو لشکر آپس میں برسرِ پیکار ہیں اور شدید جنگ جاری ہے۔ قریب جانے پر معلوم ہوا کہ ایک گروہ دوسرے پر غالب آرہا ہے۔ ارطغرل نے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ ہمارے پاس تلواریں اور سپاہی موجود ہیں، اس صورتِ حال میں کیا کرنا بہتر ہوگا؟ بعض ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ ان میں سے کسی کے ساتھ نہ اُلجھیں، ہمیں آگے بڑھنا چاہیے۔ بعض ساتھیوں نے کہا کہ مغلوب کی مدد کرنے سے ہم خطرے میں پڑ سکتے ہیں، ہمیں طاقت ور کا ساتھ دینا چاہیے۔ لیکن ارطغرل نے کہا کہ ایسا کرنا مردانگی کی علامت نہیں ہے۔ اصل بہادری ظالم کے خلاف مظلوم کی مدد کرنے میں ہے۔

دراصل وہاں سلجوقی سلطان علاؤالدین کیقباد اور منگول حملہ آوروں کے مابین معرکہ جاری تھا۔ قریب تھا کہ منگول غالب آجاتے، لیکن اسی اثنا میں ارطغرل اور اس کے ساتھیوں کا تازہ دَم گروہ اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے ہوئے میدانِ جنگ میں داخل ہوگیا اور شاہینوں کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑا۔ ان کے آنے سے تاتاری ششدر رہ گئے اور سلجوقیوں کی جان میں جان آئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے جنگ کا نقشہ بدلنے لگا۔ منگول پسپا ہونے لگے اور میدانِ حرب میں ہزاروں لاشیں اور غنیمت چھوڑ کر فرار ہوگئے۔[1]

---

[1] Osmanlı Tarıhleri. Cam-i-Cem-Ayın. Bayatlı Mahmud oğlu Hasan, Page 394

بعض مؤرخین نے اس واقعے کو سلطان علاؤالدین اور جلال الدین خوارزم شاہ کے مابین اگست 1230ء میں ہونے والا یاسی چمن کا معرکہ [Battle of Yassi Chemen] قرار دیا ہے۔ اس میں سلجوقیوں کو فتح حاصل ہوئی تھی۔ لیکن اکثریت نے اس معرکے کو سلجوقیوں اور تاتاریوں کے درمیان 1231ء میں رونما ہونے والی جنگ کو ہی دُرست کہا ہے۔

سلجوقیوں کے لیے ارطغرل اور اس کے ساتھی غیبی مدد ثابت ہوئے۔ ارطغرل کو جنگ ختم ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ جس لشکر کی انھوں نے مدد کی تھی، وہ ان علاقوں کے حاکم اور سلاجقۂ رُوم کے سلطان علاؤالدین کیقباد کی فوج تھی اور مغلوب ہونے والے منگول تھے۔ جنگ سے فراغت کے بعد سلطان نے اس نووارد گروہ کے سردار کو اپنی قرارگاہ میں بلوایا اور ان کے وہاں آنے کا مقصد اور تعارف دریافت کیا۔ ارطغرل غازی نے اپنے اناطولیہ آنے کی رُوداد بیان کرتے ہوئے کہا کہ ہم قائی قبیلے سے ہیں اور نئی سرزمین کی تلاش میں ہیں۔ ہمارا مقصد جہاد فی سبیل اللہ ہے۔[1] سلطان ان کی شجاعت اور فنونِ جنگی سے بہت متاثر ہوا اور قراجہ داغ [Karaca Dağ] نامی علاقہ ان کو آباد ہونے کے لیے دے دیا۔[2]

اس واقعے کا ذکر سلطان بایزید یلدرم [Bayezid I Yildirim] اور امیر تیمور [Tamerlane] کے مابین جنگِ انقرہ سے قبل کیے جانے والی خط و کتابت میں صاف نظر آتا ہے۔ اس میں بایزید اپنے نسب پر فخر اور اناطولیہ و ارضِ روم پر

---

[1] Osmanlının Kökleri Ertuğrul Gazi. Tarkan Suçıkar. Page 111

[2] Selatin-Name. Kemal. Page 24

اپنے خاندانی حق و مالکیت کا اظہار کرتے ہوئے امیر تیمور کو یوں لکھتا ہے:

"خوب ذہن نشین کر لو کہ میرے والد ارطغرل خان نے تین سو غازیوں کے ساتھ ہلاکو خان کے دس ہزار تاتاری لشکر کو زیر کر کے علاؤالدین کیقباد پر غالب آنے والوں کو مغلوب کیا۔ اس کے بعد اُمورِ سلطنت سنبھالنے کا شرف حاصل ہوا۔ خلعت سے نوازے جانے کے بعد اللہ کے لطف و عنایت سے آلِ سلجوق کے بعد حکومت بھی نصیب ہوئی۔ لیکن یہ سلطنت پانے کے لیے وہ کبھی سلاطینِ سلجوقیہ کے خلاف بغاوت یا سرکشی کے مرتکب نہیں ہوئے۔"[1]

دیگر روایات میں آتا ہے کہ ارطغرل نے اپنے بیٹے صاوجی [Savji Bey] کو سلطان علاؤالدین کیقباد کے دربار میں قونیہ روانہ کیا، جہاں سلطان نے انھیں قراجہ داغ کا علاقہ بخشا۔[2]

معروف عثمانی مؤرخ اور سلطان سلیمان کے زمانے میں شیخ الاسلام کا منصب پانے والے ابنِ کمال نے ارطغرل کے قراجہ داغ میں آباد ہونے کے متعلق تواریخ آلِ عثمان میں بیان کیا ہے۔ مؤرخ نے اپنی کتاب میں چنگیز خان کے مظالم کی داستان بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ارطغرل، سلیمان شاہ کا بیٹا اور

---

[1] Osmanlının Kökleri Ertuğrul Gazi. Tarkan Suçıkar. Page 118

[2] ترکان عثمانی: جلد اول، ڈاکٹر محمد صابر، صفحہ 54-55

37211468

قایا آلپ کا پوتا ہے۔ قایا آلپ کے والد کا نام قنزل بوغا ہے۔ ابنِ کمال کے مطابق ارطغرل 1340 خیموں کے ساتھ کرامان آیا اور اس کے بعد قراجہ داغ میں آباد ہوا۔ ارطغرل غازی نے سلطان علاؤالدین سے ملاقات کی۔ سلطان جو کہ پہلے ہی اس کی شجاعت کا معترف اور شاہد تھا، اس نے ارطغرل کے خاندانی ہونے اور عالی نسب ہونے کا اندازہ لگا لیا۔ ان کے ترکمان ہونے کو پہچان کر ارطغرل سے اس کے آبائی وطن اور قبیلے کے متعلق دریافت کیا۔ ارطغرل نے سلطان اور ان کے ایک ہی نسب سے ہونے کے متعلق بیان کیا اور اپنی طرف سے اطاعت و فرماں برداری کی یقین دہانی کروائی۔ سلطان نے بعد میں اس کی قابلیت کو مدِنظر رکھتے ہوئے کئی اہم مہمات پر سپہ سالار بنا کر روانہ کیا اور کئی مرتبہ اپنے ساتھ مہمات پر بھی لے کر گیا۔[1]

1232ء میں سلطان علاؤالدین کیقباد نے امیر کمال الدین کامیار کو حالات کا نزدیک سے جائزہ لینے اور ضروری اقدامات کے لیے سیواس روانہ کیا۔ وہاں کامیار کو اطلاع ملی کہ گرجستان [Georgia] والوں نے بغاوت کا اعلان کر کے منگولوں کو آنے کی دعوت دی ہے۔ اس نے فوری طور پر سیواس، ارض روم اور ارزنجان میں موجود عسکری قوتوں کو تیاری کا حکم دے کر گرجستان کی مہم کا اعلان کیا۔ ارطغرل غازی بھی سلطان سے کیے گئے عہد کے مطابق اپنے سپاہیوں کے ساتھ امیر کمال الدین کامیار کے ساتھ ہوا۔ گرجستان میں شدید جنگیں ہوئیں اور فتح سلجوقیوں کے ہاتھ آئی۔ اس میں تیس کے قریب قلعے فتح ہوئے۔ گرجستان کی

[1] Selatin-Name. Kemal. Page 29-31

ملکہ نے صلح کی درخواست کی اور سلطان کی اطاعت کا اعلان کیا۔ کمال الدین کامیار نے برباد شدہ علاقوں میں دوبارہ نظم ونسق برقرار کیا اور قُرب و جُوار میں منتشر شدہ لوگوں کو دوبارہ آباد کیا۔ آئندہ شورش اور بیرونی حملوں سے محفوظ رہنے کے لیے سرحدوں اور قلعوں کو استحکام بخشا۔ ارطغرل غازی بھی اس مہم میں سرخرو ہوکر واپس لوٹے۔[1]

یازیجی زادہ علی معروف (جو عثمانی مؤرخین میں سے ہیں) نے تواریخ آلِ سلجوق میں ارطغرل اور سلطان علاءالدین کی بازنطینیوں کے خلاف مشترکہ مہمات اور سلطان کی معیت میں ارطغرل کے ہمراہ انقرہ سفر کرنے کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس زمانے سلطان علاء الدین کیقباد نے انقرہ کے قلعے، شرفلی حصار اور ایبک بازار میں بھی مساجد تعمیر کروائی۔

1231ء میں ازنیق [Iznik/Nicaea] کا عیسائی حکمران لسکاریس [Theodore I Laskaris] رومیلی میں آباد تاتاریوں کی مدد سے سلجوقی سلطنت پر حملے کی نیت سے اناطولیہ میں داخل ہوا اور سلجوقی سرحدوں کے قریب ینی شہر [Yenişehir] میں پڑاؤ ڈالا۔ سلطان علاؤالدین کیقباد نے اپنی تمام عسکری قوت کو جمع کر کے حرکت کی۔ فوج کے ایک حصے کی سپہ سالاری ارطغرل کے سپرد کی۔ ارطغرل غازی جنگ شروع ہونے پر اپنے ساتھیوں کے ساتھ دشمن کو چیرتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ ینی شہر کے قریب تین شب و روز تک جاری رہنے والی جنگ میں ارطغرل غازی غالب آیا اور عیسائی حکمران مشکل سے جان بچا کر پانی کے راستے

[1] Kayi Han Oğlu Ertuğrul. Dursun Saral. Page 14

فرار ہوا۔ ارطغرل نے اینا گول تک رُومی حدود ۔کے اندرونی حصوں میں داخل ہوکر اس کا تعاقب کیا۔ اس جنگ میں کثرت سے مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔[1]

سلطان نے مفتوحہ علاقے ارطغرل کے زیرِ حاکمیت قرار دیے اور اس کو اوچ بیگی (سرحدی حکمران) مقرر کیا۔ 1234ء میں ایوبیوں کے خلاف سلطانی مہم میں ایک لاکھ سے زائد کے سلجوقی لشکر میں ارطغرل نے بھی اپنے سپاہیوں کے ساتھ شامل ہوکر فتوحات میں اہم کردار ادا کیا۔

قراجہ حصار کی فتح

ارطغرل اور اس کے قبیلے کا روم کی سرحدوں پر آباد ہونا عیسائی تکفوروں اور حکمرانوں کے لیے بلائے جان ثابت ہوا۔ اُس دور میں رومی سرحدوں پر مقامی گورنر مقرر تھے جن کو تکفور کہا جاتا تھا۔ یہ اپنے علاقوں میں خودمختار حاکم ہوتے اور اکثر معاملات میں قسطنطنیہ کے بادشاہ کے تابع ہوتے۔ ان کی حاکمیت میں کئی شہر، بازار اور قلعے شامل تھے۔ سلجوقی سرحدوں کی دوسری طرف مشہور تکفور قراجہ حصار [Karajahisar]، بیلاجیک [Bilejik]، اینا گول [Inegol] وغیرہ کے تھے۔ یہ اپنے بلند و بالا قلعوں کی مضبوطی اور عسکری طاقت کی وجہ سے مشہور تھے۔

قائی قبیلے کے وہاں آباد ہونے سے جہاں مقامی عیسائی آبادی ارطغرل کے تابع ہوئی، وہیں سرحد کے پار تکفوروں نے مسلمانوں کے خلاف اتحاد کر کے اعلانیہ اور خفیہ حملوں کا آغاز کیا۔ ان میں قراجہ حصار اپنی اسلام دشمنی میں پیش

[1] تاریخ عثمانی جلد 1، اسماعیل حقی اوزون چارشی لی، صفحہ 122

پیش تھا۔ ارطغرل نے بھی جوابی وار کر کے انھیں زیر کیا جس سے حالات مزید کشیدہ ہوگئے۔

قونیہ جاکر ارطغرل نے سلطان کو حالات سے آگاہ کر کے قراجہ حصار کے خلاف لشکر کشی پر آمادہ کیا۔ سلطان نے عیسائی ہمسایوں کی شورشوں کا سن کر جنگ کی تیاری شروع کر دی اور ارطغرل کی جنگی مہارتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے سپہ سالاری اسے سونپی۔ سلجوقی لشکر نے سلطان علاؤالدین کی قیادت میں قراجہ حصار کا محاصرہ کر لیا۔ دورانِ محاصرہ ارطغرل کو قلعے کے جنوبی حصے کی طرف کا محاصرہ کرنے کی ذمہ داری دی گئی۔ یہ محاصرہ کئی روز تک جاری رہا۔ مسلمانوں کے پے در پے حملوں کے نتیجے میں تکفور رومیوں کے حوصلے پست ہوگئے اور انھوں نے صلح کی پیش کش کی۔ سلطان نے ان کی درخواست کو ردّ کرتے ہوئے محاصرہ مزید سخت کر دیا۔

اسی اثنا میں خبر پہنچی کہ مشرقی سرحدوں پر تاتاریوں نے عہدنامہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایرگلی [Eregli] نامی علاقے پر حملہ کر دیا ہے۔ سلطان نے ارطغرل کو اپنا نمایندہ مقرر کرتے ہوئے فوج کا ایک حصہ اس کی مدد کے لیے وہاں چھوڑا اور خود تاتاریوں کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوگیا۔ سنگ وخشت کا یہ قلعہ ارطغرل کے حملوں کی تاب نہ لا پایا اور زیر ہوگیا۔ اس شاندار فتح میں تکفور کو اسیر کرلیا گیا اور بے تحاشا مال غنیمت حاصل ہوا۔ دوسری طرف سلطان نے تاتاریوں کو سخت ترین شکست سے دوچار کیا۔ میدان جنگ میں اس قدر لاشیں پھیل گئیں کہ شمار کرنا دشوار تھا۔

دونوں طرف تاریخی فتح سلجوقیوں کو نصیب ہوئی۔ ارطغرل نے صرف قراجہ حصار پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ آگے بڑھ کر مزید علاقوں پر بھی تصرف پاکر سوغوت تک کا علاقہ سلجوقی حدود میں شامل کیا۔ بعدازاں مال غنیمت کا پانچواں حصہ اور فتح کی نوید لے کر قونیہ کی طرف روانہ ہوا، جہاں سلطان نے بے انتہا مسرت کا اظہار کیا اور اسے خلعت[1] پہنا کر سوغوت [Soghut] اور ڈومانیچ [Domanich] کے علاقے بھی اس کے نام کیے۔

اس کے قریب سلجوقی علاقے کاستامونو [Kastamonu] میں حسام الدین چوبان اوچ بیگ تھا۔ اس کے ساتھ بھی دوستانہ روابط قائم کیے۔ ارطغرل غازی نے قراجہ داغ واپس آنے کے بعد مشاورتی مجلس منعقد کی اور تمام اہل علاقہ نے باہمی اتفاقِ رائے سے نئے علاقوں کی طرف کُوچ کرنے کا فیصلہ کیا۔ انھوں نے سوغوت کو قشلاق (سردیوں میں سکونت کا مقام) اور ڈومانیچ کو ییلاق (گرمیوں میں رہنے کی جگہ) کے طور پر منتخب کیا۔

عثمانی مؤرخین میں شکر اللہ، ابن کمال، نشری اور کرامانی محمد پاشا نے قراجہ حصار کے ارطغرل غازی کے زمانے میں فتح ہونے کا ذکر کیا ہے۔ جبکہ اوروچ بیگ اور عاشق پاشازادہ نے اسے عثمان غازی کے ہاتھوں فتح ہونا لکھا ہے۔

نشری نے بیان کیا ہے کہ یہ قلعہ ابتدا میں ارطغرل کی طرف سے فتح ہوا

---

[1] وہ شاہی لباس جو بادشاہ کی طرف سے سپہ سالار کو تفویض کیا جاتا ہے۔ یہ تین اشیاء پر مشتمل ہوتا ہے: دستار، لباس اور کمر بند۔

لیکن سلجوقیوں کے تاتاریوں سے شکست کے بعد دوبارہ عیسائی اس پر قابض ہوگئے تھے۔ بعد میں ارطغرل کے بیٹے اور سلطنت عثمانیہ کے بانی عثمان نے اس کو دوبارہ فتح کیا۔ منجم باشی نے اس قلعے کے عثمان غازی کی طرف سے دوبارہ فتح کیے جانے کے بعد لکھا ہے کہ اس دور میں سلجوقی تخت پر غیاث الدین مسعود ثانی بن کیکاوس (دورِ حکومت: 1296ء - 1284ء) حاکم تھا۔

ترک قبائل ابتدا سے ہی سرحدی علاقوں میں رہنے کے عادی تھے۔ قدیم ترک بھی خراسان و ترکستان کے مابین ماوراء النہر اور خوارزم میں جیحون اور سیر دریا کے کنارے آباد تھے۔ قدیم ادوار میں ترک قوم شہر نشینی کی عادی نہیں تھی اور اس فعل کو ناپسند تصور کیا جاتا تھا۔ یہ جفاکش قبائل میدانی علاقوں اور سرحدی علاقوں میں رہنے کو زیادہ ترجیح دیتے تھے۔ ارطغرل نے بھی یہی روایت قائم کی اور اس کا یہی حُسنِ انتخاب سلطنت عثمانیہ کی تشکیل کا بنیادی سبب ثابت ہوا۔

ارطغرل سے قبل کسی بھی سردار نے مذکورہ علاقوں میں آباد ہونے کی خواہش ظاہر نہیں کی تھی اور نہ ہی وہاں مسکن اختیار کرنے کی جرأت رکھتے تھے۔ کیونکہ اس زمانے میں صلیبی حملہ آوروں کی گزرگاہ اور مشرقی رومی سلطنت (بازنطینی سلطنت) کی طرف سے لشکر اور شورشیوں کا ہدف یہی علاقے تھے۔

اس کے برعکس قائی قبیلے نے سوغوت میں جاکر سکھ کا سانس لیا۔ کیونکہ ایک تو وہاں کی سرزمین زرخیز اور سرسبز زمینوں و چراہ گاہوں پر مشتمل تھی۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ انھیں اس سرحد کے پار اپنا اصلی ہدف، قزل ایلما نظر آیا۔ ذوقِ جہاد اور شوقِ شہادت سے لبریز ترکوں کے لیے یہ اپنے مقاصد کے حصول کا بہترین

موقع تھا۔ اس سے قبل بہت عرصے سے اسلامی ریاستیں آپس کے اختلافات میں ہی مشغول تھیں۔ ہر مسلمان حکمران دوسرے کو زیر کرنے اور ایک دوسرے کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی تگ و دو میں تھا۔

1220ء میں چنگیز خان کے حملوں سے قبل اور بعد میں بھی یہ خانہ جنگی جاری تھی۔ اس کا سب سے زیادہ فائدہ غیروں کو ہوا۔ چنگیزی فتنہ اس وقت آن وارد ہوا جب خوارزم شاہ محمد سنجار بن تکش [Muhammad Sanjar ibn Tekish] سمرقند میں بیٹھ کر عباسی خلافت کے خاتمے کی تدبیر بنا رہا تھا۔ صلاح الدین ایوبی کے جانشین اور سلجوقی سلاطین اپنی تمام تر قوت ایک دوسرے سے لڑنے میں صَرف کر رہے تھے۔ طوائف الملوکی کا یہ عالم تھا کہ ہر علاقے میں مختلف خاندانوں نے اپنی اپنی ریاستیں بنا لیں تھیں اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔

عین اسی وقت تاتاریوں کی شکل میں عذابِ الٰہی نازل ہوا، جس نے نیک و بد سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ بزدل خوارزم شاہ نے اپنی رعایا اور سپاہ کو ان مشکل حالات میں چھوڑ کر فرار کا راستہ اختیار کیا اور گمنامی کے عالم میں 45 لاکھ مربع کلومیٹر کا واحد حکمران ایک جزیرے میں بیماری کے ہاتھوں مارا گیا۔

اس کے بعد اس کے جانشین جلال الدین مینگوبرنی [Jalal al-Din Mangubarni] (1199-1231ء) نے اپنی شجاعت و ذہانت کے بل پر کھوئے ہوئے مقام کو حاصل کرنے کی بہت کوششیں کیں اور اس مقصد کے لیے بکھری ہوئی سپاہ کو دوبارہ سے مجمع کر کے تیس سے چالیس ہزار کی سپاہ کے ساتھ لاکھوں

کے منگول لشکر سے ٹکر لی اور بہادری کے وہ جوہر دکھائے جو کہ رہتی دُنیا تک یادگار رہیں گے۔ یہاں تک کہ اس کا سب سے بڑا دشمن چنگیز خان بھی تعریف کرنے پر مجبور ہوا۔ موجودہ افغانستان کے پروان نامی صوبے میں تاتاریوں اور خوارزم شاہی سپاہ کے مابین جنگ [Battle of Parwan] ہوئی جس میں جلال الدین خوارزم شاہ فتح یاب ہوا۔ بعد میں کچھ سرداروں کے باہم تنازع کے باعث لشکر میں پھوٹ پڑ گئی اور جلال الدین اپنے چند ساتھیوں کو لے کر ہندوستان کی طرف آیا۔ خیبر پار کر کے دریائے سندھ کے قریب پہنچا۔ چنگیز خان اس کے تعاقب میں وہاں آن پہنچا۔ معرکہ کارزار ہوا، لیکن جلال الدین اس کے ہاتھ نہ آیا۔

جلال الدین نے دہلی کے بادشاہ شمس الدین اِلتتمش [Iltutmish] (دورِ حکومت: 1211ء - 1236ء) سے منگولوں کے مقابلے میں اتحاد قائم کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس نے غیر جانب داری کا اعلان کرتے ہوئے جلال الدین کو پناہ دینے سے بھی انکار کر دیا۔ جلال الدین ایران پہنچا، جہاں کچھ عرصہ مصروفِ پیکار رہنے کے بعد رُومی سلجوقی سلطان اور ایوبیوں سے مدد طلب کی۔ لیکن انھوں نے برخلاف اسی پر حملہ کر دیا اور 1230ء کی جنگِ یاسی چمن میں اس کے نیم جان لشکر کو بھی تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ اس کے اگلے ہی برس جلال الدین بھی 32 برس کی عمر میں وفات پا گیا۔

اگر دنیائے اسلام اور سلاطین، تاتاریوں کے خلاف متحد ہو جاتے تو کبھی بھی چنگیز خان یا اس کی اولاد اس قدر وسیع علاقے پر قابض نہ ہو پاتی اور لاکھوں بے گناہ انسان موت کے گھاٹ نہ اترتے۔ انھوں نے اپنے پڑوسی کی تباہی پر خوشی

منائی اور اسے اپنے استحکام اور مطلق العنانی کا ذریعہ سمجھا۔ لیکن انھیں خبر نہ تھی کہ یہ جو خون کا سیلاب جاری ہوا ہے، یہ ان کی شان و شوکت بھی اپنے ساتھ بہا کر لے جائے گا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سب اس کی زد میں آ گئے۔ لیکن ترکی ضرب المثل ''ترک کو عقل بعد میں آتی ہے'' کے مصداق تمام جاہ و جلال کے ملیامیٹ ہونے کے بعد وہ خوابِ غفلت سے بیدار ہوئے۔

اس منگول فتنے کے ہاتھوں ہجرت کرنے والے قائی قبیلے نے کبھی غلامی قبول نہ کی اور اپنا مقابلہ جاری رکھا۔ اس کے سبب خداوند لایزال کی لطف و عنایت دوبارہ ترکوں پر ہوئی اور 400 لوگوں کے ساتھ لڑائی کا آغاز کرنے والے ارطغرل کے بیٹے عثمان غازی نے لاکھوں اہل ایمان کے ساتھ ایسی سلطنت کی بنیاد رکھی جس نے نہ صرف زمین بلکہ دلوں پر حکمرانی کی اور تاریخ عالم کی عظیم سلطنت ثابت ہوئی۔

سلجوقی سلطان بھی قائی قبیلے کی آمد کے بعد اپنی مغربی سرحدوں کی طرف سے مطمئن ہو گئے تھے۔ سلطنت کا وفادار قائی قبیلہ بازنطینیوں کے خلاف سیسہ پلائی دیوار ثابت ہوا۔

سلطان علاؤالدین کیقباد کی وفات

سلاجقہ روم اور ایوبی حکمرانوں کے درمیان اختلافات اور آپس کی جنگوں سے دشمن فائدہ اٹھا رہے تھے۔ عباسی خلیفہ نے دونوں بادشاہوں سے آپس میں صلح کرنے کی درخواست کی اور خلیفہ کی کوششوں سے دونوں رضا مند ہو گئے۔

سلطان علاؤالدین کیقباد کی وفات سے چند ماہ قبل منگول حکمران اوکتائی خان [Ogedei Khan] نے شمس الدین عمر قزوینی کو اس کے پاس سفیر بنا کر روانہ کیا اور منگولوں کے تابع ہونے کا پیغام دیا، جسے سلطان نے سختی سے رد کر دیا۔

1237ء میں ایوبیوں کے ساتھ صلح منعقد ہونے سے قبل عید کی رسوم کے دوران ایک ضیافت میں زہریلا گوشت کھانے کے سبب سلطان علاؤالدین ہلاک ہو گیا۔ اس کی عمر 49 برس تھی۔

سلطان علاؤالدین کیقباد کا دورِ حکومت سلاجقہ روم کی تاریخ کا آخری زریں زمانہ کہا جاتا ہے، جس نے فہم و فراست سے اپنے سترہ سال دورِ حکومت میں سلطنت کو ہر قسم کے خطرات سے محفوظ رکھا۔ جہاں چنگیزی فتنے کے سبب کئی بڑی سلطنتوں کا نام و نشان مٹ چکا تھا، وہیں سلطان علاؤالدین نے نہ صرف لاکھوں مہاجرین کو پناہ دی بلکہ ساتھ ہی ان کا مثبت استعمال کر کے سلطنت کے استحکام کے لیے استعمال کیا لیکن اس کے بعد آنے والے جانشینوں میں یہ لیاقت نہ تھی اور ان کے ناقص فیصلوں کے سبب سلاجقہ روم کی سلطنت زوال کا شکار ہوئی۔

سلطان علاؤالدین نے 30 مئی 1237ء کو انتقال کیا اور قونیہ میں دفن ہوا۔ بعض تواریخ میں مذکور ہے کہ کیقباد کے قتل میں اس کے اپنے بڑے بیٹے غیاث الدین کیخسرو [Kaykhusraw II] کا ہاتھ تھا، کیونکہ اس نے اپنے چھوٹے بیٹے عزالدین قلیچ ارسلان کو ولی عہد نامزد کیا تھا۔[1]

مرحوم سلطان نے اپنے سترہ سالہ دورِ حکومت میں عوام کی فلاح و بہبود

---

[1] تاریخ آل سلجوق در اناطولی، صفحہ 91

کے لیے کئی تاریخی اقدامات انجام دیے: فوجی قوت میں اضافہ کیا، امن و امان برقرار رکھا، تجارتی قافلوں کے لیے ملک کے مختلف حصوں پر کارواں سرائے تعمیر کروائے، تجارتی راستوں کے حفاظتی اقدامات میں بہتری لائی، کئی یادگار مساجد و مدارس تعمیر کروائے۔

مؤرخ ابن بی بی لکھتا ہے کہ اس کا دورِ سلطنت، سلاجقہ روم کا درخشاں ترین زمانہ تھا۔ وہ ایک لائق، ہنرمند اور دانش مند بادشاہ تھا۔ تخت نشینی سے قبل اپنے بھائی سلطان عزالدین کیکاوس [Kaykaus I] (دورِ حکومت: 1219ء - 1211ء) کے خلاف قلعہ منشار کے زندان میں سات سال رہنے کے دوران نقاشی، نجاری اور تیر و کمان سازی میں مہارت حاصل کی۔ اس کے زمانے میں قونیہ کی آبادی میں اضافہ ہوا۔ تجارت میں رونق بڑھی اور سیواس شہر مشرق کے اہم تجارتی مراکز میں سے ایک ہوگیا۔ علاؤالدین دلیر سردار تھا۔ سلطنت کے پہلے سال ارمنوں سے کالونوروس [Kalonoros] شہر فتح کیا اور اس کا نام علائیہ رکھا۔[1] (اب علانیہ [Alanya] کہلاتا ہے۔)

سلطان علاؤالدین کی حکومت میں مدارس کی زبان عربی تھی۔ دفاتر اور حکومت کی زبان فارسی، جبکہ درباری اور عسکری زبان ترکی تھی۔ مدارس میں تعلیم مفت تھی اور وہاں حدیث، کلام، تفسیر، فقہ، تصوف کے ساتھ ساتھ ریاضی، علم فلکیات، فلسفہ اور طبابت کی تعلیم بھی دی جاتی۔[2]

[1] اخبار سلاجقہ روم، جواد مشکور، صفحہ 85

[2] Türkiye Selçuklu Devleti. Ercan Çetin Kaya. Page 44-46

سلطان علاؤالدین کیقباد صحیح معنوں میں ایک بہترین رہبر ثابت ہوا تھا۔ اس کا زمانہ سلاجقہ روم میں عروج کا دور کہا جاتا ہے۔ اسی سبب سے عوام میں اس کو ''اولوغ کیقباد'' یعنی عظیم کیقباد کے نام سے بھی یاد کیا جاتا تھا۔[1]

غیاث الدین کیخسرو کی تخت نشینی

سلطان علاؤالدین کی وفات کے بعد حالات بد سے بدتر ہوتے گئے۔ سلطان کے تین بیٹے تھے جو ابھی کمسن اور ابتدائی تعلیمات میں مشغول تھے۔ ان میں سب سے بڑا بیٹا غیاث الدین کیخسرو تھا جو کہ ملکہ ماہ پری کے بطن سے تھا۔ ملکہ ماہ پری بازنطینی حکمران کی بیٹی تھی اور بعد میں عیسائیت چھوڑ کر مسلمان ہوئی تھی۔ دیگر دو بیٹے عزالدین قلیچ ارسلان اور رکن الدین نامی تھے۔ یہ عمر میں غیاث الدین سے چھوٹے تھے۔ ان کی والدہ غازیہ خاتون ایوبی شہزادی تھی اور حلب کے ایوبی امیر العزیز کی بیٹی تھی۔[2]

علاؤالدین کیقباد نے مرنے سے پہلے اپنی زندگی میں ایوبی ملکہ سے ہونے والے بیٹے عزالدین قلیچ ارسلان کو ولی عہد مقرر کیا تھا۔ اسے بڑے بیٹے کی بہ نسبت عزالدین میں سلطنت اور فرمانروائی کے گُن نظر آئے۔ ابھی سلطان علاؤالدین کیقباد کی قیصریہ [Kayseri] کے علائیہ محل میں وفات پانے کے بعد تدفین بھی نہ ہوئی تھی کہ سلطنت کے بعض امرا نے سلطان کی وصیت کے برخلاف

[1] Selçuklular ve Türk Islam Medeniyeti. Prof. Osman Turan. Page 228

[2] Selçuklular Zamanında Türkiye. Page 409

37211468-3

غیاث الدین کیخسرو ثانی [Kaykhusraw II] کو تخت پر بٹھا کر بیعت کر لی۔ ان میں امیر سعد الدین کوپیک پیش پیش تھا۔ دیگر امرا میں شمس الدین التون آبا، تاج الدین پروانہ، جمال الدین فرخ لالہ اور ظاہر الدولہ شامل تھے۔ انھوں نے فوری طور پر غیاث الدین کی بیعت کر کے رسمِ تاج پوشی منعقد کی اور اپنی اطاعت و وفاداری کی یقین دہانی کروائی۔[1]

اس موقع پر نئے سلطان نے تمام قیدیوں کو رہا کرنے کا فرمان جاری کیا۔ سلطان علاؤالدین کیقباد کے وفادار اراکین حکومت میں سے خوارزمی سپاہ کے امیر قائیر خان، امیر حسام الدین کایمری اور امیر کمال الدین کامیار اس موقع پر شہر سے دور تھے۔ انھوں نے امرا کی طرف سے مرحوم سلطان غیاث الدین کی وصیت کی خلاف ورزی کے متعلق سنا تو سخت خشمگیں و رنجیدہ ہوئے۔ امیر حسام الدین نے دیگر دونوں امرا سے کہا کہ ملک عز الدین کیقبادیہ شہر میں ہیں۔ سلطان سے کیے ہوئے عہد کے مطابق ہمیں اسے تخت پر بٹھانا چاہیے۔ لوگ ہماری بات کی لاج رکھیں گے اور اطاعت کے دائرے میں ضرور آئیں گے۔ اگر اطاعت نہ کی تو باغیوں کے جواب میں تلوار بولے گی اور غیاث الدین کے حامی امرا نے مخالفت دکھائی تو ان کو گرفتار کر کے زندان میں ڈالا جائے۔

قائیر خان نے ملک الامرا کی باتوں کی تائید کی لیکن دُور اندیشی اور احتیاط کا دامن نہ چھوڑتے ہوئے کمال الدین کامیار نے بہانہ تراشی شروع کر دی۔ اسی اثنا میں شہر سے خبر آئی کہ سلطان تخت نشین ہو چکے ہیں۔ اگر دیگر امرائے

[1] Selçuklular Zamanında Türkiye. Page 409

سلطنت نے جلد ہی بادشاہ کے حضور میں آ کر بیعت نہ کی تو ان کا انجام بُرا ہوگا۔

بالآخر مشہد کے میدان میں نمازِ عصر کے بعد دورانِ تلاوت، امیر کمال الدین کامیار اس نتیجے پر پہنچا کہ شاید اسی میں اللہ کی مرضی پوشیدہ ہے۔ تینوں امرا نے نئے سلطان کے دربار میں جا کر دست بوسی کی۔ تاج الدین پروانہ کے شک کرنے اور طعنہ دینے پر ان تینوں نے قرآن پر حلف اٹھا کر وفاداری کا عہد کیا۔[1]

امیر سعد الدین کوپیک

امیر سعد الدین کوپیک [Sa'd al-Din Köpek] کی ابتدائی زندگی اور سلجوقی دربار میں داخل ہونے کے متعلق تواریخ میں زیادہ نہیں لکھا گیا۔ قونیہ کے قریب اس کی تعمیر کردہ زازادین حان [Zazadin Han] کارواں سرائے میں اس کا نام کوپیک بن محمد درج ہے۔ اس کا لقب سعد الدین تھا اور ابونقاش کے نام سے بھی مشہور تھا۔ اس کی والدہ شہناز خاتون، قونیہ کے ایک رئیس کی بیٹی تھی اور اس کا والد بھی وہاں کے مشہور اشراف میں سے تھا۔

'کوپیک' ترکی زبان میں کتے کو کہتے ہیں۔ اگرچہ یہ لفظ حقارت آمیز نظر آتا ہے لیکن یہ وفاداری کی بھی علامت ہے اور قدیم ادوار میں یہ نام کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ ارتوقیہ امارت کے امرا میں سے ایک کا نام کوپیک ہونے کا بھی ذکر آتا ہے۔

تاریخ میں پہلی مرتبہ سعد الدین کوپیک کا نام 1226ء میں سلطان

[1] El Evamir-ul-Alaiye fil Umari-l Alaiye II. Ibn Bibi. Page 21-23

علاؤالدین کیقباد کی طرف سے ایوبیوں کے خلاف مہم میں سلجوقی سپاہ کے ایک حصے کے سپہ سالار کے طور پر نظر آتا ہے۔ منگوجیک کے حاکم داؤد شاہ کے سلطان علاؤالدین کے حضور میں پیش ہوکر اطاعت کرنے پر سلطان کی جانب سے جاری کیے جانے والے عہد نامے کو تحریر کرنے والا بھی سعد الدین کوپیک تھا۔

اس کے علاوہ سعد الدین کوپیک، سلطان علاؤالدین کیقباد کے زمانے میں امیرِ شکار اور معمار باشی (وزیر تعمیرات) کے عہدوں پر بھی فائز رہا۔ اس لیے اسے ابونقاش بھی کہا گیا ہے۔ سلطان علاؤالدین کیقباد کے زمانے میں تعمیر ہونے والی کئی مشہور عمارات اور کارواں سرائے اس کی زیر نگرانی تعمیر ہوئے۔ ان میں جھیل بےشہر [Beyshehir] کے کنارے قائم قبادآباد [Kubad Abad] محل اور زازادین کارواں سرائے شامل ہیں۔ اپنے ہنر اور مہارتوں کے سبب تیزی سے سلطان کے دربار میں صاحب رسوخ ہوگیا۔

1226ء سے 1237ء میں سلطان کی وفات تک ایک بہترین معمار اور درباری امیر کی حیثیت سے پہچانا گیا اور کسی قسم کی منفی سرگرمیوں میں شامل ہونے کا ذکر نہیں ملتا۔ سعدالدین کوپیک نے اپنا اصلی رنگ سلطان کی وفات کے بعد دکھانا شروع کیا۔ بعض روایات کے مطابق سلطان علاؤ الدین کے قتل میں سعد الدین کوپیک کا ہاتھ ہونا بھی درج ہے۔ لیکن اس بارے میں حتمی طور پر کچھ کہا نہیں جاسکتا۔

یہ شبہ تب زور پکڑتا ہے جب امیر سعد الدین، سلطان علاؤالدین کی وصیت کے برخلاف دیگر امرا کے ساتھ مل کر اس کے بڑے بیٹے کو تخت نشین کرتا

سے کہا کہ اس کو پیک کو سلطنت کے معاملات سے دُور کرنا پڑے گا، ورنہ یہ ہم سب ایسے حالات وارد کرسکتا ہے جس کا کوئی علاج نہ کر پائے گا۔

سعد الدین کوپیک کے جاسوسوں نے اس کو التون آبا کی گفتگو سے آگاہ کیا۔ امیر سعد الدین نے اسے بھی راستے سے ہٹانے کے لیے جھوٹی تہمت اور بہتان باندھ کر سلطان کے کان بھرے اور اس مقصد کے لیے تاج الدین پروانہ کو بھی اپنا ہمراز بنا لیا۔ التون آبا کو بھی قتل کر دیا گیا۔[1]

التون آبا سلطنت کے قابل اور وفادار ترین امرا میں سے تھا۔ یہ قلیچ ارسلان ثالث [Kilij Arslan III] (دورِ حکومت: 1204ء - 1203ء) کے زمانے سے دربار سے وابستہ تھا اور سلطنت کے لیے اس نے بہت خدمات سرانجام دی تھیں۔

اب تمام امور سلطنت سعد الدین کوپیک کے اختیار میں آ گئے تھے اور نوجوان و نافہم سلطان کو اس نے اپنی چالوں سے بہکا دیا تھا۔ ایک ایک کر کے تمام تجربہ کار اور صاحب اختیار وزرا کو قتل کرتا جا رہا تھا۔ اس کے خوف سے کسی میں زبان کھولنے کی جرات نہیں تھی۔ کوپیک نے التون آبا سے چھٹکارا پانے کے بعد اس راز سے واقف تاج الدین پروانہ کو بھی راستے سے ہٹانا چاہا۔ تاج الدین وقت کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے قونیہ سے فرار کر کے انقرہ چلا گیا۔

تاج الدین پروانہ کے انقرہ جانے کے بعد امیر شمس الدین اصفہانی نے نائب السلطنت کمال الدین کامیار سے کوپیک کے بڑھتے مظالم کے متعلق مشورہ کیا اور سلطان غیاث الدین کیخسرو کو اس کی حقیقت سے آگاہ کرنے کے متعلق کہا۔

[1] Selçukname II, Ibn Bibi. Page 25

لیکن کامیار نے زیادہ دلچسپی نہ دکھائی اور خاموشی اختیار کر لی۔

1238ء کے اوائل میں سعد الدین کوپیک نے اصل ولی عہد قلیچ ارسلان کی والدہ ملکہ عادلہ غازلہ کو بھی انقرہ بھیج کر اس کا گلا گھونٹ کر قتل کروا دیا۔ قدیم ترک روایات کے مطابق اوغوز خاندان کو مقدس اور برتر تصور کیا جاتا تھا۔ اس لیے ان کا خون بہانا ممنوع تھا اور کمان کی تار سے گلا گھونٹ کر قتل کیا جاتا تھا۔ سلطان طغرل بیگ کے خلاف بغاوت کرنے والے ابراہیم اینال کے بھی اسی طریقے سے مارے جانے کے متعلق معلومات ملتی ہیں۔[1]

دیگر شہزادوں کو بھی قلعے میں نظر بند کر دیا گیا اور وہ کافی مدت تک وہاں مقید رہے۔ بعدازاں سلطان غیاث الدین کیخسرو نے ان کے پاس ارمغان شاہ کو اتالیق مقرر کر کے روانہ کیا اور شہزادوں کے قتل کا حکم دیا۔ ارمغان شاہ نیک طینت اور پاک نفس شخص تھا۔ اس نے قلیچ ارسلان اور رکن الدین کے قتل سے گریز کیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے شہزادوں کے بجائے ان سے مشابہ دو غلاموں کو قتل کروا کر سلطان کا اعتماد حاصل کیا لیکن بعض مؤرخین ان کے قتل کیے جانے کی روایت کرتے ہیں۔ تاریخ عثمانی میں مذکور ہے کہ سلطان غیاث الدین کا بیٹا ہونے کے بعد اس نے اپنے بھائیوں قلیچ ارسلان اور رکن الدین کے قتل کا فرمان جاری کیا جو کہ اپنی والدہ ملکہ عادلہ کے ساتھ قتل کیے گئے۔[2]

تاج الدین پروانہ جو کہ انقرہ میں مقیم تھا، اس پر بھی کوپیک نے ایک

[1] Selçuklular Zamanında Türkiye. Page 409

[2] Selçuklular Zamanında Türkiye. Page 409

ادارہ
شیر شاہ سوری
سقراط
الکریم مارکیٹ
فون:37211468-37314169

رقاصہ کے ساتھ زنا کا الزام لگایا اور اس کے خلاف فتویٰ حاصل کر کے ظالمانہ طریقے سے سنگسار کر کے قتل کروایا۔ امیر جلال الدین قراتائے نے حالات کو ناموافق دیکھ کر گوشہ نشینی اختیار کر لی اور خود کو دربار سے الگ کر لیا۔

14 جولائی 1238ء میں امیر سعد الدین کوپیک نے فوج اور ہمسایہ ریاستوں پر بھی اپنا اثر قائم کرنے کے لیے سامسات [Samsat] قلعے کا محاصرہ کر کے بازنطینیوں کو شکست دی اور کئی بازنطینی علاقوں پر تصرف حاصل کر لیا۔

بعدازاں سلجوقی امیر حسام الدین کایمری کے خلاف بھی فساد کا الزام لگا کر سلطان سے اس کے قتل کا فرمان جاری کروایا۔ اب اس نے تمام درجہ اول کے ارکانِ سلطنت سے چھٹکارا پا لیا تھا۔ اس کی نظر سلجوقی تخت پر تھی اور غیاث الدین کیخسرو کو برطرف کر کے سلطان بننے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ لیکن تخت پر تصرف پانے کے لیے سلجوقی خاندان سے ہونا ضروری تھا۔

کوپیک نے اس مقصد کے لیے اپنی ماں تک کو نہ بخشا اور یہ دعویٰ کیا کہ میری والدہ شہناز خاتون قونیہ کے ایک تاجر کی بیٹی تھی، جس پر مرحوم سلطان غیاث الدین کیخسرو اوّل (دورِ حکومت: 1211ء-1192ء) کا دل آ گیا تھا اور وہ اس کی زلفوں کا اسیر ہو گیا تھا۔ سلطان کے شہناز خاتون سے ناجائز تعلقات تھے اور جب اس کی شادی ہوئی تو وہ دو ماہ کی حاملہ تھی اور اس کے سات ماہ بعد میری پیدائش ہوئی تھی۔ لیکن یہ راز صرف شہناز خاتون اور اس کی والدہ جانتی تھی۔ اس کے علاوہ لوگوں میں غیاث الدین کیخسرو ثانی کے خلاف بدگمانی پیدا کرنے کے لیے یہ

[1] Tarihın Kara Yazısı-Moğollar. M. Ali Can. Page 108

مشہور کروایا کہ سلطان غیاث الدین سلجوقیہ سلطنت کے پرچم کو تبدیل کرنا چاہتا ہے۔ نیز تاتاریوں کے ساتھ مل کر عباسی خلافت کا خاتمہ کرنے والا ہے۔

جب سلجوقی سلطان کو اس کے منصوبوں کا علم ہو گیا تو اس نے اپنے ایک معتمد غلام کے ذریعے سیواس کے سپہ سالار حسام الدین قراجہ کو پیغام بھیجا اور قونیہ آنے کا حکم دیا۔ حسام الدین قراجہ قونیہ آنے کے بعد سیدھا امیر سعد الدین کوپیک کے ہاں مہمان ہوا، تاکہ اسے شک نہ ہو۔ سعد الدین نے اس سے پوچھا: ''تم بادشاہ سے ملنے آئے ہو یا مجھ سے؟''

قراجہ نے جواب دیا: ''میں آپ کی اجازت کے بغیر سلطان کے حضور میں کیسے پیش ہو سکتا ہوں۔ اگر آپ بہتر سمجھیں تو سلطان کے حضور میں حاضر ہو کر تعظیم پیش کرنا چاہتا ہوں۔''

چند روز بعد جب سعد الدین کوپیک کو اس کی طرف سے کوئی شبہ نہ رہا تو ایک روز صبح سویرے حسبِ معمول سلطان کے محل میں جاتے وقت اسے بھی ساتھ لے گیا۔ پہلے خود حاضر ہو کر سیواس کے سپہ سالار کو حاضر کرنے کی اجازت طلب کی۔ غیاث الدین کے اجازت دینے پر حسام الدین قراجہ اندر داخل ہوا اور دست بوسی کی۔ بعدازاں سلطان نے تنہائی میں اس سے گفتگو کی اور تمام روداد سے آگاہ کیا۔

کوپیک نے قراجہ کے اعزاز میں ایک شاندار ضیافت کا اہتمام کیا اور اس پر مکمل اعتماد کرنے لگا۔ قراجہ بھی روزانہ دربار میں موجود ہوتا اور خفیہ طور پر سلطان کے ساتھ مل کر اس فتنے کا سدباب کرنے کی تدبیر بناتا۔ ایک روز ظہر کے

37211468

طعام کے وقت انھوں نے امیر سعدالدین کوپیک کے قتل کا منصوبہ ترتیب دیا۔ اس روز محل اور دروازوں کی حفاظت پر بھی اپنے معتمد سپاہیوں کو مقرر کیا گیا۔

جب سعد الدین کوپیک داخل ہوکر طعام کی غرض سے دستر خوان کی جانب بڑھا تو حسام الدین قراجہ ظاہراً تعظیم کے لیے کھڑا ہوکر اس کے پیچھے ہوگیا۔ سعد الدین کوپیک کے بیٹھتے ہی قراجہ نے خنجر نکال کر اس کی پیٹھ پر وار کیا۔ لیکن یہ خالی گیا اور سعد الدین زخمی حالت میں دروازے کی طرف بھاگا۔ لیکن پرچم دار توغان نے اس کا تعاقب کرتے ہوئے تلوار کے وار سے اسے قتل کر دیا اور اس کے شر سے سلطنت نے چھٹکارا پایا۔ سعد الدین کوپیک کی لاش کو عبرتِ عالم کے لیے قلعے کی دیواروں کے ساتھ ایک پنجرے میں ڈال کر لٹکایا گیا جہاں وہ کئی روز تک معلق رہا۔ لاش بوسیدہ ہونے پر اتار کر اس کی تدفین کی گئی۔

لیکن اب بہت دیر ہوچکی تھی۔ یہ عظیم سلطنت اپنے زوال کی طرف بڑھ چکی تھی جس کا اصل سبب غیاث الدین کیخسرو کی نافہمی اور سعد الدین کوپیک کی غلط کاریاں تھیں۔[1]

سعد الدین کوپیک سے نجات پانے کے بعد سلطنت کے مختلف حصوں میں منتشر شدہ وفادار امرا اور وزرا کو دوبارہ جمع کیا گیا۔ مہذب الدین علی کو وزارت کے عہدے پر فائز کیا گیا۔ شمس الدین اصفہانی نائب السلطنت مقرر ہوا، جبکہ جلال الدین قاراتائے کو خزینۂ خاص کا مامور، یعنی وزیر خزانہ بنا دیا گیا[2]

[1] Selçukname II, Ibn Bibi. Page 35-36

[2] Arif Lerin Menkibeleri I. Ahmed Eflaki. Page 43

تواریخ میں ارطغرل غازی اور سعد الدین کوپیک کے رُوبرو ہونے یا باہم رابطہ ہونے کے متعلق کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔ سلطان غیاث الدین کیخسرو کے تخت نشین ہونے کے کچھ عرصے بعد ارطغرل نے مکتوب بھیج کر اپنی طرف سے اطاعت کی یقین دہانی کی تھی۔ اس تمام عرصے میں وہ سوغوت ہی میں مقیم رہا۔

سوغوت اور ڈومانیچ کے درمیان گزرگاہ پر ارمن بازار نامی ایک تجارتی بازار تھا جو کہ بازنطینی حدود کا حصہ تھا۔ یہاں کے عیسائیوں کی طرف سے کسی خطرے سے محفوظ رہنے کے لیے ارطغرل غازی نے 1238ء میں اس علاقے کو فتح کیا اور اس ظفر کی نوید سلطان غیاث الدین کیخسرو کو ارسال کی۔ سلطان نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اوچ بیگی ارطغرل کو تحفے اور ہدایا روانہ کیے اور مشرق کی طرف اپنے سفر کی اطلاع دیتے ہوئے بازنطینی حدود میں دشمن سے باخبر اور چوکنا رہنے کی تاکید کی۔[1]

بابائی بغاوت کا سدباب اور ارطغرل کی خدمات

ابھی سلجوقی سلطنت نے سعد الدین کوپیک کے فتنوں سے خلاصی پائی ہی تھی کہ 1239ء کے اواخر میں بابائیوں کی شورش [Babai revolt] نے سر اٹھایا۔ اسے ترکی تواریخ میں ''بابائی عصیان'' کہا جاتا ہے۔

اس بغاوت کا آغاز بابا الیاس خراسانی نامی ایک پیر سے ہوا جو اوغوز

[1] Kayi Han Oğlu Ertuğrul. Dursun Saral. Page 20

37211468-

ترکمانوں سے تعلق رکھتے تھے اور تاتاریوں کے حملوں کے سبب اناطولیہ میں آباد ہوئے تھے۔ بابا الیاس اماسیہ [Amasya] شہر میں اپنے زہد و تقویٰ کی وجہ سے مشہور تھے۔ ان کے مریدوں اور عقیدت مندوں کی تعداد ہزاروں میں تھی۔ کچھ عرصہ یہ قیصریہ کے قاضی کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔

سلطنت کے اہم وزیروں کے قتل اور مملکت بدحالی کا شکار ہونے کے بعد بابا الیاس نے سلطان کے خلاف بغاوت کا اعلان کیا۔ انھوں نے غیاث الدین کیخسرو کے گمراہ ہونے اور شراب نوشی میں مبتلا ہونے کی وجہ سے فرمانروائی کا حق نہ ہونے کا نظریہ عام کیا۔

اوائل میں انھوں نے اپنی سرگرمیوں کا مخفیانہ آغاز کیا اور مملکت کے مختلف حصوں میں اپنے پیروکار جمع کر لیے۔ یہاں تک کہ ان کے مریدوں نے مال مویشی فروخت کر کے ہتھیار خرید لیے اور بغاوت کا اعلان کیا۔ لیکن بابا الیاس مقامی سلجوقی دستے کے ہاتھوں مارا گیا۔

ملاتیہ [Malatya] کی طرف سے بابا الیاس کے حامیوں نے بابا اسحاق کی سرکردگی میں شورش کا آغاز کر دیا۔ ملاتیہ کے سپہ سالار مظفر الدین علی شیر کی سپاہ سے ان کا سامنا ہوا جس میں مظفر الدین علی شیر کو شکست ہوئی۔

سلجوقی فوج کو زیر کرنے کے بعد باغیوں نے آگے بڑھ کر البستان [Elbistan] پر قبضہ کر لیا۔

اس کے بعد بابا اسحاق نے ساتھیوں کے ساتھ مل کر اماسیہ کے قلعے پر بھی حملہ کر دیا۔ کئی ہفتوں تک سخت قتل و غارت گری کے بعد بابائیوں نے شکست

کھائی۔ اماسیہ کے سپہ سالار مبارزالدین ارمغان شاہ نے بابا اسحاق کو گرفتار کر کے قلعے کے ایک برج پر اس کی لاش آویزاں کر دی۔

بابا اسحاق کے مرنے کے بعد باغیوں کی تعداد مزید بڑھ گئی اور شورش میں تیزی آ گئی۔ باغیوں نے ارمغان شاہ کو بھی قتل کر دیا اور آگے بڑھ کر توقات [Tokat] اور سیواس [Sivas] پر قبضہ کر لیا۔

سلطان غیاث الدین کیخسرو نے بابائیوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھتے ہوئے ان کی طرف ایلچی بھیج کر پیغام دیا کہ اگر وہ اپنی پیش قدمی سے باز آ جائیں تو قیصریہ ان کی حاکمیت میں دے دیا جائے گا۔ لیکن بابائیوں نے سلطان کی پیش کش کو ردّ کر کے ایلچی کو واپس روانہ کر دیا اور دارالحکومت قونیہ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ سلطان غیاث الدین کیخسرو یہ خبر پا کر قونیہ سے باہر قباد آباد محل میں پناہ گزین ہو گیا۔

اس کے بعد قونیہ اور ارض روم سے سلجوقی سپاہ سیواس کی طرف بڑھی۔ ان کی قیادت پر امیر جاندار نجم الدین، بہرام شاہ اور گورجی ظاہر الدین شیر کو مقرر کیا گیا۔

دوسری طرف حلب اور گرد و نواح میں منتشر شدہ خوارزمی ترکوں نے بھی بابائیوں کے گروہ میں شامل ہو کر ان کی عسکری قوت میں مزید اضافہ کیا۔ یہ دیکھ کر سلجوقی سپاہ نے مزید مدد کے لیے قونیہ کی طرف پیغام بھیجا۔

مؤرخ جنابی کے مطابق سلطان غیاث الدین کیخسرو نے ارطغرل سے بھی ان کے خلاف مدد طلب کی۔ سلجوقیوں کی مدد کے لیے بازنطینی حکمران نے بھی

فوجی دستے روانہ کیے تھے۔ 1240ء کے اواخر میں قیرشہر [Kirshehir] کے مشرق میں واقع مالیہ نامی علاقے میں سلجوقی لشکر سے بابائیوں کا سامنا ہوا۔ جنگ کے نتیجے میں بابائی مغلوب ہوئے اور تمام باغیوں کو تہ تیغ کیا گیا۔[1]

اس شورش کے سدباب میں ارطغرل کے بھی شامل ہونے کے متعلق مؤرخ نامق کمال [Namik Kemal] نے عثمانلی تاریخ [Osmanli Tarihi] میں یوں بیان کیا ہے:

"سلطان علاؤالدین کیقباد کے 1237ء میں وفات پانے کے بعد اس کے جانشین غیاث الدین کیخسرو ثانی کے زمانے میں اماسیہ کی طرف سے بابا اسحاق نامی ایک مذہبی طریقت کا بانی سامنے آیا۔ اس نے اپنی خانقاہ میں کثیر تعداد میں مرید جمع کر لیے۔ ایک روایت کے مطابق اس نے خود کو دُنیا کی اصلاح کے لیے مامور بتایا اور پیغمبر ہونے کا دعویٰ بھی کیا۔ اماسیہ اور توقات کے علاقوں پر قبضے کرنا سلطنت کے لیے خطرہ ثابت ہونے لگا۔ ارطغرل نے سلطان غیاث الدین کیخسرو سے باغیوں کی گرفتاری کے لیے روانہ شدہ مبارز الدین ارمغان شاہ کی مدد کے لیے فرمان مانگا اور اس گروہ کا خاتمہ ارطغرل غازی کے زیر سایہ ممکن ہوا۔"[2]

---

[1] TDV Islam Ansiklopedisi: Cilt 4

[2] Osmanlının Kökleri Ertuğrul Gazi. Tarkan Suçıkar. Page 121

بایجونویان اور کوسہ داغ کا معرکہ

1231ء میں جلال الدین خوارزم شاہ کی وفات کے بعد خوارزم شاہی سلطنت کا سرے سے خاتمہ ہوچکا تھا اور منگول و سلجوقی ریاستوں کی سرحدیں آپس میں مل گئی تھیں۔ سلطان علاؤالدین کیقباد نے تاتاریوں کے خلاف بہترین پالیسی اختیار کی اور نہ صرف اپنی قلمرو کو ان کے حملے سے محفوظ رکھا بلکہ اپنے زمانے کو سلاجقہ روم کی تاریخ کا خوشحال ترین دور بنایا۔ اوائل میں ہلکی جھڑپیں ہوئیں۔ لیکن لاکھوں پر مشتمل سلجوقیوں کی عسکری قوت کے سبب تاتاریوں نے بھی ان کے خلاف کسی قسم کی بڑی پیش قدمی سے گریز کیا۔

سلطان علاؤالدین کیقباد کے بعد اس کا کمسن بیٹا غیاث الدین کیخسرو ثانی تخت نشین ہوا۔ اس کے زمانے میں بھی سلجوقیوں کی عسکری قوت اپنے زوروں پر تھی۔ لیکن سعد الدین کوپیک کے اہم امرائے سلطنت کو قتل کرنے اور بابائیوں کی بغاوت سے سلطان کی غیر پختگی اور ناتوانی عیاں ہوگئی۔ بابائیوں کی شورش پر بھی سلطان نے بہت مشکل سے قابو پایا تھا۔ ہمسایہ دشمن ریاستیں سلطنت کی کمزوریوں سے واقف ہو چکی تھیں۔ یہی تاتاریوں کے آنے کا پیش خیمہ ثابت ہوا اور بایجونویان [Baiju Noyan] نے اناطولیہ کو اپنا ہدف بنا کر حملوں کا آغاز کیا۔

بایجونویان منگول فوج کے مشہور کمانڈروں میں سے ایک تھا۔ غالب امکان ہے کہ یہ چنگیز خان کے زمانے میں اس کی فوج میں شامل ہوا۔ پہلی مرتبہ اس کا نام 1228ء میں اصفہان میں جلال الدین خوارزم شاہ پر منگول حملے میں

تھا کہ بایجو نویان کی کل قوت چالیس ہزار ہے (جبکہ درحقیقت ساٹھ ہزار تھی)، انھوں نے کہا کہ ہم مدد کے لیے آنے والوں کے بغیر بھی ان پر غالب آسکتے ہیں۔ اسی لیے سیواس سے حرکت کی اور مغلوں کی طرف بڑھنے لگے"۔[1]

سلطان غیاث الدین کیخسرو نے ہراول دستے کے طور پر بیس ہزار سپاہیوں کو آگے بھیجا۔ تاتاریوں نے جنگی تکنیک اختیار کرتے ہوئے یہ تاثر دیا کہ وہ پسپا ہوگئے ہیں۔ لیکن بعدازاں سلجوقیوں کو دیگر اطراف سے گھیر کر ان کا قلع قمع کر ڈالا۔ سلجوقی دستے کی مغلوبیت کا سن کر نوجوان سلطان خوفزدہ ہوگیا اور سمجھا کہ اب وہ جنگ ہار چکے ہیں۔ خفیہ طور پر اپنی قرارگاہ سے فرار کر کے توقات کی جانب فرار ہوگیا۔ وہاں سے وہ قونیہ پہنچا۔[2]

سلطان کے بھاگنے سے بےخبر سلجوقی فوج پورا دن ڈٹ کر مقابلہ کرتی رہی۔ شام ہونے پر جب وہ سب اپنی قرارگاہ واپس آئے تو سلطان کے نہ ہونے کی خبر پھیلنے سے ان کے حوصلے پست ہوگئے اور وہ بھی رات کے اندھیرے میں میدانِ جنگ سے فرار ہوگئے۔ تاتاری صبح ہونے پر دوبارہ مقابلے کے لیے آئے۔ لیکن انھیں سلجوقی خیموں کی طرف سے کوئی حرکت نظر نہ آئی۔ انھوں نے

---

[1] تاریخ عثمانی: جلد اول، اسماعیل حقی اوزون چارشی لی، صفحہ 14

[2] II Giyaseddin Keyhüsrev Zamanında Türkiye Selçuklu Devleti. Mehmet Alkanmak. Page 406

اسے جنگی چال سمجھ کر آگے بڑھنے سے گریز کیا اور کئی روز تک منتظر رہے۔[1] لیکن جب سلجوقیوں کے فرار کرنے کا یقین ہوگیا تو آگے بڑھ کر تمام باقی ماندہ غنیمت پر تصرف پالیا۔[2] یوں تاتاریوں کے مقابلے میں ہر لحاظ سے طاقتور لشکر آسانی سے پسپا ہوگیا۔ اس کا بنیادی سبب سلطان علاؤالدین کیخسرو کے تجربہ کار اور وفادار وزیروں اور سپہ سالاروں کا نہ ہونا تھا۔

اس کے بعد بایجو نویان فوج لے کر سیواس شہر کی جانب بڑھا۔ سیواس کا قاضی نجم الدین قیر شہرلی منگولوں کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہ رکھتا تھا۔ اس لیے شہر کے اشراف کے ساتھ باہر آکر بایجو نویان کی اطاعت تسلیم کر لی تاکہ شہر قتل و غارت سے محفوظ رہے۔ لیکن ان کی توقعات کے برعکس بایجو نویان کے حکم سے تین روز تک سیواس میں قتل عام جاری رہا۔

سیواس کے سقوط کے بعد تاتاریوں نے قیصریہ کی طرف پیش قدمی کی۔ پندرہ دن کے محاصرے کے بعد اہل شہر تسلیم ہوئے۔ یہاں بھی ارض روم کی طرح پورے شہر کو تہ تیغ کیا گیا اور شہر کھنڈر میں تبدیل ہوگیا۔ غیاث الدین کیخسرو اس دوران قونیہ سے بھاگ کر ازنیق کی سرحدوں کے قریب ایک قلعے میں روپوش رہا۔

موسم سرد ہونے پر بایجو نویان نے آذربائیجان میں اپنی قرارگاہ کا رخ کیا۔ یوں کچھ عرصے تک دیگر شہران کے شر سے محفوظ رہے۔[3]

---

[1] Abul Ferec Tarihi. Abul Ferec. Page 542

[2] Türkiye Selçukluları. Coşkun Alp Tekin. Page 515

[3] تاریخ عثمانی: جلد اول، پروفیسر اسماعیل حقی اوزون چارشی لی، صفحہ 14-15

مزید غارت گری سے بچنے کے لیے سلجوقی وزیر مہذب الدین علی، اماسیہ کے قاضی کو ساتھ لے کر بایجونویان کے لشکرگاہ کی سمت روانہ ہوا۔ یہاں سلجوقیوں کا منگولوں کے باج گزار ہونے اور سالانہ تین لاکھ ساٹھ ہزار چاندی کے سکے، دس ہزار بھیڑیں اور ایک ہزار اونٹ خراج کے طور پر دینے کا معاہدہ طے پایا۔ امن معاہدے کی اطلاع پا کر غیاث الدین کیخسرو قونیہ واپس آیا۔ اس کے بعد سے سلاجقہ روم منگولوں کی تابع ایک ریاست بن کر رہ گئی۔

اوچ بیگی ارطغرل سلجوقیوں کی ذلت آمیز شکست اور تاتاریوں کے قیصریہ تک پہنچ کر قتل عام کرنے پر کافی رنجیدہ ہوا۔ لیکن اس نے کبھی منگول بالادستی قبول نہ کی اور اینا گول اور بیلاجیک کے عیسائی حکمرانوں کے ساتھ اتحاد کا معاہدہ کیا کہ اگر تاتاریوں نے سوغوت پر حملہ کیا تو دونوں قوتیں یکجا ہو کر مشترکہ رقیب کا مقابلہ کریں گی اور قائی قبیلے اور ارطغرل کے زیردست مسلمانوں کی عورتوں اور بچوں کو قلعے میں پناہ دی جائے گی۔ منگول حملوں سے بھاگ کر سوغوت آنے والے مسلمان بھی اس کے ماتحت ہوئے۔ ارطغرل نے احتیاطی تدابیر اختیار کرتے ہوئے اپنی سپاہ کو مستعد رکھا۔

اس کے بعد ارطغرل نے قونیہ کی طرف ایلچی بھیج کر سلطان سے درخواست کی کہ بیرونی جنگوں کے لیے سوغوت اور ڈومانیچ سے عسکری قوت طلب نہ کی جائے کیونکہ وہاں مغربی سرحدوں کی طرف سے ہمیشہ خطرہ رہتا ہے اور بازنطینی اِس طرف سے دفاعی قوت کے نہ ہونے سے فائدہ اٹھا کر حملہ کر سکتے ہیں۔ اس لیے ہمیں یہاں رہ کر دفاعی حالت اختیار کرنے کی اجازت دی جائے۔

سلطان نے قبول کرتے ہوئے یہ فرمان جاری کیا کہ اوچ بیگ ارطغرل اور اس کے ماتحت افواج دیگر جنگوں میں اشتراک نہ کریں۔ یوں ارطغرل نے مطمئن ہو کر اپنی تمام تر توجہ مغربی سرحدوں پر مرکوز کی۔

کوسہ داغ کی شکست سے نہ صرف سلجوقی سلطنت سیاسی طور پر زوال کا شکار ہوئی بلکہ عوام میں بھی اس کا براہ راست اثر پڑا کیونکہ ہر سال تاتاریوں کو دیا جانے والا خراج انھیں سے جمع کر کے دیا جاتا۔ تاجر اور مختلف پیشوں سے وابستہ لوگ جو کہ پہلے سے بدحالی کا شکار تھے مزید بدتر حالات میں گرفتار ہو گئے۔ جس علاقے میں سیاسی انتشار بڑھ جائے اور جنگیں زوروں پر ہوں تو کبھی بھی بیرونی تاجر اور قافلے وہاں کا رُخ نہیں کرتے۔

عامۃ الناس میں سلطان علاؤ الدین کیقباد کے زمانے کو ''سعادت کا دور'' اور زوال کے سالوں کو ''بایجو کا دور'' کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اس بحران نے تمام مملکت پر براہ راست اجتماعی و اقتصادی اثرات مرتب کیے اور ہر فردِ واحد اس کا شکار ہوا۔[1]

کیخسرو ثانی کی وفات اور شہزادوں میں خانہ جنگی

کیخسرو کو شراب نوشی کی عادت تھی۔ نیز اسے وحشی جانوروں کو لڑا کر ان کا تماشا دیکھنے کا شوق تھا۔ ایک روز جب شراب کے نشے میں دُھت سلطان

---

[1] Selçuklular ve Türk Islam Medeniyeti. Osman Turan. Page 223-224

علائیہ محل میں وحشی جانوروں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ ایک جانور کے حملے سے زخمی ہوا اور یہ عیاش بادشاہ 25 سال کی عمر میں زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے مر گیا۔

سلطان غیاث الدین کیخسرو کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ کوسہ داغ کے معرکے میں بھی اپنے ساتھ شیر اور جنگلی کتے لے گیا تھا اور ان کو انسانوں پر حملہ کرتے دیکھ کر لطف اندوز ہوتا۔

اس نے چھ شادیاں کی تھیں جن میں ایوبی، جارجین، اور منگوجیک کی شہزادیوں کے علاوہ قونیہ کے دو عیسائی پادریوں کی بیٹیوں کو بھی اپنے حرم میں شامل کیا۔ ایک فرانسیسی شہزادی سے بھی شادی کی۔

1246ء میں سلطان غیاث الدین کیخسرو کی وفات کے وقت اس کے تین بیٹے تھے جو کہ ابھی کم عمری میں تھے۔ ان میں عز الدین کیکاؤس بڑا بیٹا تھا جس کی عمر 11 سال تھی۔ اس سے چھوٹا رکن الدین قلیچ ارسلان 9 برس اور تیسرے بیٹے علاؤ الدین کیقباد کی عمر 7 سال تھی۔

بڑے بیٹے عز الدین کیکاؤس کی والدہ قونیہ کے ایک عیسائی راہب کی بیٹی تھی جس کا نام بردولیہ [Prodoulia] تھا۔ رکن الدین قلیچ ارسلان کی والدہ رومی تاجر کی بیٹی تھی۔ جبکہ چھوٹا بیٹا علاؤ الدین کیقباد، جارجیا کی شہزادی گورجی خاتون کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔

غیاث الدین کیخسرو کی دیگر دو بیویوں، ایوبی ملکہ غازیہ خاتون اور

منگوجیک کی شہزادی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔[1]

غیاث الدین کیخسرو نے گورجی خاتون[2] [Gurju Hatun] سے ہونے والے چھوٹے بیٹے علاؤ الدین کیقباد کو اس کی پیدائش کے وقت ہی ولی عہد نامزد کر دیا تھا۔ غیاث الدین کیخسرو دیگر بیویوں کی بہ نسبت گورجی خاتون سے خاص محبت رکھتا تھا۔ اسی سبب سے اس نے اپنے سکوں میں خود کو شیر اور گورجی خاتون کو اوپر سایہ کرنے والے سورج کی صورت میں کندہ کروایا تھا۔[3]

لیکن غیاث الدین کیخسرو کے مرنے کے بعد سلجوقی امرائے سلطنت نے ترک روایات اور عز الدین کیکاؤس کی نیک خصلتوں کے سبب اسے جانشین کیا۔ ان وزرا میں شمس الدین اصفہانی، امیر جلال الدین قراتائے، امیر شمس الدین خاص اوغوز، امیر جامدار، امیر اسد الدین، پروانہ فخر الدین اور ابوبکر عطاری شامل تھے۔[4]

اس موقع پر رسمِ تاج پوشی منعقد کی گئی۔ اس کے بعد شمس الدین اصفہانی کو وزیر اعظم، جلال الدین قراتائے کو نائب السلطنت[5] اور شمس الدین خاص اوغوز کو اطالیق بنایا گیا۔

---

[1] Selçuklular Zamanında Türkiye. Osman Turan. Page 458

[2] گورجی یا گورجو، ترکی میں جارجیا سے تعلق رکھنے والوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

[3] Selçukname. Ibn Bibi. Page 23

[4] آقسرائے۔ صفحہ 28

[5] Türkiye Selçukluları. Coşkun Alptekin. Page 368

اسی زمانے میں منگول تخت پر گیوک خان [Güyük Khan] حکمران بنا۔ اس کی رسمِ تاج پوشی کے لیے منگولوں کے تابع بادشاہوں کو قراقرم (چنگیز خان کے دارالحکومت) مدعو کیا گیا۔ عز الدین کیکاؤس نے بازنطینیوں سے جنگ کا بہانہ کر کے اپنی طرف سے چھوٹے بھائی رکن الدین قلیچ ارسلان کو روانہ کیا اور خود بھی کچھ عرصے بعد حاضر ہونے کا پیغام بھیجا۔[1]

رکن الدین قلیچ ارسلان تین سال بعد گیوک خان کی طرف سے اپنے سلطان ہونے اور عز الدین کیکاؤس کی معزولی کا فرمان لے کر واپس ہوا اور سیواس میں اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔ دونوں بھائیوں کے مابین قونیہ کے باہر ایک شدید جنگ ہوئی جس میں رکن الدین قلیچ ارسلان کی فوجیں مغلوب ہو گئیں۔

سلطنت کو مزید خونریزی سے بچانے کے لیے جلال الدین قراتائے نے شہزادوں میں صلح کروانے کی کوششیں کیں۔ جلال الدین قراتائے سلطان علاؤالدین کیقباد کے زمانے میں سلجوقی دربار میں شامل ہوا تھا اور اپنی خداداد صلاحیتوں اور وفاداری کے سبب کئی بلند رتبوں پر کام کر چکا تھا۔ اس نے تینوں شہزادوں کو قونیہ میں باہم جمع کیا اور ایک دوسرے کا خون بہا کر سلطنت کو مزید کمزور نہ کرنے کی تلقین کی۔ تخت و تاج کا مسئلہ حل کرنے کے لیے اس نے یہ تجویز دی کہ تینوں بھائی برابری کے اختیارات کے ساتھ یکجا حکمرانی کریں۔

تینوں بھائیوں نے قراتائے کا مشورہ قبول کر لیا اور سلجوقی تاریخ میں پہلی مرتبہ تین سلاطین بیک وقت تخت نشین ہوئے۔ ان کی عمر کی ترتیب سے سکوں

[1] Selçuklular Zamanında Türkiye. Page 409

پر ان کا نام کندہ کروایا گیا اور خطبوں میں بھی پڑھا جانے لگا۔[1]

اس کے بعد امیر جلال الدین قراتائے نے اتابک کا منصب بھی اپنے اختیار میں لے لیا اور اپنی فہم و فراست سے نہ صرف سلطنت کے حصے بخرے ہونے سے محفوظ رکھا بلکہ عرصۂ دراز سے جاری خانہ جنگی کو بھی خاتمہ بخشا۔

جلال الدین قراتائے 1251ء میں قاضی عز الدین کے ساتھ بغداد میں عباسی خلیفہ کے پاس سفیر بن کر روانہ ہوا اور خلیفہ مستعصم باللہ (دورِ حکومت: 1258ء-1242ء) کی طرف سے سلاطین کے نام خلعت، مکتوب اور تحائف لے کر واپس ہوئے۔ غالب امکان ہے کہ اس سفر کے دوران قراتائے کی طرف سے بغداد میں شیخ شہاب الدین سہروردی کا مقبرہ بھی از سرِ نو تعمیر کیا گیا۔[2]

1254ء میں عز الدین کیکاؤس کے ساتھ ایک سفر کے دوران قراتائے نے وفات پائی۔[3] امیر جلال الدین قراتائے کے جسد کو احترام کے ساتھ قونیہ لایا گیا اور اس کے تعمیر کردہ قراتائے مدرسے کے جوار میں دفن کیا گیا۔

اسی سال تاتاری سفیروں نے قونیہ آ کر سلطان عز الدین کیکاؤس کو منگول حکمران کے پاس تجدید اطاعت کے لیے حاضر ہونے کا پیغام دیا۔ کیکاؤس نے جواب میں منگول قاآن کو لکھا کہ میں اپنے برابر کے سلطان، چھوٹے بھائی کو آپ کے پاس روانہ کر رہا ہوں۔ ہمارے اتابک جلال الدین قراتائے کی وفات

[1] Keykavus II. Faruk Sümer. Page 355

[2] Selçukname. Ibn Bibi. Page 34

[3] Yazıcızade Ali. Tevarih-i al-i Selcuk. Page 739

37211468

کے سبب میں نہیں آسکتا۔[1]

جلال الدین قراتائے کی وفات کا مطلب یہ تھا کہ سلطنت میں دوبارہ بحران کا آغاز ہونے جارہا تھا۔ اس لیے سلطان نے اپنے سب سے چھوٹے بھائی علاؤالدین کیقباد ثانی کو روانہ کیا۔ علاؤالدین کیقباد ثانی جاتے وقت راستے میں وفات پاگیا۔ رکن الدین قلیچ ارسلان اور عز الدین کیکاؤس کے مابین بھی اختلافات پیدا ہوگئے۔ رکن الدین قلیچ ارسلان نے قیصریہ جا کر اپنی حکمرانی کا اعلان کردیا۔ اس کے بعد دونوں بھائیوں میں دوبارہ جنگ ہوئی۔ 1257ء میں رکن الدین قلیچ ارسلان اسیر ہو کر زندان میں قید کر دیا گیا اور عز الدین کیکاؤس تن تنہا صاحبِ تخت و تاج ہوگیا۔

منگولوں کا تسلط

انھیں سالوں میں بایجونویان دوبارہ اناطولیہ میں وارد ہوا کیونکہ سلجوقیوں نے سالانہ خراج مقررہ مقدار کے مطابق ادا نہیں کیا تھا۔ عز الدین کیکاؤس نے اس کا مقابلہ کرنے کی ٹھانی اور پہلے مقابلے میں فتح پائی۔ لیکن دوسرے مرحلے میں شکست کھائی۔

تاتاریوں نے اس کے بھائی رکن الدین قلیچ ارسلان کو قید سے نکال کر دوبارہ تخت نشین کر دیا۔ عز الدین کیکاؤس بایجونویان سے بچتے بچاتے انطالیہ پہنچا

[1] Abul Ferec Tarihi. Abul Ferec. Page 559-560

جس کے بعد اس نے قیصر روم کے ہاں پناہ لے لی۔

عز الدین کیکاؤس نے وہاں سے ہلاکو خان [Hulagu Khan] کے پاس ایلچی بھیج کر پیغام میں بایجونویان کی شکایت کی اور لکھا کہ بایجونویان نے زبردستی قلیچ ارسلان کو تخت نشین کیا ہے اور لوگ اس فیصلے کے مخالف ہیں۔

ہلاکو خان نے حکم دیا کہ سلجوقی سرزمینیں دونوں بھائیوں میں برابر تقسیم کی جائے اور سیواس کا دریا سرحد قرار پایا۔ مشرقی حصے قلیچ ارسلان کو دیے گئے اور مغربی سرزمینوں پر عزالدین کیکاؤس حاکم ہوا۔ فخر الدین علی، عز الدین کیکاؤس کا وزیر ہوا اور معین الدین پروانہ نے رکن الدین قلیچ ارسلان کی وزارت سنبھالی۔ یوں تمام اناطولیہ میں تاتاریوں کا تسلط قائم ہوگیا۔[1]

بایجونویان 1258ء میں بغداد کے محاصرے میں بھی شریک ہوا۔ مؤرخ رشید الدین فضل اللہ ہمدانی کے مطابق بایجونویان کو 1260ء میں ہلاکو خان نے التون اردو کے خلاف ناکامی پر عتاب کا نشانہ بنایا اور قتل کرا دیا۔

1260ء میں لاطینی ریاست [Latin Empire of Constantinople] کا تختہ پلٹ کر اقتدار میں آنے والی نئی بازنطینی حکومت نے اپنی جڑیں مضبوط کر لی تھیں اور سلجوقیوں کے زوال اور خانہ جنگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بازنطینیوں نے اپنے کھوئے ہوئے قلعوں پر دوبارہ تصرف پالیا۔ ان میں قراجہ حصار بھی شامل تھا اور مغربی اناطولیہ میں کئی مستقل امارات قائم ہوگئیں۔

[1] Selçuklular Zamanında Türkiye. Page 409

سقوطِ بغداد اور عثمان غازی کی پیدائش

عباسی خلافت ابتدا میں عالم اسلام کی طاقتور ترین ریاست تھی۔ لیکن ایک صدی میں ہی اسے زوال آ گیا تھا اور عالم اسلام میں مختلف ممالک میں الگ ریاستیں قائم ہوگئی تھیں۔ اس کے باوجود خلافت کا مقام و مرتبہ ہمیشہ سے عزت کی نشانی سمجھا گیا اور تمام سلاطینِ اسلام کا اپنی سلطنت کی تصدیق کے لیے عباسی خلیفہ کی طرف سے خطاب اور سند حاصل کرنا ضروری تصور کیا جاتا تھا۔ عباسی اگرچہ ظاہری لحاظ سے اس قدر طاقت نہ رکھتے تھے لیکن تمام عالم اسلام کے روحانی رہنما کے طور پر جانے جاتے تھے۔

1258ء میں ایلخانی [Ilkhanate] حکمران ہلاکو خان نے خلیفہ کے خائن اور غدار وزیر ابن علقمی کے پے در پے خطوط کے بعد عباسی خلافت کا خاتمہ کر کے بغداد کو بھی حاصل کرنے کا ارادہ کیا۔

پہلے پہل خلیفہ مستعصم باللہ کو سرِ تسلیم خم کرنے کے لیے خط لکھا۔ لیکن خلیفہ کو یقین تھا کہ بغداد کی حمایت میں تمام عالم اسلام حرکت میں آجائے گا اور خلیفہ کے دفاع میں اپنا سینہ سپر کر دے گا۔ اس نے سخت الفاظ سے ہلاکو کے خط کو ٹھکرا دیا۔ لیکن اب حالات بدل چکے تھے اور وہ قوت باقی نہ رہی تھی۔

29 جنوری 1258ء کو ہلاکو خان نے لاکھوں کے لشکر کے ساتھ بغداد کا محاصرہ کر لیا۔ مستعصم باللہ نے شہر میں رہ کر مقابلہ کرنے کو ترجیح دی۔ لیکن ایک ہفتے میں ہی وہ ہار مان گئے۔ خلیفہ نے 10 فروری کو شہر کے دروازے کھول

دیے۔ جس کے بعد شہر میں وہ تباہ کاریاں کی گئیں کہ بغداد پہلے جیسا کبھی آباد نہ ہو سکا۔ وہ بغداد جو علم و ہنر کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ تمام کتابیں جلا دی گئیں یا دریا برد کر دی گئیں۔ لاکھوں انسانوں کو تہ تیغ کر کے تاخت و تاراج کیا گیا اور عباسیوں کا 508 سالہ دورِ حکومت اختتام کو پہنچا۔

آخری خلیفہ مستعصم باللہ اور ہلاکو خان کا مشہور مکالمہ بھی اکثر تواریخ میں مذکور ہے۔ جس کے بعد مستعصم باللہ کو ہلاکو کے حکم سے پہلے تو زدوکوب کیا گیا۔ بعدازاں قالین میں لپیٹ کر اس کے اوپر گھوڑے دوڑائے گئے۔ یہاں تک کہ اس کا دَم نکل گیا۔

عباسی خلافت کے اس دردناک زوال اور بغداد کو تہس نہس کیے جانے پر شیخ سعدی شیرازی نے ایک مرثیہ لکھا تھا... ؎

آسمان را حق بود گر خون بگرید بر زمین
بر زوالِ ملکِ مستعصم امیرالمؤمنین

”آسمان امیر المومنین مستعصم کی بادشاہت کے زوال پر اگر خون کے آنسو بہائے تو یہ اسی کے لیے روا ہے۔“

دو سو سال قبل جن سلجوقیوں نے بغداد میں عباسی خلافت کو باغیوں کے تسلط سے آزاد کروایا تھا، آج انھیں کی آنکھوں کے سامنے اس کا خاتمہ کر دیا گیا اور وہ کچھ نہ کر پائے!

اور خون کتبوں کے مصداق:

"جب نااہل لوگ تخت پر متمکن ہو جاتے ہیں، تو ملک خرابی
کی طرف چل پڑتا ہے اور ایک روز اپنا دَم توڑ دیتا ہے۔"

لیکن اللہ نے ترکوں پر دوبارہ کرم کیا اور اسی سال 1258ء میں سوغوت کے اوچ بیگی ارطغرل غازی کے گھر ننھا عثمان جیق پیدا ہوا۔ جس نے عثمان غازی بن کر اسلام کی شمع کو روشن کیا اور عثمانیوں کا جھنڈا بلند ہوا۔

معین الدین پروانہ کا زمانہ

معین الدین سلیمان پروانہ [Pervane] (1260 - 1277ء) منگول خاقان کی طرف سے مقرر کردہ ان کا وفادار وزیر تھا۔ وہ بایجونویان کی درخواست پر ہلاکو خان کی طرف سے قلیچ ارسلان کا وزیر مقرر کیا گیا تھا۔

معین الدین پروانہ تمام اناطولیہ کو قلیچ ارسلان کے تسلط میں لانے کے درپے تھا۔ اس نے مغربی حصے کے سلطان عز الدین کیکاؤس کے بارے میں ہلاکوخان کو خط لکھا کہ سلطان عزالدین مصر کی مملوک حکومت کے ساتھ مل کر تاتاریوں کے خلاف بغاوت کا منصوبہ کر رہا ہے۔ حقیقت یہ تھی کہ عز الدین سلجوقی سلطنت کو دوبارہ خودمختار کرنا چاہتا تھا۔

ہلاکو خان نے اس کے متعلق آگاہی پانے کے بعد عز الدین کیکاؤس کے مقابلے میں ایک لشکر روانہ کیا۔ جس سے شکست کھانے کے بعد ناچار وہ ازنیق

کے عیسائی حکمران کے ہاں پناہ گزیں ہوا اور اس سے منگولوں کے خلاف لڑنے کے لیے مدد طلب کی اور اپنی معیت میں آنے والوں کے لیے زمین کی درخواست کی۔

ازنیق کے حکمران نے منگولوں پر اس وقت حملہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ البتہ رومانیہ کے ایک ویران علاقے ڈابروجا [Dobruja] میں عز الدین اور ساتھیوں کو بسیرا کرنے کے لیے زمین مختص کی۔

1264ء - 1263ء میں ازمیت اور ازنیق کے شہروں سے ترکمانوں کی ایک کثیر تعداد مختلف کاروانوں کی شکل میں رومیلی وارد ہوئی اور ڈابروجا میں سکونت اختیار کی۔ ان ترکمانوں کے سردار کا نام ساری صالتق [Sari Saltik] تھا جو شیعہ امامی علوی بکتاشیہ سلسلے کے بزرگ تھے۔[1] سلطان عز الدین نے کچھ عرصہ وہاں رہنے کے بعد ڈابروجا میں وفات پائی۔

عزالدین کیکاؤس کے فرار کے بعد رکن الدین قلیچ ارسلان رابع تن تنہا اناطولیہ کا سلطان بن گیا۔ (1261) معین الدین پروانہ نے، جو کہ منگولوں کے زیر حمایت تھا، اپنی طاقت میں مزید اضافہ کیا۔ درحقیقت تمام امورِ سلطنت اس کے زیر اختیار تھے۔ سلطان قلیچ ارسلان نے ایک روز بادہ نوشی کی مجلس میں معین الدین پروانہ کے حد سے زیادہ اختیارات اور کاموں کے متعلق ناراضگی کا اظہار کیا۔ معین الدین پروانہ کو جب اس کی خبر پہنچی تو اس نے سلطان کو قتل کر کے اس کے کمسن بیٹے غیاث الدین کیخسرو ثالث کو تخت نشین کر دیا۔[2] رکن الدین قلیچ ارسلان

---

[1] Sarı Saltuk ve Saltukname. Ahmet Yaşar Ocak. Page 197

[2] Selçuklular Zamanında Türkiye. Page 409

کی تاریخ وفات 1264ء بتائی جاتی ہے۔

1260ء سے 1277ء تک کے درمیانی عرصے کو معین الدین پروانہ کے صاحبِ اقتدار ہونے کے سبب ''پروانہ کا زمانہ'' کہا جاتا ہے۔

سلطان بیبرس [Baibars] کی اناطولیہ آمد

الملک الظاہر رکن الدین بیبرس البندقداری مصر کی مملوک حکومت کا حکمران تھا۔ جو 1260ء سے 1277ء تک مصر و شام میں حکمران رہا۔

سلطان بیبرس کا تعلق قپچاق ترکوں سے تھا۔ 14 برس کی عمر میں دشت قپچاق سے یہ ایک ترک غلام کی حیثیت سے ایوبی سلطنت میں لایا گیا اور فوج میں شامل ہوا۔ یہاں وہ اپنی قابلیتوں کے سبب روز بروز ترقی کرتا گیا اور سپہ سالار کے منصب پر فائز ہوا۔ صلیبی جنگوں میں اس نے یادگار فتوحات حاصل کیں اور کئی مرتبہ صلیبیوں کو عبرت ناک شکست سے دوچار کر کے اسلام کا بول بالا کیا۔ بعدازاں مصر کی مملوک سلطنت میں شمولیت اختیار کی۔

لیکن سلطان بیبرس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ 1260ء میں عین جالوت کے معرکے میں اس نے منگولوں کو تاریخی شکست دی۔

چار دہائیوں سے چنگیز خان اور اس کی اولاد تمام عالم اسلام کو تہس نہس کر چکی تھی۔ ان کے مقابلے پر خوارزم شاہی، سلجوقی و ایوبی سلطنتیں بھی گھٹنے ٹیک چکی تھیں۔ 1258ء میں سقوطِ بغداد کے بعد یہ مزید آگے بڑھ رہے تھے۔ ان کی دہشت اس قدر پھیل چکی تھی کہ یہ خود کو ناقابل شکست تصور کر بیٹھے تھے۔

فلسطین کے علاقے عین جالوت میں ان کا مقابلہ مصر کی مملوک فوج سے ہوا جو تعداد میں بہت کم تھی، لیکن ان کا حوصلہ بہت بلند تھا۔ اس فوج کی سپہ سالاری رکن الدین بیبرس و دیگر کے ہاتھوں میں تھی۔ انھوں نے منگولوں کے لشکر کو سخت معرکے کے بعد شکست دی۔ اس کے بعد منگول کبھی آگے پیش قدمی نہ کر پائے۔

بعدازاں 1260ء میں ہی مصر کے تخت پر سلطان کی حیثیت سے متمکن ہوا۔ عباسی خلیفہ کے باقی ماندہ خاندان کو پناہ دی اور احمد المستنصر کو خلیفہ بنا کر خلافت کا منصب دوبارہ قائم کیا۔ لیکن خلیفہ صرف ایک مذہبی رہنما کے طور پر پہچانا جاتا تھا۔ امورِ سلطنت میں اس کا کوئی دخل نہیں تھا۔

1517ء تک مملوک سلطنت اپنی پوری آب و تاب سے قائم رہی۔ بعدازاں عثمانی سلطان سلیم اوّل [Selim I] کے ہاتھوں مصر فتح ہونے کے بعد خلافت ترکوں کو منتقل ہوئی، جو 1924ء تک قائم رہی۔

سلطان بیبرس کے زمانے میں اناطولیہ و خراسان سے ہزاروں ترکمان اس کے پاس پناہ گزیں ہوئے۔ ابن شداد لکھتا ہے:

> ''سلطان بیبرس کے زمانے میں چالیس ہزار ترکمن گھرانے آئے۔ جن کو غزہ اور انطاکیہ کے درمیانی علاقوں میں سکونت دی گئی۔''[1]

---

[1] تاریخ الخلفاء، جلال الدین سیوطی، صفحہ 476

منگول ایلخانی خاقان اباقا خان [Abaqa Khan] مقتول سلطان قلیچ ارسلان کی بیٹی کو اپنے بیٹے ارغون خان [Arghun Khan] کے عقد میں لانا چاہتا تھا۔ نائب السلطنت معین الدین پروانہ اور وزیر فخر الدین علی اسے دلہن بنا کر ایران لے گئے جہاں ایلخانی تخت پر اباقا خان متمکن تھا۔

اسی عرصے میں معین الدین پروانہ کی غیر موجودگی میں نیگدہ [Nigde] صوبے کے گورنر شرف الدین مسعود نے اناطولیہ کو تاتاریوں کے شکنجے سے نکالنے کی تگ و دو میں مصر کی مملوک حکومت سے رابطہ برقرار کیا اور قیصریہ میں موجود کمسن سلجوقی سلطان اور اس کے حامیوں کو بھی نیگدہ لے آیا اور قرامانیوں اور سلطان بیبرس کو اناطولیہ میں آنے کی دعوت دی۔

اباقا خان نے ان منصوبوں کا علم ہونے پر اناطولیہ کی طرف لشکر بھیجا۔ شرف الدین مسعود نے اپنی سپاہ کے ساتھ نیگدہ کے قلعے میں پناہ لی اور سلطان بیبرس کی عسکری مدد کا انتظار کرنے لگا۔ لیکن ان کے آنے سے قبل قلعے کے ایک محافظ نے تاتاریوں کے ساتھ سازباز کر کے قلعے کے دروازے کھول دیے اور شرف الدین کو گرفتار کر کے قتل کیا گیا۔ سلجوقی سلطان اور امرا کو بھی ان کی حرکت پر سخت باز پرس کی گئی۔

انھی ایام میں قرامانی [Karamanids] حکمران شمس الدین محمد بیگ [Shemseddin Mehmet I] بھی آن پہنچا اور تاتاریوں کا تعاقب کر کے ان کو سخت شکست سے دوچار کیا۔

1277ء میں مصر کے سلطان بیبرس نے منگولوں کے خلاف تاریخی کامیابیاں

اپنے نام کرنے کے بعد اناطولیہ کی طرف یورش کی۔ منگول جو کہ اب سلجوقی سپاہ پر اعتماد نہیں رکھتے تھے، تن تنہا اس کے مقابلہ پر آئے۔ اپریل 1277ء کو صحرائے البستان میں بیبرس نے منگولوں کو مغلوب کیا [Battle of Elbistan] اور ان کے کئی نامور سپہ سالاروں کو تہ تیغ کیا۔[1]

منگول سپاہ کی شکست دیکھ کر معین الدین پروانہ نے سلجوقی لشکر کے ساتھ فرار کی راہ لی اور سلطان غیاث الدین کو ساتھ لے کر توقات شہر میں روپوش رہا۔ سلجوقی حکام کی ایک تعداد اسیر ہوگئی۔

بیبرس نے اس فتح کے بعد قیصریہ کا رخ کیا اور ایک ہفتہ وہاں قیام کیا۔ سلجوقی تخت پر متمکن ہوکر اپنے نام کا سکہ جاری کیا۔ دیاربکر، حارپورت اور نیگدہ کے حاکموں نے منگولوں کے خلاف بیبرس کا ساتھ دیا تھا۔

بیبرس کی آمد اور منگولوں کی پسپائی کا سن کر منگول ایلخانی خاقان اباقا خان اپنے لشکر کے ساتھ اناطولیہ داخل ہوا لیکن سلطان بیبرس واپس جا چکا تھا۔ اباقا خان نے ان تمام واقعات کا ذمہ دار معین الدین پروانہ کو قرار دیا اور اس پر بیبرس کو اناطولیہ بلانے کا شبہ کرتے ہوئے پھانسی کی سزا دی۔ یہ واقعہ 2 اگست 1277ء کو ہوا۔[2]

اباقا خان نے صرف اس پر اکتفا نہ کیا بلکہ مارے گئے منگولوں کے انتقام کے لیے قیصریہ سے ارض روم تک تمام آبادی کا وسیع پیمانے پر قتل عام کیا۔

---

[1] Selçuklular ve Türk Islam Medeniyeti. Osman Turan. Page 229

[2] تاریخ عثمانی: جلد اول، پروفیسر اسماعیل حقی اوزون چارشی لی، صفحہ 121

اس میں کم و بیش دو لاکھ انسان قتل ہوئے۔ نوجوان سلطان اور فخر الدین علی نے تاتاریوں کا ساتھ دیا اور دوبارہ ان کے ماتحت ہو گئے۔

سلطان بیبرس نے اس واقعے کے چند ماہ بعد دمشق میں وفات پائی۔

دَورِ فتن میں سوغوت اور ارطغرل

ارطغرل غازی سوغوت میں ان تمام حالات سے باخبر لیکن غیر جانب دار ہو کر اپنے علاقے میں پرامن زندگی بسر کرتا رہا۔ مرحوم سلطان غیاث الدین کیخسرو سے حاصل کردہ فرمان کی رو سے نئے سلاطین نے بھی اس سے کوئی مدد طلب نہیں کی۔

اس دوران ارطغرل بیگ کی شہرت سلطنت کے اکثر حصوں میں پھیل گئی اور جنگ زدہ علاقوں سے کئی اوغوز قبائل، جن میں القااویلی، بایات، قرااویلی اور دودورغہ شامل تھے، گروہ در گروہ سوغوت آ کر ارطغرل کے زیر سایہ جمع ہونے لگے۔ چار سو خیموں پر مشتمل سوغوت کی آبادی اب ہزاروں تک پہنچ چکی تھی اور ان میں اضافہ ہو رہا تھا۔

اپنے قبیلے کے لیے سیاسی و دفاعی لحاظ سے بہترین مقام، سوغوت کا انتخاب کر کے وہاں آباد ہونا ہی ارطغرل کی دُور اندیشی، سیاسی پختگی اور فہم و فراست کی شاندار مثال ہے۔ یہاں نہ صرف بہترین اور سرسبز زمینیں واقع تھیں بلکہ ساتھ ہی ان کے جہاد فی سبیل اللہ کا بھی جذبہ پورا ہو رہا تھا۔ اس نے فتوحات کے ساتھ ساتھ وقت کی نزاکت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمسایہ عیسائی ریاستوں کی طرف دوستی

کا ہاتھ بھی بڑھایا اور تاتاریوں کے خلاف ہر قسم کے خطرے کے پیش نظر متحدہ افواج تیار رکھیں۔

سلطان علاؤالدین کیقباد کے بعد سے جس طرح سلاجقہ روم کی سلطنت زوال کا شکار ہوئی، ارطغرل غازی کی فتوحات اور پیش قدمی بھی تھم گئی تھی۔ لیکن اس کے بعد بھی، تقریباً پچاس سالہ عرصے میں، اس نے کبھی مغرب کی طرف سے سلجوقیوں پر کوئی حملہ نہ ہونے دیا، کیونکہ ارطغرل نے قرب و جوار کے تمام تکفوروں کے ساتھ اتحاد قائم کیا تھا اور دوستی کو آگے بڑھانے کے لیے مشترکہ بازار اور باہمی تجارت کو فروغ دیا تھا۔ اس سے نہ صرف خطے میں خوشحالی پھیلی بلکہ مسلمان اور عیسائی، دونوں مذاہب کے ماننے والے عوام کے لیے خوش آئند اقدام ثابت ہوا۔ غیر مسلم تاجر سوغوت اور ڈومانیچ میں باآسانی آ کر اپنی تجارت کر سکتے تھے۔

مسلم و غیر مسلم رعایا میں برابر مقبولیت و احترام حاصل کرنا بھی ارطغرل کا ہی کمال تھا۔ اس کے بارے میں عاشق پاشازادہ کہتا ہے کہ کافر ان پر بےحد اعتماد کرتے تھے۔[1] قرب و جوار کے عیسائی حکمرانوں کے ساتھ نیک روابط اور اعتماد کی فضا قائم تھی۔ یہاں تک کہ گرمیوں میں سوغوت سے ڈومانیچ جاتے ہوئے اپنی اور قبیلے کی اہم اشیا و سامان بیلاجیک قلعے کے تکفور کے پاس امانتاً چھوڑ جاتے اور اگلے موسم میں واپسی پر ان سے واپس لے لیتے۔ دونوں طرف تحائف کا

---

[1] Osmanlının Kökleri Ertuğrul Gazi. Tarkan Suçıkar. Page 115

سلسلہ بھی جاری رہتا اور رعایا بھی امن کے ماحول میں زندگی بسر کر رہی تھی۔

ارطغرل نے بہت کم عرصے میں پوری سلطنت میں اپنے کارناموں کی بدولت شہرت و مقبولیت حاصل کر لی اور اپنی عسکری قوت میں اضافہ کیا۔ اس کی اہم خصوصیت شاید یہی تھی کہ وہ ہر حالت میں ظالم کے خلاف مظلوم کا ساتھ دیتا اور مشکل حالات میں گرفتار لوگوں کی حمایت و مدد سے منہ نہ موڑتا۔ مؤرخ نشری لکھتا ہے کہ ہر تین روز میں ارطغرل غربا و دیندار لوگوں کے لیے طعام کا بندوبست کرتا تھا۔ اسی طرح فقرا اور بیوہ خواتین کی بھی مکمل سرپرستی کر کے مالی امداد کرنے والا عادل و منصف حکمران تھا۔

سلجوقی سلطنت نے 1277ء میں مغربی علاقے، اناطولیہ کے ترکمانوں کے ہاتھوں گنوا دیے تھے اور کئی چھوٹی چھوٹی بیگ نشین حکومتیں، جنھیں تاریخ میں اناطولیائی بیلیک [Anatolian Beyliks] کہا جاتا ہے، وجود میں آ گئی تھیں۔

ان بیلیک میں سے ایک گرمیان اوغوللاری [Germiyanids] کی بیلیک تھی۔ اس کا سربراہ علی شیر نامی شخص تھا۔ سلجوقی سلطان نے منگولوں کی مدد سے ان کی شورش کے خاتمے کی کوشش کی، لیکن اپنا تسلط زیادہ عرصہ قائم نہ رکھ پائے اور گرمیانی دوبارہ قابض ہوگئے۔ سلطان نے ان علاقوں پر قائی قبیلے کو اپنا نمائندہ منتخب کیا جس کے بعد قائی قبیلے اور گرمیانوں کے مابین کئی جنگیں ہوئیں جو ارطغرل کے بعد عثمان غازی کے دور میں بھی جاری رہیں۔[1]

[1] Tevarih al-i Osman. Aşık Paşazade. Page 99

سلجوقی سلطان کا ارطغرل غازی پر شبہ کرنا

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ذکر ہوا ہے کہ گورنر شرف الدین مسعود نے منگولوں کے تسلط سے چھٹکارا پانے کے لیے قرامانیوں اور مصر کی مملوک حکومت کی مدد طلب کی تھی، لیکن اس سے قبل وہ مارا گیا تھا۔ اباقا خان کی اناطولیہ آمد کے بعد سلجوقی سلطان دوبارہ اس کے تابع ہوگیا تھا۔

شرف الدین مسعود کے ساتھ آزادی کی لڑائی میں کئی اوچ بیگ سردار شامل ہوئے تھے جن میں سے اکثر قتل ہوئے۔ اباقا خان کے جانے کے بعد دوبارہ اِس قسم کی شورش سے محفوظ رہنے کے لیے سلجوقی سلطان غیاث الدین کیخسرو ثالث (دورِ حکومت: 1283ء - 1264ء) نے مملکت کے تمام اوچ بیگوں کو بلایا اور ان سے دوبارہ اطاعت کا عہد لیا۔

انھیں میں سے ایک اوچ بیگ ارطغرل غازی بھی تھا۔ اس کے متعلق عثمانی مؤرخ منجم باشی نے روحی سے منقول ایک واقعہ درج کیا ہے کہ شرف الدین مسعود کی بغاوت کا سدباب کرنے کے بعد سلطان غیاث الدین کیخسرو ثالث بن قلیچ ارسلان نے تمام اوچ بیگوں (سرحدی حکمران) سے ان کے خاندان کا ایک فرد رہن لینا شروع کیا۔ چونکہ ارطغرل بھی اوچ بیگ تھا، اس لیے اس نے وفاداری کے ثبوت کے طور پر عثمان کے ایک بیٹے کو رہن کے طور پر سلطان کے سپرد کیا۔ غیاث الدین نے اسے کاہتا قلعے میں بند کیا۔ کچھ مدت بعد رونما ہونے والے

تغیرات کے سبب وہ تمام رہن میں دیے گئے افراد قید سے آزاد کر دیے گئے۔[1]

یازیجی زادہ علی کے مطابق 1277ء میں ارطغرل غازی نے قونیہ جا کر سلطان غیاث الدین کیخسرو ثالث کی بیعت کی اور عثمان غازی کے ایک بیٹے کو سلطان کی خدمت کے لیے چھوڑ کر آنے کا ذکر ملتا ہے۔

جب غیاث الدین کیخسرو ثالث حادثۂ جمیری کے بعد سرحدی علاقوں کی جانب گیا تو وہاں ارطغرل نے اس کے حضور میں حاضر ہو کر ہدیے اور تحفے پیش کیے۔[2]

اس بیان سے بھی مذکورہ واقعے کی تائید ہوتی ہے۔ یازیجی زادہ نے خدمت کرنے کے لیے چھوڑ آنا لکھا ہے۔ لیکن حقیقت یہی تھی کہ اپنی صداقت کا ثبوت دینے کے لیے ارطغرل کو یہ عمل کرنا پڑا اور اپنے پوتے کو رہن کے طور پر سلطان کو سونپ آیا۔ لیکن اس سے سلطان غیاث الدین کیخسرو ثالث کی نظر میں ارطغرل کا مقام و مرتبہ مزید بڑھ گیا تھا اور کچھ عرصے بعد ارطغرل کے پوتے کو واپس بھیج دیا گیا۔

عثمانی مؤرخ القونوی کے بقول اس کے بعد سلطان غیاث الدین کیخسرو ثالث کی طرف سے ارطغرل کو سنجاق (پرچم)، توغ (عَلَم و درفش)، داول (طبل)، نقارہ اور بوغ (صندوق) جیسے حکمرانی کے نشانات عطا کیے گئے تھے جو

---

[1] Selçuklular Zamanında Türkiye. Page 409

[2] سلجوق نامہ، یازیجی زادہ علی، صفحہ 58

کہ ارطغرل کی وفات کے بعد عثمان کو منتقل ہوئے۔ اس سے بھی ارطغرل کی وفاداری اور سلاطین کے اعتماد کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ارطغرل غازی کی وفات اور مقبرہ

ارطغرل غازی کے متعلق زیر اختلاف موضوعات میں سے ایک ان کی عمر اور سالِ وفات کے بارے میں ہے۔

عثمانی و دیگر تواریخ میں مختلف روایات بیان کی گئی ہیں۔ عمومی نظریہ یہ ہے کہ ارطغرل نے 93 برس کی عمر میں 1281ء یا 1282ء میں وفات پائی اور سوغوت میں مدفون ہیں۔ ان کے مقبرے پر تحریر شدہ تاریخ میں ان کا سالِ پیدائش 1188ء اور سالِ وفات 1281ء لکھا گیا ہے۔ عثمانی مؤرخ لطفی پاشا نے بھی ان کی رحلت کے وقت عمر 93 برس بتائی ہے۔

سوغوت میں موجود ان کا مقبرہ اور ارطغرل کے نام سے موسوم مسجد، جو قویولو [Kuyulu] مسجد کہلاتی ہے، عثمانی ترکوں کی ابتدائی یادگاروں میں سے ایک ہے۔ ارطغرل کے زمانے میں ان کی زیر نگرانی تعمیر شدہ مسجد ان سے منسوب یگانہ میراث ہے جو کہ انیسویں صدی عیسوی میں حاجی حسین نامی مخیر شخص کی کوششوں سے بہتر حالت میں لائی گئی۔ ارطغرل کا مقبرہ ان کے پوتے اورخان غازی یا سلطان مراد کے زمانے میں تعمیر کیا گیا۔ یہ ایک خوبصورت گنبد دار عمارت کے

---

[1] Osmanlının Kökleri Ertuğrul Gazi. Tarkan Suçıkar. Page 61

درمیان میں واقع ہے۔ اس کے چاروں اطراف کو خوبصورت باغ کی شکل دی گئی ہے۔

سوغوت میں اس جگہ نہ صرف ارطغرل غازی مدفون ہیں بلکہ اسی باغ کی حدود میں ان کی اہلیہ حلیمہ خاتون، بیٹے گوندوز آلپ اور صاوجی بیگ، ان کے مشہور قریبی سپاہی اور بھائی دوندار بیگ مدفون ہیں۔

مقبرے کی موجودہ حالت سلطان عبدالحمید ثانی (دورِ حکومت: 1909ء۔ 1876ء) کے دور کی یادگار ہے۔ اُس زمانے میں سلطان عبدالحمید ثانی کی طرف سے مقبرے کے باہر مسافر خانہ اور طعام خانے کا بھی اضافہ کیا گیا تھا۔

ارطغرل غازی تمام عمر سلاجقہ روم کی سلطنت کے مطیع رہے۔ اگرچہ اس دوران سلجوقیوں پر زوال آنے کے بعد درجنوں خودمختار ریاستیں قائم ہوگئی تھیں اور طاقت کے لحاظ سے ارطغرل، سلجوقی سلطان سمیت ان سب پر بھاری پڑ سکتا تھا۔ لیکن وہ تادمِ مرگ وفاداری پر قائم رہا۔

ارطغرل کے تین بیٹے تھے:

1۔ گوندوز بیگ [Gündüz Bey]

2۔ صاوجی بیگ [Savcı Bey]

3۔ عثمان بیگ [Osman Bey]

ارطغرل کی وفات کے بعد اہل علاقہ نے اتفاقِ رائے سے عثمان بیگ کو نیا سربراہ منتخب کر لیا۔

عثمان بھی ہمیشہ سلجوقی سلطنت کی سِیادَت تسلیم کرتا رہا۔ لیکن 1291ء

میں ہلاکو خان کا پوتا گیخاتو [Gaykhatu] اناطولیہ میں سلجوقی تخت پر متمکن ہوگیا۔ اس کے بعد کئی سالوں تک تاج وتخت تاتاریوں کے ہاتھ میں رہا تو عثمان غازی نے بھی 1299ء میں آزادی اور خودمختاری کا اعلان کر کے اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا اور سکہ جاری کیا۔

ارطغرل کی وفات کے وقت ان کے زیر تسلط تمام رقبہ 4800 مربع کلومیٹر سے زائد نہ تھا۔ سلطان علاؤالدین کیقباد کی طرف سے دی گئی زمین کا رقبہ بمشکل 1000 سے 2000 مربع کلومیٹر ہوگا۔ لیکن یہ اللہ کا سلیمان شاہ کی آل پر بہت بڑا کرم تھا کہ آنے والی صدیوں میں یہ دُنیا کی عظیم ترین سلطنت بن گئی۔ اس نے 51 لاکھ مربع کلومیٹر میں وسعت پا کر دُنیا کے تین براعظموں کو اپنے اندر سمیٹ لیا اور رہتی دُنیا تک اپنا نام سنہرے حروف میں لکھ گئے۔

ارطغرل غازی کے بیٹے

صاوجی بیگ

صاروباتو [Saru Batu] کے نام سے بعض تواریخ میں ذکر کیا جانے والا صاوجی بیگ [Savcı Bey] ارطغرل کا بڑا بیٹا تھا۔ جب ارطغرل نے اپنے والد سلیمان شاہ کی وفات کے بعد چارسو خیموں کے ساتھ اناطولیہ کا رخ کیا تو اس نے اپنے بیٹے صاوجی کو سلطان علاؤ الدین کیقباد کی طرف ایلچی بنا کر قونیہ روانہ کیا۔

صاوجی بیگ نے ارطغرل کی وفات کے بعد عثمان کی سربراہی قبول کی۔ سوغوت میں اپنے والد اور بعدازاں اپنے بھائی کا ہر موقع پر ساتھ دیا۔ عثمان غازی اور اس کے مابین کبھی جانشینی کے مسئلے پر کوئی اختلاف سامنے نہیں آیا۔[1]

کوسہ داغ کی جنگ کے بعد سلجوقیوں کا زوال شروع ہوگیا اور شکست کے نتیجے میں منگول تسلط کے سبب سلطنت ضعیف ہوگئی۔ اس کے نتیجے میں بازنطینیوں کے خلاف بھی کوئی بڑی جنگ رونما نہیں ہوئی۔ قائی قبیلہ بھی پرامن

[1] Islam ans. M. Tayyip Gökbilgin. Savcı. Cilt 10. Page 250-251

طریقے سے سوغوت میں آباد رہا۔[1]

ارطغرل کی وفات کے بعد قرب و جوار میں واقع رومی حکمرانوں نے دوبارہ شورشوں کا آغاز کر دیا جس کے نتیجے میں عثمان غازی نے جوابی کارروائیاں انجام دیں۔ انھیں میں سے ایک اینا گول کا تکفور تھا جو قائی قبیلے کی گزرگاہ پر اکثر و بیشتر حملے کر کے ان کو نقصان پہنچاتا تھا۔

1284ء میں عثمان نے قبیلے کے سرکردہ سرداروں آقچہ قوجہ، عبدالرحمٰن غازی، قونور آلپ، تورغوت آلپ اور آیقوت کو جمع کر کے مجلسِ مشاورت منعقد کی جس کے نتیجے میں اینا گول قلعے کی تسخیر کر کے اس فتنے کا خاتمہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

عثمان غازی نے ستر غازیوں کے ساتھ قلعے کی جانب حرکت کی۔ تکفور کو ان کی آمد کی خبر پہنچ چکی تھی۔ اس نے عثمان کے مقابلے پر ایک جرار لشکر روانہ کیا۔ فریقین کے مابین شدید جنگ کے نتیجے میں صاوجی کا بیٹا بای خواجہ شہید ہوگیا۔

بای خواجہ کو قلعے کی نزدیکی میں ایک ویران کارواں سرائے کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ قلعے کی طرف پیش قدمی روک دی گئی۔

اس واقعہ کے کچھ عرصے بعد قولوجہ حصار فتح ہوا۔ لوگوں نے ہتھیار ڈال دیے اور قلعہ تسخیر ہوگیا۔[2]

[1] Tacüt-Tevarih. Hoca Sadeddin Effendi. Page 26

[2] Kitab-i Cihan Numa Neşri 1. Mevlana Mehmed Neşri. Page 45

یہ دیکھتے ہوئے اینا گول اور قراجہ حصار کے تکفور عثمان کے خلاف باہم متحد ہوگئے۔ ڈوماپنچ کے قریب ہونے والی جنگ میں اگرچہ دشمن شکست کھا کر فرار ہوا لیکن اس میں صاوجی شہید ہوگیا۔ (1288) اس کی نعش کو سوغوت لاکر ارطغرل غازی کے قریب دفن کیا گیا۔

اس واقعے کو عاشق پاشازادہ نے یوں بیان کیا ہے:

"عثمان غازی کے قولوجہ حصار فتح کرنے کے بعد اس علاقے (اینا گول) کے کافر جمع ہوئے اور قراجہ حصار کے تکفور کو پیغام بھیجا گیا کہ کیوں خاموش بیٹھے ہو؟ یہ دیکھتے ہوئے بھی کہ تمھیں اور تمہاری نسل کو اسیر بنایا جا رہا ہے۔ یہ لوگ تمہاری سرزمین تمہارے ہاتھوں سے چھین رہے ہیں، برباد کر رہے ہیں۔ یہ ترک ایک جگہ ٹھہرنے والے نہیں ہیں جو ہم ان سے تعلقات بناتے پھریں۔ اگر ابھی ان کو نہ روکا گیا تو بعد میں پشیمانی سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔

انھوں نے تکفور کے بھائی فلانوز کی قیادت میں مشترکہ لشکر تیار کیا۔ عثمان نے بھی غازیوں کو ساتھ لیا۔ ایکیچے نامی مقام پر جنگ ہوئی۔ عثمان غازی کا بھائی اس جنگ میں شہید ہوگیا۔ یہ واقعہ 1286ء سے 1288ء کے درمیان پیش آیا۔"[1]

---

[1] Tevarih-i Al-i Osman. Aşıkpaşazade. Page 12-13

تاج التواریخ کے مطابق صاوجی بیگ، ارطغرل غازی کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔[1]

ابن کمال کے مطابق اناطولیہ میں آمد کے وقت جب ارطغرل نے تاتاریوں کے خلاف سلطان علاؤ الدین کے لشکر کی مدد کی تھی، صاوجی اور گوندوز اس کے ساتھ موجود تھے۔[2]

صاوجی کی 1230ء کی دہائی میں سلطان علاؤالدین کے پاس قونیہ روانہ کیے جاتے وقت بھی ایلچی کے فرائض انجام دے پانے کی عمر میں ہونے، پچاس سال سوغوت میں رہنے اور ارطغرل غازی سے سات سال بعد وفات پانے سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ صاوجی بیگ کی عمر کم و بیش اسّی سال ہوگی۔

صاوجی کا بای خواجہ کے علاوہ ایک اور بیٹا بھی تھا جس کا نام سلیمان بیگ تھا۔[3]

سوغوت میں ارطغرل غازی کے مقبرے کے بیرونی حصے میں واقع صاوجی کا اصل مزار ہے کیونکہ تاریخی روایات کے مطابق اسے وہاں لاکر دفنایا گیا تھا۔[4] 1886ء میں سلطان عبدالحمید کے سوغوت کی طرف بھیجے گئے تحقیقاتی گروہ کی کوششوں کے نتیجے میں صاوجی کی دادی حائمہ خاتون اور دیگر مزارات کے ساتھ

---

[1] Tacüt-Tevarih. Hoca Sadeddin Effendi. Page 26

[2] Tevarih-i Al-i Osman. Ibn-i Kemal. Page 46

[3] Türkiye Tarihi . Yılnaz Öztürk. Cilt 10. Page 251

[4] Müneccembaşı Tarihi . Müneccembaşı Ahmed Dede. Page 62

صاوجی کی اصل قبر کا سراغ ملا۔ جس کے بعد سلطان عبدالحمید ثانی کی طرف سے مزار کی ترمیم کر کے اس پر کتبہ نصب کیا گیا۔ اس کتبے پر ترکی زبان میں یہ عبارت درج ہے:

تحریر: ''ھونعم الغفور، جد بزرگوار حضرت پادشاہ ارطغرل غازی
حضرت لرینگ مخدوم نجابت موسومُ عالیسی صاوجے بگ
مرحوم.... خیرات پرور سلطان غازی عبدالحمید خان ثانی
حضرت لرے نینگ جانب معالی مناقب ملوکانہ لرندن شرف
صادر اولان ارادہ سینہ منطوقجہ انشا و اعمار ایتدیریلان لحد
پرنورعالی لری دیرروحی اوچون فاتحہ۔''

ترجمہ: ''ھونعم الغفور، (عثمانیوں کے) جلیل القدر جد امجد،
اعلیٰ حضرت ارطغرل غازی کے عزیز نورِ چشم، معروف صاوجی
بیگ مرحوم.... (جو کہ) خیر پرور سلطان اعلیٰ حضرت غازی
عبدالحمید خان ثانی کے اوصافِ حمیدہ اور شاہانہ احکامات اور
ارادے کے بموجب انشا وتعمیر کی گئی لحد پرنور ہے، ان کی
رُوح کے لیے فاتحہ۔''

گوندوز آلپ

عثمان غازی کا بڑا بھائی اور ارطغرل غازی کا دوسرا بیٹا گوندوز آلپ اکثر روایات کے مطابق ان کے سوغوت آنے سے قبل پیدا ہوا تھا۔

ارطغرل غازی کی رحلت کے بعد کچھ عرصے تک گوندوز آلپ قائی قبیلے کا سربراہ رہا۔ بعدازاں یہ منصب عثمان غازی کے سپرد کر کے اس کی بیعت کر لی۔[1] ولایت نامہ از حاجی بکتاش ولی اور تواریخ سلاطین عثمانیہ از کرامانی نشانچی محمد پاشا میں بھی ارطغرل کی وفات کے بعد گوندوز کا سردار بننا مذکور ہے۔

گوندوز آلپ ایک بڑے بھائی اور وفادار ساتھی کی حیثیت سے ہمیشہ عثمان کے ساتھ رہا اور اس کے ہر فیصلے میں اس کی حمایت اور مدد کی۔ کبھی کسی موضوع پر ان کا اختلاف ہونا نہیں دیکھا گیا۔ عثمان غازی تمام امور اور مسائل میں اس سے مشورہ لے کر عمل کرتا۔ قراجہ حصار کی فتح کے چند مدت بعد عثمان نے گوندوز کو بلا کر پوچھا:

''آپ کی کیا رائے ہے، ہم مزید ممالک کیسے فتح کریں؟ کیا اقدامات انجام دینے چاہئیں کہ ہماری عسکری قوت میں اضافہ ہو سکے؟''

گوندوز نے جواب دیا:

''جوار میں موجود قبائل پر یورش کی جائے۔ ان کو اسیر کریں تاکہ وہ اطاعت کے لیے آمادہ ہو جائیں۔''

عثمان نے کہا:

''ایسا کرنا نقصان دہ ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اطراف کے علاقوں

---

[1] Osmanlı Devletinde Kim Kimidi. Mehmed Süreyaa. Page 117

اور باشندوں کو کمزور کرنے سے ہمارا قراجہ حصار مضبوط و
مامور نہیں ہوگا۔ بہتر یہی ہوگا کہ ہم اپنے ہمسایوں کے ساتھ
اچھے روابط برقرار کریں اور دوستی کا ہاتھ بڑھائیں۔''[1]

1301ء میں عثمان غازی نے قراجہ حصار کی حکمرانی اپنے بیٹے اورخان کو سپرد کی اور بھائی گوندوز آلپ کو وہاں کا سپہ سالار بنایا۔ بعض تواریخ کے مطابق گوندوز کو اسکی شہر کا حاکم بنایا گیا۔[2]

1301ء کے بعد گوندوز آلپ کی زندگی کے متعلق تفصیلی معلومات کم ہیں۔

گوندوز آلپ کے ''آی دوغدو'' اور ''آق تیمور'' نامی دو بہادر بیٹے تھے۔ آی دوغدو 1307ء میں قویون حصار کی جنگ کے دوران شہید ہوا۔ آق تیمور کا بورصہ کی فتح میں شریک ہونا مذکور ہے۔

گوندوز آلپ نے آخری عمر میں بڑھاپے کے سبب امور سلطنت سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور 1306ء میں وفات پائی۔[3]

---

[1] Tevarih-i Al-i Osman. Aşıkpaşazade. Page 16

[2] Oruç Bey Tarihi. Oruç Bey. Page 29 (Karacahisar).

[3] Islam Ans. Cilt 9. Page 437 (Eski şehir).
Osmanlı Develti Tarihi 1. Joseph Von Hammer. Page 72

عثمان غازی

ارطغرل غازی کا تیسرا بیٹا عثمان غازی 1258ء میں پیدا ہوا۔ یہ دولت عثمانیہ کا بانی اور سلطنت عثمانیہ کا پہلا تاجدار بنا اور غازی سلطان عثمان خان اوّل کہلایا۔ ارطغرل غازی کو رویائے صادقہ اور اولیائے حق کے ذریعے ایک باسعادت بیٹے کے دُنیا میں آنے کی بشارت بہت پہلے سے دی جا چکی تھی۔ اس کی پیدائش کے موقع پر سوغوت میں عظیم الشان جشن کا انعقاد کیا گیا۔ ہر خاص و عام کو دعوتِ عام دی گئی۔ اس کا نام عثمان رکھا گیا اور پیار سے اسے عثمان جیق (ننھا عثمان) پکارا جاتا تھا۔ اس کا بچپن سوغوت میں گزرا۔ اکثر اوقات والد کے ساتھ قونیہ کے سفر میں ساتھ شامل ہوتا۔

ارطغرل کی وفات کے بعد 23 سال کی عمر میں اس کا جانشین منتخب ہوا۔ سلجوقی سلطان نے بھی ایک فرمان جاری کر کے اسے اوچ بیگی تسلیم کر لیا۔ عثمان غازی نے 45 سال تک فرمانروائی کی اور تورغوت آلپ، عبدالرحمٰن غازی، سامسا چاووش اور قونور آلپ جیسے مثالی کمانڈروں کے جنگی فنون میں رہنمائی کے ساتھ شیخ ادیبالی، تورسون فقیہ اور اخی شمس الدین جیسے علما و اہلِ بصیرت کے روحانی علم سے بھی فیض یاب ہوا۔

اولین عثمانی مؤرخ، احمدی نے ''تواریخ ملوک آل عثمان'' نامی اپنی منظوم تاریخ میں عثمان کے متعلق یہ اشعار کہے ہیں:

Oldı Osman bir ulu gazi kim ol
Nereye kım vardıyise buldı yol
Her yana berbıdı bır bölük çeri
Ki el uralarö katl edeler kafiri
Bilecügi feth etdi ol namdar
İnegöl ile dahi köprihisar
Durmadı, her yana leşker saldı ol
Az zamanda çok vilayet aldı ol
Kafiri yıkub yakub ol namdar
Bursa vü iznıgı eyledi hisar
Eyle Takdir etdı Hak azze ve cel
'Ki almadan ol ikiyi erdı ecel

''عثمان ایک عظیم غازی بن کر ابھرا جس نے
جہاں قدم رکھا وہاں اپنے لیے راستہ استوار کر لیا
ہر سمت سپاہیوں کے دستے روانہ کیے
تا کہ وہ مزید سرزمین فتح کر کے کفار کو قتل کریں
اس نامدار و معروف سردار نے بیلاجیک کو فتح کیا
اینا گول اور اس کے بعد کوپری حصار
وہ نہیں ٹھہرا، ہر جگہ لشکر کشی کی

Osmanlı Tarihleri. Ahmedi. Tevarih-i Mülük-i Al-i Osman. Page 9[1]

کم مدت میں زیادہ ملکوں کو زیر کیا
کفار کو تاخت و تاراج کر کے اس بلند نام نے
بروصہ اور ازنیک کا محاصرہ کیا
اللہ عز و جل کو یہی منظور تھا
کہ ان دونوں (شہر) فتح کرنے سے پہلے اسکی
موت واقع ہوگئی۔''

مالِ غنیمت میں ہاتھ آنے والا تمام مال و زرحق داروں میں تقسیم کرتا، تمام عمر بیت المال سے اپنے لیے کچھ نہ لیا۔ اس کی قلمرو میں سوغوت، اسکی شہر، قراجہ حصار، حارمان قایا، بیلاجیک اور یارحصار جیسے اہم شہر شامل تھے۔ عثمان غازی غیر مسلم رعایا میں بھی ہر دلعزیز رہا۔ وہ اپنی شجاعت و لیاقت کے ساتھ ساتھ عدل و انصاف میں بھی ثانی نہیں رکھتا تھا۔ اِنہیں خداداد صلاحیتوں کے سبب بہت کم عرصے میں اپنے سے کئی گنا بڑی ریاستوں اور امارات کو زیر کر کے سلطنت کی ٹھوس بنیادیں رکھیں اور دُنیا کے طاقتور ترین حکمرانوں میں سے ایک ہوا۔ ادریس بتلیسی نے ہشت بہشت میں عثمان غازی کو ''ابوالمجاہدین و المغازی'' کا خطاب دیے جانے کا ذکر کیا ہے۔[1]

اس نے اپنی سیاسی بصیرت کا استعمال کرتے ہوئے ایلخانیوں اور دیگر ترک آزاد ریاستوں کے خلاف کوئی حملے نہیں کیے اور اپنی تمام تر توجہ مغرب میں

İdrisı bitlisı. Heşt Behişt. nr. 928. vr. 43a[1]

بازنطینیوں کے خلاف مرکوز کی۔ صرف ڈیڑھ صدی میں یہ سلطنت، دُنیا کی سُپر پاور بن گئی اور 1517ء کے بعد حجاز و مصر کی فتح کے بعد خلیفۃ المسلمین کا عہدہ بھی اِنہیں ترکوں کو نصیب ہوا جس سے وہ نہ صرف سیاسی طور پر بلکہ مذہبی نقطہ نظر سے بھی تمام عالمِ اسلام کے روحانی و مذہبی رہنما بن گئے۔ 1967ء میں شائع شدہ کتاب ''ترکانِ عثمانی'' میں ڈاکٹر محمد صابر لکھتے ہیں:

''ہندوستان، پاکستان اور افغانستان کی بعض مساجد میں آج تک ترکی سلطان کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا ہے۔''[1]

تواریخ کی رو سے عثمان غازی کے دو نکاح ہوئے۔ پہلی اہلیہ شیخ ادیبالی کی بیٹی بالا خاتون تھی اور دوسری زوجہ کا نام مال خاتون بنت عمر بیگ بتایا جاتا ہے۔ اس کے جانشین ''اورخان'' کے علاوہ علاؤالدین بیگ، بازارلو، چوبان، ملک اور حمید نامی بیٹے اور فاطمہ نامی ایک بیٹی بھی تھی۔[2]

اس کی وفات سے تین ماہ قبل شیخ ادیبالی اور بالا خاتون بھی وفات پاگئے تھے۔ عثمان نے ان کو اپنے ہاتھوں سے سپردِ خاک کیا۔ 1326ء میں عثمان غازی نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا۔ ان کی تجہیز و تکفین کی ذمہ داریاں قرا خلیل اور یاخشی فقیہ نے انجام دیں۔ اولاً ان کو سوغوت میں دفن کیا گیا۔ بورصہ کی فتح کے بعد عثمان غازی کی وصیت کے مطابق ان کو بورصہ میں گوموشلو گنبد لاکر سپردِ خاک

---

[1] ترکانِ عثمانی: جلد اول، ڈاکٹر محمد صابر، صفحہ 23

[2] Kayı 1. Prof Ahmet şimşirgil. Page 49

کیا گیا۔

ان کا موجودہ مقبرہ 1868ء میں سلطان عبدالعزیز کی طرف سے تعمیر کیا گیا۔ ان کے مزار کے احاطے میں عثمانی خاندان سے منسوب 17 قبریں موجود ہیں جن میں ان کے بیٹے علاؤالدین بیگ (1331ء)، سلطان مراد کے بیٹے صاوجی (1385ء)، اورخان غازی کے بیٹے ابراہیم بیگ اور زوجہ اسپورجہ خاتون کی قبریں تصدیق شدہ ہیں۔ دیگر کے متعلق حتمی طور پر معلومات ناپید ہیں۔

عثمان غازی نے اپنی وفات سے قبل اپنے چھوٹے بیٹے اورخان کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا، اورخان کی عمر اس وقت 42 سال تھی اور وہ فن سپہ گری میں عثمان کے زیرِ نگرانی مہارت اور کمال حاصل کر چکا تھا۔

ارطغرل کے جانثار سپہ سالار

اور غازیانِ سلطنت عثمانیہ

ارطغرل کے ساتھیوں اور عثمانی سلطنت کے ابتدائی غازیوں کے نام عثمانی مؤرخ مصطفیٰ علی (1600ء - 1541ء) نے اپنی کتاب میں لکھے ہیں جو درج ذیل ہیں:

"آقچہ حاجی، تورغوت آلپ، آیقوت آلپ، حسن آلپ، سالتوق آلپ، سامسا چاووش اور اس کا بھائی سلیمش چاووش، عبدالرحمٰن غازی، آقباش، محمود آلپ، قرا اوغلن، قرا مرسل، بخشلو قرا تکہ، شیخ محمود، تارغال، مہمار اور قراتکین، کوگتون آلپ۔"

مؤرخ منجم باشی نے بعض ناموں کے اضافے کے ساتھ معروف سپہ سالاروں کا ذکر یوں کیا ہے:

"آقچہ قوجہ، تورغوت آلپ، آیقوت آلپ، حسن آلپ، سالتوق آلپ، سامسا چاووش اور اس کا بھائی سلیمان چاووش، غازی عبدالرحمٰن، آق باش، محمود آلپ، قرا اوغلان، قرا مرسل، یاخشلو قرا بگہ، شیخ محمود، تالا غال، مہماد، قراتکین، قونور آلپ۔"[1]

ان سپاہیوں میں سے اکثر ارطغرل کے تیسرے بیٹے اور خلافتِ عثمانیہ کے بانی عثمان غازی کے ساتھ بھی جنگوں میں شریک رہے۔ بعض کی اولادیں نسل در نسل عثمانی سلاطین کے دربار میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہیں۔

دراصل ارطغرل کی معیت میں تجربہ اور مہارت سے بہرہ مند ہونے والے یہ غازی ہی تھے جن کے صبر، شجاعت، فراست، عشقِ خدا، آرزوئے شہادت، صداقت اور بلند ارادوں کے سبب عثمان غازی کے ہاتھوں عظیم سلطنت کی تشکیل ممکن ہوئی۔

تورغوت آلپ

تورغوت آلپ ارطغرل غازی، عثمان غازی اور بعدازاں اورخان غازی کے قریب ترین ساتھیوں میں سے ایک تھا۔ تورغوت کی ابتدائی زندگی کے متعلق معلومات کم ہیں۔ بازنطینی تواریخ میں بھی تورغوت آلپ کا نام کثرت سے آتا ہے۔

---

[1] Müneccembaşı Tarihi. Müneccembaşı Ahmed Dede. Page 55

تورغوت آلپ نے بہت لمبی عمر پائی تھی۔ اس سبب کئی فتوحات میں ارطغرل کی معیت میں اہم کردار ادا کیے۔ عثمان غازی کے زمانے میں بھی تورغوت آلپ کے ہاتھوں کئی قلعے فتح ہونے کا ذکر ہے۔ ارطغرل غازی کے پوتے اور سلطنت عثمانیہ کے دوسرے حکمران اورخان غازی کے ساتھ بھی فتوحات میں شریک ہوئے۔

ارطغرل غازی اور عثمان غازی کو ترکوں کے قشلاق، سوغوت سے ڈوماپنچ جاتے ہوئے اینا گول کے قریب قلوجہ حصار [Kulucahisar] کے راستے سے گزرنا پڑتا تھا۔ عثمانی ماخذات کے مطابق یہاں کا تکفور ان لوگوں کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرتا اور مشکلات پیدا کرتا تھا۔ تورغوت آلپ نے 1285ء میں قلوجہ حصار کو تسخیر کر کے راستے کے امن و امان کو برقرار کیا۔ اس جنگ میں عثمان غازی کے بھائی سارو باتو (صاوجی) کا بیٹا بای خواجہ شہید ہوگیا۔

قلوجہ حصار کی فتح کے بعد خطے کے باسیوں کے علاوہ دیگر دیاروں سے کثیر تعداد میں ترکمانوں کے آنے کے بعد عثمان غازی نے 1299ء میں اپنی قلمرو کی وسعت میں اضافہ کیا اور اینا گول کے تکفور اور دیگر علاقائی بازنطینی قوتوں کے مشترکہ اتحاد کو شکست دے کر بیلاجیک، اینا گول اور یارحصار کو فتح کیا۔

1299ء میں عثمان غازی نے بیلاجیک قلعے کی طرف پیش قدمی کرتے وقت لشکر کا ایک حصہ تورغوت کے ساتھ شامل کر کے اینا گول قلعے کی تسخیر کے لیے روانہ کیا۔ تورغوت نے اینا گول کا محاصرہ کر لیا۔ دوسری طرف عثمان غازی بھی بیلاجیک اور یارحصار کو فتح کر کے تورغوت کے ساتھ اینا گول کے محاصرے میں

شامل ہو گیا۔ 1299ء کے اواخر میں یہ مہم کامیابی کے ساتھ سر ہوئی اور قلعے کا عیسائی تکفور آیا نیکولا [Aya Nikola] مارا گیا۔[1]

عثمان غازی نے فتح میں اہم کردار ادا کرنے والے تورغوت آلپ کو اینا گول کے علاقے تیمار[2] کے طور پر عطا کیے۔ یہ علاقے عرصۂ دراز تک ''تورغوت ایلی'' یا ''تورغوت لار'' کہلاتے رہے۔

1302ء میں اینا گول کی حکمرانی پر تورغوت آلپ کو مامور کیا گیا۔

تورغوت آلپ، اورخان غازی اور گیکلی بابا

عثمان غازی کے بعد تورغوت آلپ، اورخان غازی کے ساتھ 1325ء میں بورصہ کے جنوبی علاقے اٹرانوس [Atranos] کی فتح میں بھی شریک رہا۔ بورصہ شہر کو فتح کرنے کی عثمان غازی کی بہت آرزو تھی لیکن یہ خوشی اس کے بیٹے کو نصیب ہوئی۔ اٹرانوس کی فتح کے بعد اس کو اورخان ایلی [Orhaneli] کہا جانے لگا۔ اب بھی اس علاقے کا یہی نام ہے۔[3]

اینا گول میں قیام کے دوران تورغوت آلپ نے وہاں کے مشہور درویش

---

[1] Tevarih-i Al-i Osman. Aşıkpaşazade. Page 16

[2] تیمار سلطنت عثمانیہ میں رائج قوانین میں سے ایک تھا۔ کسی خاص کارنامے کے عوض ایک شخص یا گروہ کو مالیات کی وصولی کے لیے مخصوص علاقہ دیا جاتا تھا۔ تیمار کی سالانہ آمدنی بیس ہزار آقچہ (عثمانی کرنسی) سے کم ہوتی تھی۔

[3] Tevarih-i Al-i Osman. Ibn-i Kemal. Page 183-184

گیکلی بابا [Geyikli Baba] (ہرن والے بابا) سے ملاقات کی اور انھیں اورخان غازی سے متعارف کروایا۔ تورغوت آلپ، بابا کے خاص مریدوں میں سے تھے۔ بورصہ کی فتح میں بھی گیکلی بابا کا شریک ہونا مذکور ہے۔

گیکلی بابا (دورِ حیات: 1350ء-1275ء) خراسان سے آئے تھے۔

اس دور کے معروف صوفی شاعر یونس ایمرے [Yunus Emre] کے ایک شعر کے مطابق گیکلی بابا کا اصل نام حسن ہے۔[1] ایک اور روایت میں ان کا نام علوی بابا ہونا مذکور ہے۔[2]

بورصہ کی فتح میں ہرن پر سوار ہو کر آنے یا ان کی خانقاہ میں ہرن کثیر تعداد میں ہونے کے سبب ان کا نام گیکلی بابا (گیک-لی؛ یعنی ہرن والا) پڑا۔ عاشق پاشازادہ نے اس کے متعلق یوں روایت کی ہے:

"اورخان غازی نے تورغوت آلپ سے کشیش داغ (اولوغ تاغ) میں رہنے والے درویشوں کے متعلق دریافت کیا۔ تورغوت نے ایک آدمی بھیج کر پیغام دیا: "یہاں قرب و جوار سے چند درویش تشریف لائے اور مقیم ہوئے۔ ان کے درمیان ایک درویش ہے، کبھی کبھی پہاڑوں کی طرف جاتا اور ہرنوں کے ساتھ کئی روز گزارتا ہے، بہت مبارک شخصیت ہے۔"

---

[1] Yunus Emre Divanı. Yunus Emre. Page 299

[2] Güldese-i Riyaz-i-Irfan. Ismail Beliğ. Page 220-221

اورخان غازی حیران ہوا اور کہا: "یہ کس کا مرید ہے؟ اس سے دریافت کریں۔"

تورغوت نے معلوم کرنے کے لیے گیکلی کے پاس افراد بھیجے۔ گیکلی نے کہا: "بابا الیاس کا مرید ہوں۔ سید ابوالوفا کی طریقت پر۔"

یہ سن کر اورخان غازی نے بابا کو اپنے پاس تشریف لانے کی دعوت دی۔ لیکن گیکلی نے آنے سے انکار کر دیا اور کہا: "خبردار! اورخان بھی یہاں نہ آئے۔"

اورخان غازی یہ پیغام پا کر تشویش میں پڑ گیا اور سوچا کہ کیا سبب ہوسکتا ہے کہ انھوں نے انکار کر دیا اور مجھے بھی آنے سے منع کیا؟

پھر کہا: "درویش حضرات صاحبِ بصیرت ہوتے ہیں۔ ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے، مناسب وقت پر وہ عمل انجام دیتے ہیں تاکہ ان کی دعائیں بھی مقبول ہوسکیں۔"

ایک روز گیکلی بابا اطلاع دیے بغیر اورخان غازی کے محل میں پہنچ گئے اور اپنے ساتھ لایا ایک چنار کا پودا صحن میں لگا دیا۔

اورخان غازی مطلع کیے جانے پر فوراً وہاں پہنچا اور گیکلی کا لگایا ہوا پودا دیکھا۔ اس سے پہلے کہ اورخان کچھ کہتا، گیکلی بابا نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا: "یہ ہماری طرف سے تبرک

ہے۔ جب تک یہ پودا یہاں رہے گا، درویشوں کی دعائیں آپ اور آپ کی نسل کے لیے مقبول و مستجاب رہیں گی۔'' یہ کہہ کر دعا دی اور چلے گئے۔

اورخان غازی اس سے بہت متاثر ہوا اور گیکلی بابا کے پیچھے پیچھے ان کی اقامت گاہ پہنچا اور یوں مخاطب ہوا: ''حضرت! اینا گول اور گرد و نواح کے مکمل علاقے آپ کو سپرد کرنا چاہتا ہوں۔''

گیکلی بابا نے جواب دیا: ''ملک و مال حق تعالیٰ کا ہے۔ قابلیت رکھنے والوں کو ہی دیتا ہے۔ ہم اس کے اہل نہیں ہیں۔''

اورخان نے پوچھا: ''اہل کون ہیں؟''

فرمایا: ''حق تعالیٰ نے دُنیا کی مملکت آپ جیسے خوانین کو بخشی ہے۔ مال و دولت بھی اس میں مہارت رکھنے والوں کو نصیب کی تاکہ بندے ایک دوسرے کے مددگار ہوسکیں۔ ہمارے ایام اور رزق مقرر ہیں۔''

لیکن اورخان غازی نے اصرار کرتے ہوئے کہا: ''محترم درویش! کیا ہی اچھا ہو اگر میری درخواست قبول کر لیں۔''

گیکلی بابا نے اس کے جواب میں فرمایا: ''تمہارے سامنے موجود یہ پہاڑی درویشوں کے لیے قبول کر لیتا ہوں۔''

اورخان غازی یہ سن کر خوش ہوا اور شیخ کی دعائیں لے کر وہاں سے رخصت ہوا۔''[1]

گیکلی بابا نے 1350ء میں وفات پائی۔

اورخان غازی کی طرف سے بابا کا مزار بورصہ میں بنایا گیا اور اس علاقے کا نام ''گیکلی بابا قریہ سی'' پڑ گیا۔ پندرہویں صدی عیسوی کی ایک عثمانی تحریر میں اس نام کا ذکر ملتا ہے۔

موجودہ زمانے میں یہ مقبرہ بورصہ شہر کے قریب ''بابا سلطان'' نامی گاؤں میں واقع ہے۔ مقبرے کے ساتھ ہی ایک مسجد بھی موجود ہے جس میں ایک بلند و بالا چنار کا درخت واقع ہے۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جس روز گیکلی بابا نے اورخان کے محل میں پودا لگایا، اسی روز واپس آنے کے بعد یہاں بھی چنار کا پودا لگایا تھا جو کہ آج بھی موجود ہے۔

تورغوت آلپ کے 1335ء - 1334ء میں زندہ ہونے کا ذکر موجود ہے لیکن اُس وقت تک تورغوت کی عمر بہت زیادہ ہوچکی تھی۔

تورغوت آلپ کی وفات کے بعد اینا گول کا نام تورغوت ایلی رکھا گیا۔ ابتدائی عثمانی مؤرخین میں سے نشری اور عاشق پاشازادہ نے اس علاقے کا نام تورغوت ایلی لکھا ہے۔ سولہویں صدی عیسوی تک یہ اسی نام سے موسوم رہا۔

سوغوت میں ارطغرل غازی کے مزار کے باہر واقع باغ میں تورغوت

---

[1] Tevarih-i Al-i Osman. Aşıkpaşazade. Page 122

آلپ کے نام کی ایک قبر موجود ہے۔ لیکن یہ اعزازی قبر ہے۔ تورغوت کا اصل مقبرہ صوبہ بورصہ میں اینا گول شہر کے قریب تورغوت آلپ نامی گاؤں کے ایک قبرستان میں واقع ہے۔ ان کی قبر پر موجود لوح پر یہ عبارت درج ہے:

''عثمان غازی کے قریبی عسکری ساتھی کی حیثیت سے آقیازی، دوزجہ اور مودورنو کی فتوحات میں اہم کردار ادا کیا۔ (یہ تینوں علاقے موجودہ ترکی کے شہر ہیں۔) عثمان غازی کا ہم پلہ آلپ، تیر اندازی و تلوار بازی میں خاص مہارت رکھتا تھا۔ اعلیٰ خصوصیات اور بہترین شخصیت کا مالک ہونے کے سبب ہر دلعزیز تھا۔ تورغوت آلپ کی اصل وجہ شہرت اینا گول اور گردونواح کی فتح کو ممکن بنانے کے سبب ہے۔ قدیم عثمانی ماخذات میں بھی اس منطقے کو ''تورغوت ایلی'' کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔''

چند روایات کے مطابق تورغوت آلپ نے آخری عمر میں ایک جنگ کی تیاری کے دوران بیماری کے سبب یا جنگ میں زخمی ہو کر وفات پائی اور گینجی کے قریب چار صنوبر کے درختوں والے مقام پر دفن کیا گیا۔

سامسا چاووش

سامسا چاووش [Samsa Chavush] ارطغرل غازی کے قریبی ساتھیوں اور دوستوں میں سے ایک تھا۔

1231ء میں ارطغرل غازی کے ساتھ سامسا چاووش کا قبیلہ بھی سوغوت آکر آباد ہوا۔ یہ بھی قائی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی آبادی زیادہ ہونے کے سبب مودورنو [Mudurnu] نامی علاقے میں جا کر آباد ہوئے۔ سامسا چاووش اپنے قبیلے کا سربراہ بنا۔[1]

ارطغرل غازی کی ہدایت پر سامسا نے اپنے قبیلے کے ساتھ ڈومانیچ میں جبل آرمینیا کے علاقے میں کُوچ کیا اور وہاں مقیم ہوگیا۔

سامسا عثمانیوں میں ''چاووش'' (سارجنٹ) کا لقب استعمال کرنے والا پہلا شخص تھا۔ اسے رومی زبان پر بھی مکمل عبور حاصل تھا۔ نشری اور خواجہ سعد الدین کے مطابق سرحدی علاقوں میں آباد بازنطینیوں کے ساتھ اس کے دوستانہ روابط قائم تھے۔

1281ء میں ارطغرل غازی کی وفات کے بعد جب عثمان غازی اپنے والد کا جانشین منتخب ہوا تو سامسا نے بھی اپنی تمام تر جمعیت کے ساتھ عثمان کی حمایت کا اعلان کیا۔ عثمان نے سامسا کو ساکاریہ [Sakarya] کے علاقوں میں منتقل ہوجانے کو کہا۔

1292ء میں عثمان غازی نے ساکاریہ کے سفر میں اپنے والد کے دوست سے ملاقات کی۔ سامسا ساکاریہ اور نواح سے واقف تھا۔ اس نے اپنی ماتحت سپاہ کے ساتھ عثمان غازی کا ساتھ دیا جس کے سبب عثمان غازی کی عسکری طاقت میں مزید اضافہ ہوا اور سورقون، گوینوک [Goynuk] اور تاراکلی [Tarakli]

---

[1] Tevarih-i Al-i Osman. Aşıkpaşazade. Page 100

نامی علاقے باآسانی فتح ہوئے۔[1]

سامسا چاووش نے ازنیق اور سورقون کی فتح میں عثمان غازی کی ہمراہی کی۔ تواریخ آل عثمان کے مطابق عثمان غازی کے 1305ء میں ساکاریہ کی طرف دوسرے سفر میں دوبارہ سامسا چاووش سے ملاقات ہوئی اور اس کی مدد سے لیف کے اور چادرلی قلعوں کا محاصرہ کیا گیا۔ شدید جنگ کے بعد بالآخر دونوں تکفور اطاعت پر آمادہ ہوئے اور قلعے عثمان غازی کے سپرد کر دیے۔ فتح کے بعد سامسا چاووش نے عثمان غازی سے کہا:

"اے میرے خاقان! اِس ولایت (صوبے) کا انتظام
میرے سپرد کر دیں تاکہ یہ دوبارہ سرکشی کرنے کی جرات نہ کر
سکیں۔"

عثمان غازی نے جواب دیا:

"مفتوحہ قلعوں کو دوبارہ انھی تکفوروں کو دے دیا جائے۔ اگر
ہم نے ہماری بیعت کرنے والوں کا مال و ملک ان سے
چھین لیا، تو یہ دوبارہ سر اٹھا سکتے ہیں۔"

لیکن عثمان نے سامسا چاووش کی درخواست کو بھی ردّ نہیں کیا اور لیف کے قلعے[2] [Lefke] کے قریب ایک علاقہ اس کے سپرد کیا۔ موجودہ زمانے میں یہ علاقہ

---

[1] Kitab-i Cihan Numa Neşri. Mevlana Mehmed Neşri. 91-93

[2] موجودہ عثمان ایلی (Osmaneli) شہر

"سامسا چاووش" کہلاتا ہے۔[1]

عثمان غازی کے بعد اورخان غازی کی قیادت میں سامسا چاووش نے کوپرو حصار [Kopruhisar] اور مال تپہ [Maltepe] کی مہمات کامیابی کے ساتھ سر کیں۔ مال تپہ کا معرکہ مغربی تاریخ میں جنگ پیلی کینن [Battle of Pelekanon] کے نام سے مشہور ہے۔ اس جنگ میں اورخان کو فتح ہوئی اور بازنطینیوں کی اناطولیہ میں مدافعت رک گئی۔

اورخان غازی کے زمانے میں قراتکین [Kara Tekin] قلعے کی فتح کے بعد اس کی حکمرانی بھی سامسا چاووش کو دی گئی۔[2]

سامسا چاووش نے 1330ء میں وفات پائی۔ سوغوت میں ارطغرل کے مقبرے کے بیرونی باغیچے میں ان کی ایک اعزازی قبر موجود ہے۔

سامسا سے منسوب ایک اور مزار بورصہ صوبے میں اینا گول شہر سے پندرہ کلومیٹر دُور چاووش کوے [Çavuşköy] نامی گاؤں میں بھی موجودہ ہے۔ اس مزار کی تعمیرِ نو مقامی انتظامیہ نے حالیہ برسوں میں کی ہے۔

تاہم سامسا چاووش کا اصل مزار مودورنو قصبے کے قریب حاجی موسیٰ لار [Hajimusalar] نامی گاؤں میں واقع ہے۔ یہ گاؤں سامسا چاووش نامی گاؤں کے قریب ہی واقع ہے۔

---

[1] Osmanlı Tarihleri. Tevaih-i Al-i Osman. Aşıkpaşazade. Page 107

[2] Kayi 1. Ahmed Şimşirgil. Page 45

عبدالرحمٰن غازی

سلطنت عثمانیہ کی بنیاد میں اہم کردار ادا کرنے والے مجاہد عبدالرحمٰن آلپ، ارطغرل غازی کے وفادار سپاہی اور آئیڈوس [Aydos] قلعے کے فاتح تھے۔ اس قلعہ کے کھنڈر استنبول کے مضافات میں سلطان بے لی [Sultanbeyli] نامی علاقے میں ایک پہاڑی پر واقع ہیں۔

عبدالرحمٰن آلپ نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ جہاد فی سبیل اللہ میں صَرف کیا اور غازی کا لقب پایا۔ ارطغرل غازی کی وفات کے بعد ان کے بیٹے عثمان غازی اور پھر اورخان غازی کے زمانۂ حکومت میں بھی قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔ ان کا شمار سرکردہ ساتھیوں اور سپہ سالاروں میں ہوتا تھا۔

عبدالرحمٰن غازی نے عثمان غازی کے زمانے میں آقچہ قوجہ [Akça Koca] کے ساتھ سارکاریہ کا مغربی علاقہ قلعہ ازمیت تک فتح کیا جسے آقچہ قوجہ سے منسوب کرکے قوجہ ایلی [Kocaeli] کا نام دے دیا گیا۔ بورصہ کی فتح تک بازنطینی سرحدوں پر اوچ بیگی کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے رہے۔ بورصہ کے دفاع کے لیے قسطنطنیہ سے آنے والے بازنطینی عسکری دستوں کو آگے بڑھنے سے روکے رکھا اور ان کو مغلوب کرکے فرار کرنے پر مجبور کیا۔

1327ء یا 1328ء میں آئیڈوس قلعے کو فتح کرنے کے لیے اورخان غازی کی طرف سے ان کو سپہ سالار بنا کر روانہ کیا گیا۔ ان کے ساتھ قونور آلپ بھی شامل تھا۔ آئیڈوس قلعے کے تکفور کی ایک بیٹی تھی۔ اس نے ایک رات خواب

میں خود کو ایک گہرے کنویں میں گرتے دیکھا۔ بہت چیخ و پکار کرتی رہی، لیکن کوئی مدد کو نہ آیا۔ قریب تھا کہ دَم گھٹنے کے سبب مرجاتی کہ اسی اثنا میں ایک لطیف اور نورانی چہرے والا آدمی نظر آیا۔ اس نے شہزادی کو کنویں سے نکال کر اس کی جان بچائی۔ نیند سے بیدار ہونے کے بعد بھی شہزادی کو وہ چہرہ یاد رہا۔

اس کے چند روز بعد مسلمانوں کی طرف سے آئیڈوس کا محاصرہ شروع ہوا۔ قلعے کی دیواریں بلند اور مضبوط تھیں جس کے سبب محاصرہ طول پکڑتا گیا۔ شہزادی دشمن کی قوت کا جائزہ لینے اور جنگ میں حصہ لینے کے لیے قلعے کے بالائی حصے پر آئی۔ ترکوں کی فوج کے سپہ سالار عبدالرحمٰن آلپ پر اس کی نظر پڑنے پر وہ چونک اٹھی۔ یہ وہی چہرہ تھا جس نے خواب میں اس کو اندھیرے کنویں سے نجات دی تھی۔

شہزادی اس پر عاشق ہوگئی۔ اس نے خفیہ طور پر یونانی زبان میں ایک خط لکھا اور اسے پتھر پر باندھ کر قلعے سے باہر پھینکا۔ یہ خط عبدالرحمٰن غازی کے پاس پہنچا۔ اس نے خط کو پڑھوایا تو اس میں قلعے میں داخل ہونے کا خفیہ راستہ درج تھا۔ شہزدی نے ایک مقررہ وقت پر چند سپاہیوں کے ساتھ قلعے کے ایک حصے پر آنے اور ان کی مدد کرنے کی یقین دہانی کروائی۔

عبدالرحمٰن غازی نے آیقوت آلپ اور قونور آلپ کے مشورے سے اس خط کے مطابق عمل کرنے کا فیصلہ کیا۔ ایک رات اسّی غازیوں کے ساتھ عبدالرحمٰن غازی شہزادی کی بتائی ہوئی جگہ پر پہنچا۔ شہزادی وہاں پہلے سے موجود تھی۔ اس نے اوپر سے رسی پھینک کر ان کے قلعے میں داخل ہونے کی راہیں آسان کر

دیں۔ اس کے نتیجے میں انھوں نے خاموشی سے اندر کی طرف سے قلعے کے دروازوں پر موجود محافظوں کو قتل کر کے دروازے کھول دیے اور اسلامی لشکر شہر میں داخل ہوگیا۔ صبح ہونے پر یہ مکمل طور پر مسلمانوں کے ہاتھ آچکا تھا۔

عبدالرحمٰن غازی نے تکفور اور اس کی بیٹی کو مال غنیمت کے ساتھ اورخان کے حضور میں پیش کیا۔ اورخان غازی نے تکفور کی اسلام قبول کرنے والی بیٹی کو عبدالرحمٰن غازی کے نکاح میں دے دیا۔ ان کا بیٹا ہوا جس کا نام قراجہ عبدالرحمٰن رکھا گیا۔ یہ بھی اپنے والد کی مانند شجاع اور نامور سپہ سالار بنا۔ اس کی شہرت رومی علاقوں میں دور دور تک پھیل گئی۔ اورخان غازی نے ازمیت کی مہم میں عبدالرحمٰن غازی کو لشکر کا سپہ سالار مقرر کر کے روانہ کیا۔ ان کی کوششوں سے عیسائیوں کا اہم مرکز کہلائے جانے والا ازمیت شہر بھی عثمانی حدود کا حصہ بن گیا۔[1]

عبدالرحمٰن غازی نے تمام عمر میدانِ جنگ میں اپنے زورِ بازو پر شجاعت کی داستانیں رقم کر کے کئی شہر فتح کیے، جس کے سبب ان کا نام آج تک زندہ ہے۔ عبدالرحمٰن غازی نے 1329ء میں وفات پائی۔ ان کا مزار استنبول کے مشرق میں واقع ہے۔

سالتوق آلپ

سالتوق آلپ [Saltuk Alp] ارطغرل اور عثمان غازی کے وفادار ساتھیوں میں سے ایک تھا۔ ان کا نام ابتدائی عثمانی تواریخ میں ملتا ہے۔

[1] Tacüt-Tevarih. Hoca Sadeddin Effendi. Page 55-57

عثمان غازی نے ساکاریہ کی مہم پر جاتے وقت اپنے بیٹے اورخان کے ساتھ سالتوق آلپ اور کوسہ میحال [Köse Mihal] کو مملکت کے امور کی نگرانی کے لیے مقرر کیا تھا۔ عثمان غازی کی غیرموجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے چاودار تاتاریوں نے قراجہ حصار کے بازار پر حملہ کیا۔ اورخان غازی نے اطلاع پاتے ہی وہاں کا رخ کیا اور سالتوق آلپ اور میحال غازی نے غارت گروں کو گرفتار کر کے لوگوں کے جان و مال کی حفاظت کی۔ حملہ آور گروہ کو ان کے سربراہ سمیت اسیر کر کے قراجہ حصار واپس ہوئے۔[1]

آیقوت آلپ

عثمان غازی کے ابتدائی دور میں آیقوت آلپ [Aykut Alp] کا نام بھی فتوحات میں ملتا ہے۔

سلطنت کی تشکیل کے بعد عثمان غازی نے 1302ء میں جب مفتوحہ علاقوں پر اپنے وفادار ساتھیوں کو حکمران بنایا تو آیقوت آلپ کو اینونو [İnönü] نامی علاقہ دیا گیا۔[2] دیگر ساتھیوں میں سے اپنے بیٹے اورخان کو قراجہ حصار، بھائی گوندوز آلپ کو اسکی شہر، حسن آلپ کو یارحصار اور تورغوت آلپ کو اینا گول کے

[1] Osmanlı Develti Tarihi 1. Joseph Von Hammer. Page 85

[2] Müneccembaşi Tarihi 1. Müneccembaşı Ahmed Dede. Page 70
ابن کمال کے مطابق آیقوت آلپ کو اسکی شہر کی حکمرانی دی گئی تھی۔
تواریخ آل عثمان، ابن کمال، صفحہ 139

علاقے دیے۔ آیقوت آلپ نے کئی سال تک اینونو کا انتظام سنبھالا۔عثمان غازی کی وفات کے بعد ازمیت کی مہم میں ان کے موجود ہونے کا ذکر نظر آتا ہے۔

اورخان غازی نے 1328ء یا 1327ء میں غازیوں کے ارادے اور آقچہ قوجہ کی وصیت کی تکمیل کے لیے لشکر جمع کیا اور ازمیت کی طرف حرکت کی۔ محاصرے کے طول پکڑنے کے پیش نظر اورخان نے قلعے میں بیرونی مدد پہنچنے کے تمام آبی و زمینی راستے بھی مسدود کر دیے۔ ازمیت کی حکمرانی اس زمانے میں قیصر روم کے خاندان میں سے بیلاکونیہ نامی بازنطینی شہزادی کے ہاتھوں میں تھی۔

اس کے قریب واقع قویون حصار قلعے میں اس کی بہن کلایون کی حکومت تھی۔ اس کے زیر تسلط طاقتور فوج، مسلمان آبادی اور سرحد میں تعین عثمانی سپاہیوں پر حملہ کرنے اور نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھی۔ اس کے شر کا خاتمہ کرنے اور محاصرے کے دوران ناگہانی حملے سے محفوظ رہنے کے لیے اورخان نے آیقوت آلپ کے ساتھ بیٹے قرا علی کو قویون حصار کی تسخیر کے لیے روانہ کیا۔

کلایون نے قلعہ مسلمانوں کے سپرد کرنے سے انکار کر دیا اور قلعہ کے چاروں جانب حفاظتی تدابیر بڑھا کر فصیلوں سے مسلمانوں پر تیر برسانے کا حکم دیا۔ جنگ کا آغاز ہوتے ہی ایک تیر اس کے سینے میں پیوست ہوا اور قلعے کے برج سے نیچے گر پڑی۔ شش و پنج میں مبتلا سپاہیوں نے مجبوراً شکست تسلیم کر لی اور قلعے کے دروازے غازیوں کے لیے کھول دیے گئے۔ یوں قویون حصار کا قلعہ باآسانی فتح ہوگیا۔ آیقوت آلپ نے کلایون کا کٹا ہوا سر اورخان غازی کو پیش

کیا۔[1]

اورخان نے اس کا سر نیزے پر آویزاں کر کے ازنیق میں محاصرے کے مقام پر رکھوا دیا۔ یہ صورتحال دیکھ کر شہزادی بیلاکونیہ نے بے چارگی کے عالم میں جان بخش دیے جانے کی شرط پر ترکوں کے لیے قلعے کے دروازے کھول دیے۔ آیقوت آلپ کا بیٹا قرا علی بھی اپنے زمانے کا نامور سپہ سالار بنا۔ ان کی اولاد بھی سلطنت کے اہم رتبوں پر فائز رہی۔[2]

آقچہ قوجہ

سوغوت میں ارطغرل غازی کے مقبرے کے بیرونی باغ میں جن سپاہیوں کی اعزازی قبریں موجود ہیں، ان میں سے ایک آقچہ قوجہ [Akça Koca] کی قبر بھی ہے۔ آقچہ قوجہ، ارطغرل غازی کے بعد عثمان غازی کے ساتھ بھی تمام مشوروں اور اہم معرکوں میں شریک رہا۔ اس کے بعد 1317ء تک ان کے حالات کے متعلق تواریخ خاموش ہیں۔ آقچہ قوجہ 1317ء میں قراجہ حصار اور آلپ سویو حصار کی فتح میں شریک رہا۔ اورخان نے آلپ سویو کا قلعہ آقچہ قوجہ کے سپرد کیا۔[3]

اس کے کچھ عرصے بعد آقچہ قوجہ نے اورخان کے حکم پر فتوحات کا رُخ

---

[1] Tacüt-Tevarih. Hoca Sadeddin Effendi. Sad. Parmaksızoğlu. P 60-61

[2] Osmanlı Devletinin Kuruluşunda Hizmete Geçen Apler ve Gaziler. Dr Ahmed Şimşirgil. P 4

[3] Kitab-i Cihan Numa Neşri 1. Mevlana Mehmed Neşri. Page 129

قرا دینیز اور قسطنطنیہ کی طرف موڑ لیا۔ ارمن بازار [Ermeni Pazarı] اور قندیرا [Kandıra] کے علاقے فتح کیے۔ قونور آلپ کے ساتھ سمانڈرا [Samandıra] قلعے کو بھی تسخیر کیا جس کے بعد وہاں کی حکمرانی پر بھی آقچہ قوجہ کو مامور کیا گیا۔

1326ء میں اورخان غازی نے ازمیت کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ اسی اثنا میں آقچہ قوجہ کے انتقال کی خبر موصول ہوئی۔ انھوں نے اپنی وصیت کے طور پر سلطان سے ازنیق کو اسلامی قلمرو میں شامل کرنے کی درخواست کی تھی۔[1]

ازنیق کی فتح کے بعد وہاں آقچہ قوجہ کے نام پر ایک مسجد تعمیر کروائی گئی جو آج بھی موجود ہے۔ ان کے نام پر ازمیت میں ایک علاقہ بھی موجود ہے۔

آقچہ قوجہ نے جب سارکاریہ کا مغربی علاقہ قلعہ ازمیت تک فتح کیا تو اسے ان سے منسوب کر کے قوجہ ایلی [Kocaeli] کا نام دے دیا گیا۔ آقچہ قوجہ کا الیاس نامی بیٹا تھا۔ ان کا پوتا فضل اللہ، عثمانی سلطان کی طرف سے قاضی اور بعد کے زمانے میں وزارت کے رتبے پر فائز ہوا اور سلطنت کے دوام و استحکام کے لیے اہم خدمات انجام دیں۔

آقچہ قوجہ کی تاریخ وفات 1326ء کے بعد بتائی جاتی ہے۔ ارطغرل غازی سے قریبی مناسبت رکھنے کی وجہ سے ارطغرل کے مقبرے کے احاطے میں ان کی اعزازی قبر موجود ہے۔ تاہم ان کی اصل آرامگاہ قندیرا شہر کے قریب باباکوے [Babaköy] نامی گاؤں میں واقع ہے۔

---

[1] Müneccembaşi Tarihi . Müneccembaşı Ahmed Dede. P 86

قونور آلپ

قونور آلپ [Konur Alp] ارطغرل غازی کے قریبی ساتھیوں میں سے ایک تھا اور تین نسلوں تک اس کے خاندان کی خدمت پر مامور رہا۔ اورخان غازی کے زمانے میں آقچہ قوجہ اور عبدالرحمٰن غازی کے ساتھ سلطان کے حکم پر قراتکین اور قراجبیش [Karacebeş] قلعوں کی طرف پیش قدمی کی۔ قراجبیش کی فتح کے بعد اس کی حکمرانی قونور آلپ کو دی گئی۔ یہاں قونور آلپ ہمسایہ ریاستوں پر بھی یورش کرتا۔ بورصہ کی فتح کے بعد اورخان غازی نے قونور آلپ، آقچہ قوجہ اور عبدالرحمٰن غازی جیسے تجربہ کار سپہ سالاروں کو قسطنطنیہ کی طرف موجود قلعوں کی فتح کے لیے روانہ کیا۔

ایک روز جب قسطنطنیہ کے قریب سمانڈرا قلعے کا تکفور اپنے بیٹے کے رسمِ سوگواری میں مشغول تھا، قونور آلپ اور آقچہ قوجہ نے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے قلعے پر حملہ کر کے تکفور کو اسیر کر لیا۔[1]

اس مہم میں سمانڈرا کے ساتھ آئیڈوس کا قلعہ بھی شاندار فتح کے نتیجے میں عثمانی قلمرو کا حصہ بنا۔ آئیڈوس قلعے کی فتح میں عبدالرحمٰن غازی کے ساتھ قونور آلپ کا بھی شریک ہونا مذکور ہے۔[2]

اورخان غازی کے زمانے میں آقچہ قوجہ کی وفات کے چند ماہ بعد اوچ

---

[1] Tevarih-i Al-i Osman. Aşıkpaşazade. Page 36

[2] Tacüt-Tevarih. Hoca sadeddin Effendi. Page 55

بیگی قونور آلپ کی بھی رحلت کرنے کی اطلاع ملی۔ اورخان نے قونور آلپ کے بعد اس کی جگہ اپنے بیٹے سلطان مراد کو حاکم بنایا۔[1]

قونور آلپ کی اصل قبر کے متعلق معلوم نہیں ہو سکا۔ ارطغرل غازی کے مزار میں ایک اعزازی قبر ان کی بھی موجود ہے۔ موجودہ ترکی میں قونور آلپ کے نام سے ایک قصبہ بھی موجود ہے۔

حسن آلپ

حسن آلپ ارطغرل کے سپاہیوں میں شامل تھا۔ ان کے متعلق بھی عثمانی تواریخ میں ذکر ملتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حسن آلپ، عثمان غازی کے دادا سلیمان شاہ کے ساتھ ملکِ عجم (ماہان) سے آئے۔[2] بعدازاں ارطغرل کے ساتھ کئی معرکوں میں شریک ہو کر اپنا نام بنایا۔ عثمان غازی نے بھی حسن آلپ کو فوج میں اہم رتبے پر فائز کیا تھا۔

ترکوں میں یہ رواج تھا کہ کسی بھی عیسائی شہر کو فتح کرنے کے بعد وہاں کی دیگر عبادت گاہوں کو نقصان نہیں پہنچایا جاتا۔ لیکن اس شہر کے سب سے بڑے کلیسا کو مسجد میں تبدیل کر کے اذان کی صدا بلند کرتے تھے۔

قراجہ حصار کی فتح کے بعد وہاں کے گرجا گھر کو مسجد بنایا گیا۔ مسجد میں امامت وخطابت کے لیے ایک عالم کی ضرورت درپیش تھی۔

---

[1] Müneccembaşi Tarihi . Müneccembaşı Ahmed Dede. Page 87

[2] Oruç Bey Tarihi. Oruç Bey. Page 29

قراجہ حصار کے باسیوں نے تورسون فقیہ سے جمعہ کی نماز پڑھانے اور مذہبی امور میں رہنمائی کے لیے قاضی کے فرائض سرانجام دینے کی درخواست کی۔ تورسون فقیہ نے اس موضوع سے عثمان غازی کو آگاہ کیا۔ عثمان غازی نے کہا، ''جو بہتر ہو، وہی کیا جائے۔'' دورسون فقیہ نے عرض کی، ''اس کے لیے ہمیں سلطان کی اجازت درکار ہوگی۔'' (کیونکہ قاضیوں کی تقرری کرنا صرف سلطان کے اختیارات میں سے ہے) اس کے جواب میں عثمان غازی یوں گویا ہوا:

> ''اس شہر کو میں نے اپنی شمشیر کے زور پر فتح کیا ہے۔ اس میں سلطان کا کیا عمل دخل ہوسکتا ہے کہ مجھے اس سے اجازت طلب کرنی پڑے؟ اسے سلطنت دینے والا اللہ ہے۔ اسی رب نے ہمیں بھی یہاں کی حکمرانی نصیب کی۔ اگر اس کا غرور اپنے اِس پرچم پر ہے تو میں نے بھی بیرق بلند کر کے کفار کے خلاف جہاد کیا۔ اگر وہ اپنے سلجوقی خاندان سے ہونے پر اِتراتا ہے تو میں بھی اوغوز خان کے بیٹے گوک آلپ کی اولاد ہوں۔ اگر وہ سمجھتا ہے کہ ہم سے پہلے اِس مملکت میں آیا ہے تو یاد رکھے کہ میرے دادا سلیمان شاہ نے ان سب سے پہلے یہاں قدم رکھے تھے۔''[1]

اس کے بعد تورسون فقیہ کو قراجہ حصار کا قاضی اور خطیب مقرر کیا گیا۔

---

[1] İdris Bitlisi. Page 49

جمعے کی نماز پڑھی گئی اور اس سال عید کی نماز بھی قراجہ حصار میں ادا ہوئی۔

عثمان غازی نے حسن آلپ کو یارحصار کی حکمرانی پر مقرر کیا۔

قراعلی

قراعلی، آیقوت آلپ کا بیٹا تھا۔ یہ عثمان غازی کی ابتدائی فتوحات کے زمانے سے اس کے ساتھ شامل تھا اور عثمانیوں کے اہم سپہ سالاروں میں سے ایک بنا۔

1308ء میں عثمان غازی کے حکم پر اولوبات کے تکفور کی زیر حاکمیت سرزمینوں میں گیلیوس نامی علاقے پر یورش کے لیے روانہ ہوا۔ قلعے کا تکفور صلح کی پیش کش کر کے اطاعت پر آمادہ ہوگیا۔ فتح کے بعد قراعلی نے وہاں کے مرکزی کلیسا کے پادری اور اس کے خاندان کو عثمان غازی کے حضور میں پیش کیا۔ عثمان غازی نے راہب کی بیٹی سے اس نوجوان بہادر کی شادی کروائی۔[1]

تکفور پنار نامی قلعے کے محاصرے کے وقت ایلخانی سلطنت کے حکمران اولجایتو خان [Oljeitu Khan] کی طرف سے چوبان بیگ کی سربراہی میں اناطولیہ کی طرف لشکر بھیجے جانے کی خبر پہنچی۔ عثمان غازی نے تکفور پنار کا محاصرہ قراعلی کو سپرد کر کے ایلخانیوں کے مقابلے پر جانے کا قصد کیا۔ بہت کم عرصے میں تکفور پنار فتح ہوگیا۔ قراعلی نے کامیابی کی خبر کے ساتھ مالِ غنیمت عثمان غازی کی

[1] Osmanlı Tarihleri 1. Prof Ismail Hakkı Uzunçarşılı. Page 109

خدمت میں روانہ کیا۔ عثمان نے اس کی خدمات کے صلے میں تکفور پنار اور مفتوحہ قریبی علاقے قراعلی کو تیمار کے طور پر عطا کیے۔ قراعلی نے مزید آگے بڑھتے ہوئے ینی قلعہ اور یانیق جہ حصار کو بھی زیر کر کے عثمانی قلمرو کی وسعت میں اضافہ کیا۔

عثمان کے بعد اورخان غازی کے زمانے میں قویون حصار کی مہم میں قراعلی اپنے والد آیقوت آلپ کے ساتھ شریک ہوا تھا۔

جب قویون حصار ترکوں کے ہاتھ آگیا تو اس کے بعد بازنطینیوں کے ایک اور اہم مرکز ہراکہ قلعے کی تسخیر پر بھی قراعلی کو روانہ کیا گیا۔ قراعلی نے وہاں پہنچ کر فوری طور پر قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ اس دوران آنکھ میں ایک تیر پیوست ہونے کے سبب وہ زخمی ہوگیا لیکن اس نے محاصرے میں مزید تیزی لانے کا حکم دیا اور بازنطینیوں نے تھک ہار کر قلعہ سے دست برداری اختیار کر لی۔ فتح کے بعد امان مانگنے والوں کو بخش دیا گیا جب کہ مخالفت کرنے والے تہ تیغ ہوئے۔ عیسائی آبادی کو وہیں رہنے کی اجازت دے دی گئی۔[1]

قراعلی کا نام آخری مرتبہ 1329ء میں اورخان غازی کے ساتھ بازنطینیوں کے خلاف ہونے والی پیلے کانون نامی جنگ میں ملتا ہے۔

قراعلی کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا قرا تیمور تاش [Kara Timurtash] بھی فاتح جنگجو بن کر ابھرا۔ رومیلی کی فتح کا سہرا اس کے سر جاتا ہے۔ رومیلی عثمانی

[1] Tacüt-Tevarih. Hoca Sadeddin Effendi. Page 63-64

سلطنت کے یورپین علاقوں کو کہا جاتا تھا۔ یہ لفظ دو الفاظ روم اور ایلی کا مرکب ہے اور عثمانی ترکی میں اسے روم ایلی لکھا جاتا تھا جو بعدازاں رومیلی بن گیا۔

قرا تیمور تاش عثمانیوں میں وزارت اور بیگلر بیگی [Beylerbey]، جو امیر الامراء کا منصب تھا، پانے والا پہلا شخص تھا۔

کوسہ میحال

عثمان غازی کا قریبی دوست اور بہادر شخص کوسہ میحال [Köse Mihal] ابتدا میں عیسائی تھا اور بازنطینی حکومت کی طرف سے حارمان کوے [Harmanköy] اور اطراف کا گورنر تھا۔ حارمان کوے، بیلاجیک کے مشرق میں واقع تھا۔

عثمان غازی اور اسکی شہر [Eskişehir] کے حکمران کے مابین ہونے والی ایک جنگ میں کوسہ میحال مسلمانوں کے ہاتھوں اسیر کر لیا گیا۔ عثمان نے کوسہ میحال کی جسارت اور مردانگی کو دیکھتے ہوئے اسے آزاد کر دیا۔ اس کے بعد بہت کم وقت میں یہ دونوں گہرے دوست بن گئے۔

تواریخ میں کوسہ میحال کی تاحیات عثمان غازی کی ہمراہی کرنے اور اس کی جانب سے غازیوں کی ہر ممکن مدد کیے جانے کا ذکر موجود ہے۔ عثمان غازی بھی اس پر حد درجہ اعتماد کرتا تھا۔ کسی بھی مشکل سے رُوبرو ہوتے وقت اس سے مشورہ کرتا۔ کوسہ میحال نے بھی عثمان کا بھروسہ برقرار رکھا۔

اسلام اور ترکوں سے محبّت اور قرابت کے سبب 1313ء میں کوسہ میحال

نے عیسائیت ترک کر کے اسلام قبول کر لیا۔ اس کا اسلامی نام عبداللہ رکھا گیا لیکن میحال غازی کے نام سے زیادہ مشہور ہوا۔ ترک زبان میں کوسہ کا مطلب ہے ڈاڑھی منڈا ہوا۔ جب کہ میحال، یورپی نام مائیکل [Michael] کی ترکی صورت ہے۔ یوں کوسہ میحال کا مطلب ہوا ڈاڑھی منڈا ہوا مائیکل۔ میحال کا عثمان غازی کے ہاتھوں ایک دعوت کے دوران مسلمان ہونا مذکور ہے۔

کوسہ میحال عثمان غازی کی وفات کے بعد اورخان کے لیے بھی بہت مددگار ثابت ہوا۔ اس نے بورصہ کی فتح میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ میحال کی اولاد بھی اگلے کئی صدیوں تک عثمانی فوج میں اہم رتبوں پر فائز رہی۔ کوسہ میحال کی تاریخ وفات 1330ء کے بعد بتائی جاتی ہے۔ کوسہ میحال کا مزار حارمان کوے نامی علاقے میں موجود ہے۔

ارطغرل غازی اور روحانی شخصیات

تاریخِ اسلام میں سلاطین اور بادشاہوں کے ساتھ ساتھ صوفیائے کرام اور علما کا بھی اہم کردار رہا ہے۔ خصوصاً ترکوں کا اسلام کی طرف راغب ہونا انھیں صوفیا کی کوششوں سے ممکن ہوا۔

سلطان محمود غزنوی کے حالات و واقعات پر نظر ڈالی جائے تو وہ اس زمانے کے عظیم روحانی شیخ ابوالحسن خرقانی سے خاص عقیدت رکھتا تھا اور اکثر فتوحات کے لیے جاتے ہوئے ابوالحسن خرقانی کی خدمت میں حاضر ہوکر ان کی دعائیں لے کر سفر کے لیے روانہ ہوتا۔

سلجوقی سلاطین کے زمانے میں بھی علما کو خاص اہمیت حاصل رہی۔ تاتاریوں کے فتنے سے بچ کر دیگر مہاجرین کے ساتھ خراسان و ترکستان سے سینکڑوں اہل علم ہندوستان میں التتمش اور اناطولیہ میں سلجوقی سلطان کے ہاں آباد ہوئے اوران علاقوں میں دین حق کی روشنی سے ہزاروں دلوں کو منور کیا۔

کوسہ داغ میں منگولوں سے شکست کے بعد سلجوقی سلطنت ہر لحاظ سے زوال پذیر ہوچکی تھی۔ اس دور میں اہل تصوف نے ہی عوام کے دلوں میں امید کے چراغ روشن کیے۔ جلال الدین قراتائے نے قونیہ اور ملک کے دیگر حصوں میں رہنے والے علما و صوفیا کے لیے مدارس اور خانقاہیں تعمیر کروائیں اور اپنے زمانے میں علم و دانش کے فروغ کے لیے ہر ممکن کوششیں جاری رکھیں۔

اناطولیہ میں ارطغرل غازی کے زمانے میں موجود روحانی شخصیات میں درج ذیل شخصیات قابل ذکر ہیں:

شہاب الدین سہروردی (دورِ حیات: 1234ء - 1145ء)

محی الدین ابن العربی (دورِ حیات: 1240ء - 1165ء)

خواجہ شمس تبریزی (دورِ حیات: 1248ء - 1185ء)

نجم الدین داعی (وفات: 1256ء)

آخی ایوران (دورِ حیات: 1261ء - 1169ء)

شیخ ادیبالی (دورِ حیات: 1326ء - 1206ء)

مولانا جلال الدین رومی (دورِ حیات: 1273ء - 1207ء)

حاجی بکتاش ولی (دورِ حیات: 1271ء - 1209ء)

صدر الدین قونوی (دورِ حیات: 1274ء - 1210ء)

یونس ایمرے (دورِ حیات: 1320ء - 1238ء)

ان میں سے چند اہلِ تصوف کا ارطغرل غازی کے ساتھ براہ راست تعلق رہا ہے جن کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

محی الدین ابن العربی

ارطغرل غازی اور ابن العربی کی ملاقات یا روبہ رو ہونے کے متعلق کتبِ تواریخ میں کہیں تفصیل سے نہیں لکھا گیا۔ مگر چونکہ ابن العربی اور ارطغرل کا دَور ایک ہے اور ابن العربی کی سلطنتِ عثمانیہ کے رونما ہونے سے متعلق پیشین گوئی کا دُرست ہونا کئی مؤرخین نے لکھا ہے اس لیے ابن العربی کا ذکر کیے بغیر یہ کتاب نامکمل تصور ہو گی۔

شیخ اکبر محی الدین ابن العربی کا اسمِ گرامی ''محمد بن علی بن محمد بن احمد بن عبداللہ الطائی الحاتمی المرسی'' ہے۔ علمی حلقوں میں آپ ''ابن العربی'' کے نام سے معروف ہیں۔ عظیم صوفی، عالم دین، شاعر اور فلسفی محی الدین ابن العربی 17 رمضان المبارک 560ھ بمطابق 26 جولائی 1165ء کو اندلُس (موجودہ سپین) کی شرقی ریاست کے صدر مقام مرسیہ میں ہوئی۔[1]

ابن العربی کے جدِ اعلیٰ حاتم الطائی عرب قبیلہ ''بنو طے'' کے سردار تھے اور اپنی سخاوت کے باعث بہت مشہور تھے۔ اندلُس میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہو جانے کے بعد ابن العربی کا خاندان وہاں جا بسا، جہاں آپ کے خاندان کا شمار مملکت کے باوقار خاندانوں میں ہوتا تھا۔ آپ کے والد گرامی الشیخ علی بن محمد وزیرِ ریاست تھے۔ آپ فقہ و حدیث کے بہت بڑے امام اور قافلۂ زہد و تصوف کے سرخیل تھے۔

---

[1] صفدی، الوافی بالوفیات: 124، مقریٔ احمد بن محمد، نفح الطیب، 172:2

محی الدین ابن العربی نے اندلُس سے نکل کر نے حجاز، عراق، شام اور اناطولیہ کی طرف سفر کیا۔ قونیہ میں سلجوقی سلطان غیاث الدین کیخسرو اول (دورِ حکومت: 1196ء - 1192ء) سے ملاقات کی جہاں سلطان ان کی نصیحتوں اور صحبت سے مستفید ہوا۔ ملک شام میں قیام کے دوران عثمان غازی کے سسر اور روحانی رہنما شیخ ادیبالی کا ابن العربی کے حلقۂ درس میں شامل ہونے اور مرید بننے کا ذکر تواریخ میں ملتا ہے۔

1215ء میں ابن العربی کے قونیہ میں دوسری مرتبہ تشریف آوری کے زمانے میں سلجوقی تخت پر عزالدین کیکاؤس اول (دورِ حکومت: 1220ء - 1210ء) تخت نشین تھا۔ اس نے ابن العربی کی بہت عزت و تکریم کی اور ان کا مرید ہوا۔ ابن العربی کئی سال تک اناطولیہ میں مقیم رہے۔ چار سال ملاتیہ اور اتنا ہی عرصہ قونیہ میں رہائش رکھی۔ اس دوران وہاں حلقۂ درس قائم کر کے منتخب مریدوں کی روحانی تربیت میں مشغول رہے۔ آپ دمشق میں 22 ربیع الثانی 638ھ بمطابق 9 نومبر 1240ء کو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

1240ء میں وفات پانے والے ابن العربی، عثمان غازی کی پیدائش سے 18 سال قبل دُنیا سے جا چکے تھے۔ لیکن انھوں نے اس عالمگیر سلطنت کی بشارت بہت پہلے دے دی تھی۔ انھوں نے 1229ء میں ''شجرۃ النعمانیہ فی الدولۃ العثمانیہ'' کے نام سے کتاب تصنیف کی۔ اس میں حیرت انگیز طور پر نہ صرف سلطنت عثمانیہ کے وجود میں آنے بلکہ 600 سال میں گزرنے والے سلاطین اور خلفا کے حالات و واقعات کا بھی تذکرہ کیا ہے جو کہ ان کی پیشین گوئی

37211468-3

کی رو سے سچ ثابت ہوئے۔

اولیائے کرام اللہ کے مقرب بندوں میں ہوتے ہیں۔ ان کی کرامات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ رب کائنات کی طرف سے انھیں چشم بصیرت عطا کی گئی ہوتی ہے۔ انھی کرامات میں سے ایک مستقبل میں ہونے والے حالات کی خبر دینا بھی شامل ہے۔ ابن العربی نے مذکورہ کتاب عربی زبان میں اپنی وفات سے 11 سال قبل یعنی 1229ء میں تصنیف کی تھی۔ اس میں ایک مقام پر سلطان سلیم (دورِ حکومت: 1520ء-1512ء) کا شام و دمشق فتح کرنے کے متعلق ذکر کیا ہے جو کہ یوں بیان ہوا ہے:

"اذا دخل السین فی الشین، یظهر قبر محی الدین"[1]

ترجمہ: "جب س، ش میں داخل ہو گا تب محی الدین کی قبر ظاہر ہو گی۔"

تاریخی روایات کے مطابق ابن العربی نے اپنی زندگی کے آخری ایام دمشق میں گزارے تھے۔ اس زمانے میں مسلمان مال و زر کی ہوس میں مبتلا ہوگئے اور دین سے دور ہونے لگے تھے۔ ابن العربی نے ان کو راہِ راست پر لانے کی بہت کوششیں کیں لیکن انھوں نے کان نہ دھرے۔ ابن العربی نے ایک روز ان سے کہا:

"جس کو تم پوجتے ہو، وہ میرے پاؤں کے نیچے ہے۔"

[1] الشجرۃ النعمانیہ فی الدولۃ العثمانیہ، شیخ محی الدین ابن العربی، صفحہ 22

ابن العربی کی مراد دُنیا اور اس کی فانی دولت سے تھی جس کو لوگوں نے اپنا سب کچھ بنا لیا تھا۔ ابن العربی پر علاقے کے باسیوں نے مرتد ہونے کا الزام لگا کر ہلاک کر دیا اور ایک نامعلوم جگہ پر دفن کیا۔ بعض روایات ان کی طبیعی موت کا ذکر بھی کرتی ہیں۔

ان کی رحلت کے کچھ عرصے بعد منگولوں کی طرف سے دمشق کے تاخت و تاراج کے سبب ان کی قبر کا سراغ بھی مٹ گیا جو کئی صدیوں تک نامعلوم رہی۔ 1517ء میں عثمانی سلطان سلیم جب شام کی فتح کے بعد دمشق میں داخل ہوا تو وہاں اس نے ابن العربی کی قبر کی کھوج کروائی۔ یوں "ش" میں داخل ہونے کے بعد "س" کی کوششوں سے محی الدین ابن العربی کی قبر کا سراغ مل گیا!

ابن العربی کی پیشین گوئی میں "س" سے مراد سلطان سلیم اور "ش" سے مراد ملک شام تھا۔ سلطان سلیم نے ابن العربی کی قبر پر ایک عظیم الشان مقبرہ تعمیر کروایا۔ ان کے نام پر ایک مسجد اور مدرسہ کی بھی بنیاد رکھی۔ یوں شیخ محی الدین ابن العربی کی پیشین گوئی تقریباً تین سو سال بعد پوری ہوئی۔

اس روایت کا ذکر قاضی شیخ یوسف بن اسماعیل نبہانی (1849-1932ء) نے اپنی کتاب "جامع کرامات الاولیاء" میں بھی کیا ہے۔[1]

ابن العربی نے اپنی کتاب "شجرۃ النعمانیہ فی الدولۃ العثمانیہ" میں سلطنتِ عثمانیہ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد صالح ترین حکومت کہا

[1] جامع کرامات الاولیاء، قاضی شیخ یوسف بن اسماعیل نبہانی، صفحہ 202

ہے اور ان کی فضیلت کو بیان کرتے ہوئے یوں لکھا ہے:

"ان اصلح الدول بعد الصحابة الدولة العثمانيه

فلا انقراض لی الدولة الی ظهور الختمی و القيامة" [1]

ترجمہ: "صحابہ کے بعد دولتِ عثمانیہ صالح ترین حکومت ہے۔

زمانہ آخر کے ظہور اور قیامت تک اس کو زوال نہیں۔"

اس کے بعد "س" کو طلسم (خلافت) ملنے (جو کہ سلطان سلیم کو 1517ء میں حاصل ہوئی) اور اس کے عرب و عجم کے حاکم بننے کی بھی پیشین گوئی کی گئی ہے۔ اسی کتاب میں "ع"، جس کو عبدالحمید ثانی (دورِ حکومت: 1909ء - 1876ء) سمجھا جاتا ہے، کا تخت نشین ہونا اور اس کا مخالفین سے جنگ کرنا بھی مذکور ہے۔

آخر میں "م"، جو محمد وحید الدین سادس (دورِ حکومت: 1922ء - 1918ء) ہے، پر الزام لگنا کہ تمہاری وجہ سے ہمارے سر پر یہ وبال آیا ہے۔ اس کے بعد فتنوں کے ظہور کی نشاندہی کی گئی ہے۔

ابن العربی کو عثمانی سلطنت کے ہر دور میں خاص مقام حاصل تھا۔ سلطان سلیم کے بعد ان کا موجودہ مقبرہ سلطان عبدالحمید ثانی کے زمانے میں تعمیر کیا گیا۔ سلطان عبدالحمید ثانی نے اپنے زمانے میں استنبول کے یلدیز محل میں تعمیر کی گئی "مسجد حمیدیہ" میں ابن العربی کی یہ بشارت تحریر کروا کر نصب کی گئی جو آج بھی مسجد حمیدیہ میں موجود ہے۔

---

[1] الدرر العسان فی فضائل سلاطین آل عثمان۔ الشیخ عبدالقادر توفیق الشلبی الطرابلسی۔ صفحہ 97

عثمانی مؤرخین اور شعرا انھیں عزت و حرمت سے یاد کرتے تھے۔ سنبل زادہ کا شعر ہے:

ساکئین! اسلافه طعن اتمه
متعصب روشینده گیتمه
هیچ یاخیشماز هل اهل دینه
افترا حضرت محی الدینه

ترجمہ:

خبردار! اَسلاف پر کبھی طعن نہ کرنا
متعصب لوگوں کی روش کبھی اختیار نہ کرنا
اہلِ دین کو یہ بات زیب نہیں دیتی
حضرت محی الدین پر افترا نہ باندھنا

تصانیف اور تالیفات کی کثرت کے اعتبار سے محی الدین ابن العربی ایک نابغہ روزگار شخصیت ہیں۔ آپ کی علمی وسعت کا اندازہ ان کی کثرتِ تصانیف سے ہوتا ہے۔ محققین اہل علم نے اپنی تحقیق کی بناء پر ان کی تصانیف کا تعداد سیکڑوں میں بیان کی ہے۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی نے اپنی کتاب "نفحات الانس" میں آپ کی کتابوں کی تعداد 500 لکھی ہے۔ امام عبدالوہاب شعرانی نے 400 جبکہ "ہدیۃ العارفین" کے مؤلف اسماعیل پاشا البغدادی نے 475 کتب کا تذکرہ کیا ہے۔

سلوک وتصوف پر ابن العربی کی چند
مشہور کتب کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

1. الفتوحات المکیة
2. فُصوص الحِکم
3. کشف المعنی عن سر اسماء اللہ الحسنیٰ
4. روح القدس فی مناصحة النفس
5. الاحادیث الاربعین فی الطوال العین
6. التدبیرات الٰہیه فی اصلاح المحاکمة الانسانیة
7. کتاب الاسفار عن نتائج الاسفار
8. مواقع النجوم و مطالع اهلة الاسرار و العلوم
9. عنقاء مغرب فی معرفة ختم الاولیاء و شمس المغرب
10. جلاء القلوب
11. مناهج الارتقا الی افتقاض ابکار النقا بجان اللقا
12. الاجوبة عن المسائل النصورة متابعة القطب
13. مفتاح السعادة فی معرفة الدخول الی طریق الارادة
14. نتائج الافکار و حدائق الازهار
15. السراج الوهاج فی شرح کلام الحلاج
16. المیزان فی حقیقة الانسان
17. اسرار القلوب العارفین

مولانا جلال الدین رُومی

تاریخ اسلام میں چند شخصیات ایسی ہیں جنھیں نہ صرف مشرق ومغرب بلکہ دُنیا کے دیگر تمام حصوں میں بھی نہایت عقیدت سے یاد کیا جاتا ہے۔ انھیں میں سے ایک مولانا جلال الدین رُومی ہیں جن کی وفات کو 750 سال گزرنے کے بعد بھی ان کی قدر ومنزلت میں کوئی کمی نہیں آئی۔ بلکہ ان کے عقیدت مندوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

مولانا جلال الدین رومی، مولویہ [Mevlevi Order] سلسلۂ طریقت کے بانی ہیں۔ ان کا صوفیانہ کلام لاکھوں دلوں کو روحانی تازگی بخشتا ہے۔ آپ 1207ء میں موجودہ افغانستان کے صوبے بلخ میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد بہاءالدین اور دادا حسین بلخی اپنے زمانے کے علم وعرفان کے خورشید تصور کیے جاتے تھے اور ان کے مریدوں کی تعداد لاکھوں میں تھی۔ سلاطینِ وقت اس قدر ان کی عزت کرتے تھے کہ سلطان محمد خوارزم شاہ نے اپنی بیٹی کو حسین بلخی کے عقد میں دے دیا تھا۔[1]

جب چنگیز خان کے منگول لشکر کی بلادِ ترکستان وخراسان کی طرف آمد کی اطلاع ملی تو انھوں نے بلخ کو چھوڑ کر مغرب کی طرف ہجرت کی۔ اس زمانے میں مولانا جلال الدین کی عمر 12 یا 13 برس تھی۔ مولانا بہاء الدین کے ساتھ ان کے اقارب وخاندان کے علاوہ 600 مرید اور بلخ کے باشندے بھی شامل تھے۔ وہاں

---

[1] سوانح مولانا روم، علامہ شبلی نعمانی، ص 1

سے نکل کر مولانا بہاء الدین کا کاروان نیشاپور پہنچا۔ وہاں کچھ عرصہ قیام کے بعد بغداد و دمشق کی طرف سفر کیا۔ اس دوران مولانا کا اپنے والد کے ساتھ حج کا سفر کرنے کی بھی روایت کی جاتی ہے۔ حج کے بعد مکہ سے عراق پہنچے۔

بغداد میں مقیم مولانا بہاء الدین، سلجوقی سلطان علاؤالدین کیقباد کی دعوت پر قونیہ تشریف لے گئے اور وہیں وفات پائی۔ قونیہ اس زمانے میں سلجوقی سلطنت کا دارالحکومت اور علوم و فنون کا مرکز تھا اور وہاں رائج زبان فارسی تھی۔ بعض تواریخ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ سلطان علاؤالدین کیقباد بھی فارسی و ترکی میں شعر کہتا تھا۔

والد کی وفات کے بعد مولانا جلال الدین ان کے جانشین ہوئے۔ ان کا حلقۂ درس بہت وسیع تھا۔ بعد کے زمانوں میں حضرت شمس تبریز سے ملاقات کے بعد ان میں تصوف و رُوحانیت کا رنگ غالب آ گیا اور مولانا جلال الدین، مولانائے روم بن گئے۔ سلجوقی سلطان سمیت پورا شہر ان کا عقیدت مند ہو گیا۔

چونکہ مولانا اس کے بعد تمام عمر قونیہ میں مقیم رہے اور ارطغرل غازی بھی اکثر و بیشتر قونیہ آتا تھا، اس لیے ارطغرل کا مولانا رومی سے ملاقات کرنا اور ان کی روحانی رہنمائی سے مستفید ہونا تواریخ میں درج ہے۔ منجم باشی کے مطابق ارطغرل غازی ہر مرتبہ قونیہ جاتے وقت مولانا جلال الدین رومی کی خدمت میں حاضر ہوتا اور ان کی دعائے خیر طلب کرتا۔[1]

---

[1] Sahaifül-Ahbar fı Vekayı ül Asar. Cilt 3. Müneccembaşı. Page 268

ایک سفر میں اپنے بیٹے عثمان غازی کو بھی قونیہ لا کر مولانا رومی کے حضور میں لے گیا اور ان سے عثمان کے لیے دُعا کی درخواست کی۔ اس وقت عثمان غازی کی عمر بارہ سے پندرہ برس کے درمیان تھی۔ اس وقت تک سلجوقی سلطان نے مولانا رومی کے ہوتے ہوئے کسی دیگر شخص کو روحانی رہنما بنا لیا تھا اور اس کا خاص عقیدت مند ہو کر سلطنت میں اہم مقام پر فائز کر چکا تھا۔ مولانا رومی نے ارطغرل کے بیٹے عثمان میں سعادت کے آثار پا کر کہا:

"اگر بادشاہ نے اپنے لیے کوئی غیر روحانی والد ڈھونڈ لیا ہے
تو ہمیں بھی اپنے لیے ایک فرزند مل گیا ہے۔"

پھر عثمان کا ہاتھ تھام کر اس کے حق میں دُعا فرمائی اور اس کے ہاتھوں ایک عظیم سلطنت کی بنیاد رکھی جانے کی خوشخبری سناتے ہوئے فرمایا:

"اگر اس کی اولاد، میری اولاد کی معتقد رہے گی، ان کی
سلطنت بھی باقی رہے گی۔"[1]

مولانا نے ان الفاظ سے سلجوقی سلطان کی وفات کے بعد عثمان کی نسل سے عظیم سلاطین کے پیدا ہونے اور ان کی قائم کردہ سلطنت کے کئی صدیوں تک باقی رہنے کی بشارت دی۔

ترکی مؤرخ قادر مصراوغلی مرحوم نے دو مختلف تاریخی حوالوں سے اپنی کتاب عثمانلی تاریخی میں ایک مختلف روایت درج کی ہے۔ اس کے مطابق سلاجقہ

---

[1] Müneccembaşı Tarihi: Cilt 1. Müneccembaşı Ahmed Dede. P 46-47

روم کے سلطان نے اپنے پیر و مرشد کے طور پر ایک شخص کی بیعت کی اور اسے اپنا روحانی والد قرار دیا۔ اس کے بعد ایک ضیافت ترتیب دی گئی جس میں سلطنت کے تمام حصوں کے اوچ بیگی، امرا اور قونیہ کے اشراف و روحانی شخصیات کو دعوت دی گئی۔ ارطغرل غازی بھی اوچ بیگی کی حیثیت سے اس مجلس میں شریک ہوا۔ مولانا جلال الدین رومی بھی وہاں موجود تھے۔ سلطان کے اس عمل پر مولانا برہم ہوئے اور مجلس ترک کر کے محل سے باہر چلے گئے۔ محل سے نکلتے وقت ارطغرل غازی کے ساتھ آنے والے اس کے کمسن بیٹے عثمان پر ان کی نظر پڑی۔ عثمان بھی اس معتبر شخصیت کو آتا دیکھ کر احترام کی نیت سے راستے سے ہٹ کر دیوار کے قریب کھڑا ہوگیا۔ عثمان غازی کی اس مؤدبانہ حرکت کو دیکھتے ہوئے مولانا رومی کی توجہ اس پر مرکوز ہوئی اور اس سے پوچھا: ''تم کون ہو؟''

عثمان نے جواب دیا: ''میں اوچ بیگی ارطغرل کا بیٹا عثمان ہوں۔''

عثمان کے رویے سے مولانا بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

''سلطان نے اپنے لیے ایک شیخ تلاش کر لیا ہے۔ میں تمہارا شیخ بننا چاہتا ہوں۔''

عثمان غازی نے اپنا سلطان سے ملاقات کے لیے آنے کا بتایا جس پر مولانا رومی نے فرمایا:

''وہ ابھی مصروف ہے۔ تمھیں اپنے دربار میں ملاقات کے لیے قبول نہیں کرے گا۔ تم میرے ساتھ آؤ۔''

عثمان مولانا کے پیچھے پیچھے روانہ ہوگیا۔

مولانا جلال الدین رومی عثمان کو اپنی خانقاہ پر لے گئے۔ وہاں اس کے سر پر لمبی ٹوپی رکھی اور اسے چغہ پہنایا۔ خانقاہ میں موجود مریدوں کو ذکر شروع کرنے کا کہا۔ سب مرید حسب معمول ہلال کی شکل میں بیٹھ گئے۔ ان کے سامنے مولانا رومی عثمان کے ساتھ بیٹھ گئے۔ پھر عثمان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: ''بیٹے سورۃ فاتحہ پڑھو۔''

یہ کہنے کے بعد مولانا روحانی عالم میں کھو گئے اور کافی دیر تک یہ کیفیت جاری رہی۔ عثمان غازی اس دوران ہاتھ میں موجود تسبیح پر سورۃ فاتحہ کا ورد کرتا رہا۔ کچھ وقت بعد کیفیت سے نکلنے پر عثمان کی طرف دیکھا اور پوچھا: ''کیا تم نے سورۃ فاتحہ پڑھی؟''

عثمان نے جواب دیا: ''جی حضرت۔''

پھر پوچھا: ''کتنی مرتبہ پڑھی؟''

عثمان غازی نے تسبیح گنی اور کہا: ''میں نے 18 مرتبہ پڑھی۔''

مولانا نے فرمایا: ''یہ کافی نہیں ہے بیٹے۔ اب 18 بار مَیں پڑھتا ہوں۔''

مولانا رُومی نے ورد مکمل کرنے کے بعد آمین کہا۔ وہاں موجود تمام مریدوں نے بھی ہاتھ اٹھا کر آمین کہا۔

اس کے بعد مولانا نے عثمان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''سلطنت اسلامیہ آلِ سلجوق سے لے لی گئی ہے۔ میں اسے

تمہارے حوالے کرتا ہوں۔ مبارک ہو عثمان! تمہاری نسل
سے 36 عادل بادشاہ آئیں گے۔''

عثمان غازی اس وقت پندرہ برس کی عمر میں تھا۔[1] یوں مولانا رُومی نے عثمان غازی کے ہاتھوں امت مسلمہ کو ایک نئی امید اور تا ابد اس کی نسل کے ذریعے دین اسلام کی خدمت کا کام لیے جانے کا مژدہ سنایا۔

مولانا رُومی نے 1273ء میں وفات پائی اور قونیہ (ترکی) میں دفن ہوئے۔ آپ کے بڑے بیٹے اور جانشین بہاءالدین سلطان ولد [Sultan Walad] سے بھی عثمان غازی کی خاص مناسبت رہی۔ سلطنت کی ابتدا سے انحلال تک عثمانی سلاطین کے لیے ان کا مزار اہمیت کا حامل رہا اور انھوں نے اپنی محبّت اور عقیدت میں کوئی کمی نہ آنے دی۔ عثمانی سلاطین سفر اور مہمات کے لیے جاتے وقت راہ میں قونیہ میں قیام کرتے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کی حرمت سے عثمانی لشکر کو فتح سے سرفراز فرمائے۔

''مثنوی مولوی معنوی''، ''فیہ مافیہ'' اور ''دیوان شمس تبریز'' آپ کی معروف کتب ہیں، آپ دُنیا بھر میں اپنی لازوال تصنیف ''مثنوی'' کی بدولت جانے جاتے ہیں۔ مولانا رُومی کے 800 ویں جشنِ پیدائش پر ترکی کی درخواست پر اقوام متحدہ کے ادارہ برائے تعلیم، ثقافت و سائنس یونیسکو نے 2007ء کو بین الاقوامی سالِ رُومی قرار دیا۔ اس موقع پر یونیسکو تمغا بھی جاری کیا۔

[1] Osmanlı Tarihi: Cilt 1. Kadir Mısıroğlu. Page 70-71

حاجی بکتاش ولی

تیرہویں صدی عیسوی کے مشہور عارفین اور اہلیانِ تصوف میں سے ایک، بکتاشیہ سلسلۂ طریقت کے بانی حاجی بکتاش ولی 1209ء میں خراسان کے شہر نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام محمد بن ابراہیم بن موسیٰ خراسانی تھا۔ وہ پیر ترکستان خواجہ احمد یسوی (دورِ حیات: 1166ء - 1103ء) کی وفات کے تقریباً چالیس سال بعد دُنیا میں آئے اور ابتدائی دینی علوم احمد یسوی کے شاگرد لقمان پرندہ سے حاصل کی۔[1]

بکتاش ولی جوانی کے سالوں میں اناطولیہ تشریف لے گئے اور پھر تمام عمر وہیں مقیم رہے۔ وہاں انھوں نے معروف صوفیا تاپدوق ایمرے، آخی ایوران اور بابا الیاس خراسانی سے ملاقات کی اور روابط استوار کیے۔

اناطولیہ میں بکتاش ولی کے ہزاروں مرید تھے۔ ارطغرل غازی بھی ان سے خاص عقیدت رکھتا تھا اور اکثر ان کی بارگاہ میں حاضر ہو کر دعائیں حاصل کرتا رہتا تھا۔ موجودہ زمانے میں بھی دُنیا بھر میں بکتاشیہ سلسلے کے پیروکار موجود ہیں۔

حاجی بکتاش ولی سے اناطولیہ کے معروف صوفی شاعر یونس ایمرے کی ملاقات کا مشہور قصہ ذکر کیا جاتا ہے۔ اس کے مطابق ایک سال اناطولیہ میں سخت قحط آیا۔ نوجوان یونس ایمرے اپنے گاؤں میں کھیتی باڑی کرتا تھا۔ اس نے حاجی بکتاش ولی کی کرامات اور سخاوت کے متعلق سن کر ان کے حضور میں پیش ہونے کا

[1] Hacı bektaş veli, ışık eri,sayfa 12

ارادہ کیا۔ خالی ہاتھ نہ جانے کا سوچ کر اس نے راہ میں ایک باغ سے شہفنی کے پھل اکٹھا کیے اور وہاں پہنچ کر شیخ کو وہ پھل پیش کیے۔

حاجی بکتاش، یونس کی عقیدت اور نیک کردار سے بہت خوش ہوئے اور ان سے آنے کا سبب دریافت کیا۔ یونس ایمرے نے عرض کی:

''شیخ گرامی! رواں برس قحط کے سبب لوگ سخت پریشان حالی کا شکار ہیں۔ اپنے اور اہل علاقہ کے لیے گندم کی درخواست کرنے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔''

حاجی بکتاش نے سوال کیا:

''تمہیں گندم کی بجائے ہمت دے دی جائے تو کیسا رہے گا؟''

یونس نے کہا:

''اعلیٰ حضرت! ہمت کا کیا کروں گا؟ مجھے گندم ہی عنایت کر دیں۔''

حاجی بکتاش نے کہا:

''اگر گندم چاہتے ہو تو لے سکتے ہو۔ لیکن اگر چاہو تو تمہارے لائے ہوئے ہر شہفنی کے بدلے ایک سانس پا سکتے ہو۔''

یونس نے عرض کی:

''حضرت سانسوں کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔''

حاجی بکتاش نے دوبارہ فرمایا:

''انتخاب تمہارے ہاتھ میں ہے۔ گندم چاہیئے یا ہر شہفنی کے بدلے دس سانسیں دے دوں؟''

یونس نے گندم ہی لینے کی خواہش کی اور کہا:

''میری سانسوں اور ہمت سے بال بچوں کا پیٹ نہیں بھرے گا۔ مجھے گندم عطا کر دیں تو آپ کا بہت بڑا احسان ہوگا۔''

حاجی بکتاش نے مریدوں سے فرمایا:

''یونس کو اتنی مقدار میں گندم دے دی جائے جتنا بوجھ اس کی سواری اٹھا پائے۔''

یونس ایمرے خوش ہو کر ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے واپس ہوئے۔

راستے میں خیال آیا کہ شیخ کی پیش کش کو رد کر کے بہت بڑی غلطی کا مرتکب ہو گیا ہوں۔ گندم تو چند روز میں ختم ہو جائے گی لیکن ہمت اور نصیب تمام عمر ساتھ رہتی ہے۔

یہ سوچ کر فوراً واپس ہوئے اور شیخ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کی:

''حضرت! مجھے گندم کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ مجھے ہمت عطا کر دیں۔''

حاجی بکتاش نے اب کی بار فرمایا:

''یونس! تم نے آنے میں دیر کر دی۔ ہم نے اس کی چابیاں تاپدوق ایمرے کے سپرد کر دی ہیں۔ جاؤ، اپنی مطلوبہ چیز ان سے طلب کرو۔''

یونس سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر تاپدوق ایمرے کی تلاش میں نکل پڑے اور ان کے حلقہ میں شامل ہو گئے۔ چالیس سال تک تاپدوق ایمرے کی خانقاہ

میں خدمت کی جس کے بعد اس ولی کامل نے اپنی بیٹی کو یونس کے عقد میں دے دیا۔ یونس ایمرے، تاپدوق کی صحبت کے اثر سے درویش بن گئے اور اپنے زمانے کے عظیم اہل تصوف اور صوفیا میں شمار ہوئے۔ یونس ایمرے کا ترکی زبان میں ایک صوفیانہ دیوان موجود ہے۔

حاجی بکتاش ولی کا ارطغرل اور عثمان غازی سے ملاقات کا ذکر کتاب ولایت نامہ حاجی بکتاش ولی میں موجود ہے۔ یہ کتاب پندرہویں صدی کے اواخر میں سلطان بایزید ثانی (دورِ حکومت: 1512ء - 1481ء) کے دور میں تالیف ہوئی۔ اس میں درج ہے کہ ارطغرل غازی، حاجی بکتاش کا مرید تھا۔ ایک مرتبہ سلجوقی سلطان سے ملاقات کے لیے قونیہ جاتے ہوئے ارطغرل راستے میں قرایوک کے مقام پر ان کی خانقاہ میں پہنچا اور ملاقات کا شرف حاصل کر کے ان سے دعاؤں کا طالب ہوا۔ حاجی بکتاش نے فرمایا:

"آل سلجوق کا وقت پورا ہو چکا ہے اور ان سے سلطنت لے لی گئی ہے۔ میں اسے تمہاری اولاد کو سونپ رہا ہوں۔ فی الوقت سلطان کے پاس جاؤ اور اس سے سانجاق بیگی [Sanjakbegi] (گورنر) کا منصب طلب کرو۔ تمہیں مل جائے گا۔"

یہ کہہ کر اس کی کمر میں تلوار باندھ کر دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔
ارطغرل نے قونیہ پہنچ کر سلطان سے ملاقات کی اور سانجاق بیگی کے

عہدے دار کی حیثیت سے سلطان کے ساتھ جنگوں میں شریک ہوا۔!
دیگر عثمانی تواریخ میں اس واقعے کا ذکر نہیں ملتا۔
ولایت نامہ میں ہی حاجی بکتاش ولی کی طرف سے عثمان غازی کو سلطان بننے کی خوشخبری دیے جانے کا قصہ کچھ یوں مذکور ہے:

"..... حاجی بکتاش ولی نے اپنی مخصوص ٹوپی اتار کر عثمان کے سر پر رکھی۔ اسے تلوار پیش کی اور چراغ روشن کیا۔ اپنا کمر بند بھی عثمان کو عطا کر کے اس کے سامنے دسترخوان بچھایا اور دعا کرنے کے بعد اس سے یوں مخاطب ہوئے:

"یہ علامات تمہارے سپرد کی جاتی ہیں۔ انھیں اپنے پاس رکھنا۔ اللہ تمہیں دین کے دشمنوں پر ظفر نصیب فرمائے گا۔ میں اپنا سلطان کا لقب بھی تمہیں سونپتا ہوں۔ یہ القاب اور علاماتِ سلطنت تمہاری اولاد بھی سنبھال کر رکھے۔ مشرق سے مغرب تک تمہاری روشنی پھیلے گی۔ میری دعا ہے کہ یہ کبھی ماند نہ پڑے۔"

"کل نفس ذائقة الموت" کے مصداق، حاجی بکتاش ولی بھی عالم فانی سے عالم لافانی کی طرف کوچ کر گئے۔ ان کی وفات 1270ء یا 1271ء میں بتائی جاتی ہے۔

Osmanlının Kökleri Ertuğrul Gazi. Tarkan Suçıkar. Page 93-94

شیخ ادیبالی

سلطنت عثمانیہ کی معنوی بنیادیں رکھنے والی شخصیت، عثمان غازی کے سسر، شیخ ادیبالی [Sheikh Edebali] 1206ء میں اناطولیہ کے شہر قرامان [Karaman] میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام عماد الدین مصطفیٰ جب کہ والد کا نام ابراہیم تھا۔

شیخ ادیبالی نے ابتدائی تعلیمات کے لیے قرامان شہر کے مشہور حنفی فقیہ نجم الدین الذاہدی کی شاگردی اختیار کی۔[1] اس کے بعد دمشق جا کر اس دَور کے معتبر ترین مشائخ و علماء صدر الدین سلیمان اور جمال الدین الحصیری سے حدیث، تفسیر اور فقہ کا علم حاصل کیا۔

بعد کے زمانوں میں تصوف کی طرف راغب ہو گئے۔ دمشق میں محی الدین ابن العربی کے قیام کے دوران ادیبالی کا ان کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر مرید بننے کا بھی ذکر تواریخ میں موجود ہے۔[2]

منگول تسلط کے بعد جہاں ہزاروں کی تعداد میں عام لوگ ارطغرل غازی کے زیر سایہ سوغوت آ کر آباد ہوئے، وہیں ان میں کئی روحانی شخصیات بھی شامل تھیں۔ شیخ ادیبالی بھی اسی زمانے میں وہاں منتقل ہوئے[3] اور بیلاجیک میں سکونت

---

[1] Ottoman History-Misperceptions and Truths. Ahmed Akgunduz. P 45

[2] Osmanlının Kökleri Ertuğrul Gazi. Tarkan Suçıkar. Page 129

[3] Osmanlı Tarıhleri. Cam-i-Cem-Ayın. Bayatlı Mahmud Oğlu Hasan. P 194

اختیار کی۔ وہاں ایک درسگاہ قائم کر کے فروغِ علم کا سلسلہ جاری رکھا۔ سینکڑوں شاگردوں کی روحانی تربیت کی۔ شیخ ادیبالی کا بڑی تعداد میں دنبوں پر مشتمل ریوڑ بھی تھا۔ ہمیشہ غربا و مساکین کی مادی و معنوی مدد کرتے۔ ان کی درگاہ سے کوئی خالی ہاتھ نہ جاتا۔

ارطغرل غازی کے شیخ ادیبالی سے ہمیشہ دوستانہ روابط رہے۔ وہ اکثر ان کی خانقاہ پر جا کر اہم معاملات میں ان سے مشورہ کرتا اور ان کی ہدایات کے موافق عمل کرتا۔[1] (187) اکثر اوقات عثمان کو بھی ساتھ لاتا تھا۔ ارطغرل غازی کی وفات کے بعد بھی عثمان اکثر شیخ ادیبالی کی درسگاہ کا رخ کرتا اور ان کے وعظ و نصیحت میں شرکت کر کے روحانی فیض سے مستفید ہوتا۔

ارطغرل غازی کی وفات کے وقت عثمان غازی کو کی جانے والی آخری وصیت میں بھی شیخ ادیبالی کے مقام و مرتبے کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

منجم باشی اور ادریس بتلیسی نے ایک اور روایت نقل کی ہے جس کے مطابق شیخ ادیبالی کی ایک بیٹی تھی جو اخلاق و کردار اور حسن و جمال میں بے مثال تھی۔ نوجوان عثمان بھی ماہر گھڑ سوار، تیر انداز اور خوبصورت قد و قامت کا حامل شخص بن چکا تھا۔ اس کی بہادری کے قصے پورے خطے میں پھیل چکے تھے۔ اس نے شیخ ادیبالی کی بیٹی سے نکاح کی خواہش ظاہر کی۔ اسے پورا یقین تھا کہ شیخ ادیبالی بخوشی اس رشتے کے لیے رضامند ہو جائیں گے۔

لیکن شیخ کا جواب خلافِ توقع نکلا۔ شیخ ادیبالی نے فقط یہ کہہ کر انکار کر

---

[1] Osmanlı DüşünüYordu. Ekrem Şama. 1 Bölüm

دیا کہ ابھی اس کا مناسب وقت نہیں ہے۔ نوجوان عثمان، شیخ کے انکار کرنے کی خبر پا کر سخت افسردہ ہوا۔ اس نے حکمت خداوندی سمجھ کر خاموشی اختیار کر لی۔

ایک روز اسکی شہر کے حاکم کے ساتھ دورانِ گفتگو یہ موضوع سامنے آ گیا۔ شیخ ادیبالی اسی کے زیر حاکمیت علاقے میں آباد تھے۔ اس نے ادیبالی کے پاس جا کر عثمان کے لیے دوبارہ درخواست کرنے کی یقین دہانی کروائی۔ لیکن درحقیقت اس کا ارادہ مختلف تھا۔ وہ اس دوشیزہ کو اپنے عقد میں لانا چاہتا تھا۔ اس نے ادیبالی کے پاس جا کر اپنا ارادہ ظاہر کیا۔

شیخ کا جواب اس پر تھپڑ کی طرح پڑا کیونکہ انھوں نے سختی سے ردّ کرتے ہوئے کہا کہ یہ ناممکن ہے۔ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔[1]

اب ادیبالی نے اسکی شہر کو ترک کر کے سوغوت کا رخ کیا اور اپنے ساتھیوں سمیت وہاں آباد ہوگئے۔ عثمان غازی نے والد کی وصیت اور شیخ کے لیے عقیدت کی رو سے کبھی ان سے تعلقات ترک نہ کیے۔ دوبارہ ان کی خدمت میں حاضر ہونا شروع کر دیا اور ان کی صحبت اور دروس میں شرکت کرنے لگا۔

عثمان غازی کا خواب

شیخ ادیبالی کے سوغوت میں آباد ہونے سے عثمان بہت مسرور ہوا کیونکہ ان کے آنے سے عثمان کو روحانی تقویت حاصل ہوئی اور وہ با آسانی شیخ ادیبالی کی خدمت میں حاضر ہوسکتا تھا اور کوئی بھی مشکل درپیش ہونے پر ان کی مدد لے سکتا

[1] Kayi 1 Osmanlı Tarihi Ertuğrulun Ocağı. Prof. Dr. Ahmed Şimirgil. P 22-23

تھا۔ عثمان نے شیخ ادیبالی کی درسگاہ میں آنے کا سلسلہ بڑھا دیا اور شیخ کی صحبت جاری رہنے کے سبب اکثر رات کو بھی وہیں ٹھہر جاتا۔[1]

ایک روز شیخ ادیبالی کے ہاں رات کو سوتے ہوئے اس نے عجیب و غریب خواب دیکھا۔ عثمان نے دیکھا کہ شیخ ادیبالی کے سینے سے ایک ہلال نمودار ہوا اور دیکھتے دیکھتے یہ بڑھ کر بدر کے چاند میں تبدیل ہوگیا اور شیخ کے اندر سے نکل کر اس کے جسم میں داخل ہوگیا۔ اس کے بعد عثمان کے سینے سے ایک درخت نکلا اور بلند ہونے لگا۔ اس کی وسعت اور لمبائی پھیلتی جارہی تھی۔ اس کی شاخیں روئے زمین کے ایک وسیع حصے پر پھیل گئیں اور اس درخت نے بلند و بالا پہاڑوں، دریاؤں اور بحروں کو بھی اپنے سائے میں لے لیا۔ تمام علاقہ سرسبز ہوگیا اور پہاڑوں پر سے پُرنور چشمے جاری ہوگئے۔ ان چشموں اور نہروں کے گرد رنگا رنگ پھول اور باغیچے پیدا ہوگئے۔ لوگ گروہ در گروہ ان باغوں کا رخ کر رہے تھے۔ بعض لوگ ان پودوں کو پانی دے رہے تھے اور کچھ اس پانی کو آب حیات کی طرح پی رہے تھے۔ دور دراز کے علاقوں کی طرف ستون، گنبد، مینار اور بلند و بالا عمارات سے مزین شہر نظر آرہے تھے۔ ان تمام میناروں سے اٹھنے والی اذانِ محمدی کی صداؤں میں بلبل کے چہکنے کی آواز شامل ہو کر لطیف ماحول پیدا کر رہی تھی۔ اسی اثنا میں باغوں کی خوشبو اور یہ آوازیں چاروں طرف پھیلنے لگی اور ہوا کا رخ مغرب کی جانب ہو کر قسطنطنیہ پہنچ گیا۔ اسی اثنا میں عثمان کی آنکھ کھل گئی۔

[1] Analitik Osmanlı Tarihi. Mehmet Maksudoğlu. Page 18

عثمان نے صبح ہونے کا بے صبری سے انتظار کیا اور روشنی ہونے پر شیخ ادیبالی کے پاس جا کر اپنے خواب کا احوال سنایا۔ شیخ ادیبالی نے عثمان سے کہا:

"مبارک ہو اے عثمان! حق تعالیٰ نے تمہیں اور تمہاری اولاد کو سلطنت عطا کی ہے۔ میں اپنی بیٹی بالا خاتون کو بھی تمہارے عقد میں دیتا ہوں۔"[1]

شیخ ادیبالی کی بیٹی کا عثمانی مؤرخین نے مختلف ناموں سے ذکر کیا ہے۔ عاشق پاشازادہ[2] اور نشری[3] نے ان کا نام ملحون خاتون [Malhun Hatun] لکھا ہے۔

تاریخ اوروچ بیگ میں رابعہ خاتون[4] درج ہے۔

رستم پاشا نے بالا خاتون کے نام سے ذکر کیا ہے۔[5]

شیخ ادیبالی کی دو بیٹیاں تھیں۔ ایک عثمان کے عقد میں دی جب کہ دوسری بیٹی کا دورسون فقیہ سے نکاح ہونے کا ذکر ملتا ہے۔ 1289ء میں عثمان

Tacüt-Tevarih. Hoca Sadeddin Effendi. Page 29-30.

Kitab-i Cihan Numa Neşri. Mevlana Mehmed Neşri. Page 81-82.

Tevarih-i Al-i Osman. Ibn-i Kemal. Page 92-93.

Tevarih-i Al-i Osman. Aşıkpaşazade. Page 6

[2] Tevarih-i Al-i Osman. Aşıkpaşazade. Page 35

[3] Kitab-i Cihan Numa Neşri. Mevlana Mehmed Neşri. Page 82-83

[4] Oruç Bey Tarihi. Oruç Bey. Page 12

[5] تاریخ عثمانی: جلد اول۔ اسماعیل حقی اوزون چارشی لی۔ صفحہ 126

غازی سے بالا خاتون کا نکاح تورغوت آلپ نے پڑھایا۔[1]

1301ء میں عثمان غازی نے شیخ ادیبالی کو بیلاجیک کی حاکمیت سونپی۔[2] اس کے ساتھ ہی شیخ ادیبالی سلطنت عثمانیہ کے اولین قاضی اور مفتی اعظم بھی تھے۔ ان کے داماد اور شاگرد دورسون فقیہ بھی ان کی وفات کے بعد شیخ الاسلام کے منصب پر فائز ہوئے۔ شیخ ادیبالی نے 1326ء میں وفات پائی۔ ان کا مزار بیلاجیک میں ہے۔ اس مزار میں ان کی اہلیہ، بیٹی رابعہ بالا خاتون، دورسون فقیہ، ملاخطاط قراحصاری، شیخ مخلص بابا اور ایک نامعلوم عثمانی شہزادہ بھی دفن ہیں۔

شیخ ادیبالی کی تصنیف کردہ کوئی کتاب موجودہ زمانے میں باقی نہیں ہے۔ لیکن درحقیقت عثمان غازی کی روحانی تربیت و رہنمائی کر کے سلطنت عثمانیہ کی بنیادیں رکھنا ہی ان کا سب سے بڑا کارنامہ ہے اور اس سبب سے ان کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

ارطغرل غازی کا خواب

سلطنت کے متعلق عثمانیوں کا عقیدہ تھا کہ تخت و تاج کسی ایک خاندان یا شخص کے لیے مخصوص نہیں۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کے برگزیدہ اور منتخب بندوں کو عطا کیا جاتا ہے۔

---

[1] Kayi 1. Ertuğrulun Ocağı. Prof. Dr. Ahmed Şimirgil. Page 25

[2] Ottoman History-Misperceptions and Truths. Ahmed Akgunduz. Page 43

ارطغرل غازی کی زندگی میں ہی ان کے خاندان پر اللہ کے خاص لطف وعنایت کے غیبی اشارات ملنا شروع ہوگئے تھے۔ ان میں صوفیا کی بشارتیں اور سچے خواب شامل تھے جن میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔

رویائے صادقہ احادیث کی رو سے نبوت کا چالیسواں حصہ ہے اور مبشرات میں شامل ہیں۔ جوزجانی نے طبقات ناصری میں محمود غزنوی کے والد سبکتگین کے ایک خواب کا تذکرہ کیا ہے جس میں سبکتگین نے اپنے گھر میں ایک درخت پیدا ہوتے دیکھا اور وہ درخت بلند ہوکر پوری دُنیا میں پھیل گیا۔ خواب کی تعبیر کرنے والوں نے یہ سن کر اس کا ایک باکمال بیٹا ہونے کی نوید سنائی تھی۔

سلجوقیوں کے جد اعلیٰ دقاق نے بھی ایسے ہی ایک خواب میں اپنے جسم سے تین درخت آسمان کی طرف بلند ہوتے دیکھے۔ اس کی تعبیر کرنے والے قورقوت آتا نے اسے صالح اولاد اور سلطنت سے تعبیر کیا تھا۔

ارطغرل غازی اور اس کے بیٹے عثمان کو بھی ایسے ہی چند خواب دکھائے گئے تھے۔ ان کا تذکرہ اکثر عثمانی و دیگر مؤرخین نے کیا ہے۔ یہ خاص اہمیت کے حامل ہیں کیونکہ یہ واقعات و حوادث عثمانیوں کے ابتدائی ادوار میں تالیف کیے گئے تھے۔ یہ سلطنت کے قیام کی اوّل صدی میں گزرے مؤرخین کے الفاظ ہیں۔ وہ زمانہ تھا جب ابھی نہ قسطنطنیہ فتح ہوا تھا اور نہ ہی یہ سلطنت تین براعظموں اور بحر و بر میں پھیلی ہوئی تھی۔ یہ تمام بشارتیں ان مؤرخین کے بعد کے زمانوں میں پوری ہوئیں۔

تواریخ آل عثمان میں ابن کمال اور اوروچ بیگ نے اپنی کتاب میں

ارطغرل سے منسوب ایک خواب کا ذکر یوں ذکر کیا ہے:

ارطغرل نے اپنی حیات کے سالوں میں ایک خواب دیکھا۔ ایک عجیب و غریب واقعہ دیکھ کر جاگ اٹھا اور اس کے متعلق سوچ و بچار کر کے ذکر الٰہی میں مشغول ہوگیا۔ صبح نماز ادا کرنے کے بعد قونیہ کی جانب حرکت کی۔ وہاں عبدالعزیز نامی ایک مُعبّر (خواب کی تعبیر کرنے والے) شخص رہتا تھا۔ وہ صاحب کمال شخصیات میں سے تھا اور خوابوں کے علم میں مہارت رکھتا تھا۔ ارطغرل نے اپنا خواب انھیں سنایا۔

بعض روایات میں یوں مذکور ہے کہ وہاں ایک عزیز شیخ رہتے تھے جن کا نام ادیبالی تھا۔ ان کی کرامات کا ہر جگہ چرچا تھا اور جمیع خلق ان کی معتقد تھی۔ ان کے ہاں دُنیا کی نعمتیں بھی فراواں تھیں۔ سلطان علاؤالدین بھی ان کے مرید تھے۔ ارطغرل قونیہ پہنچا اور اپنے خواب کا احوال سناتے ہوئے کہا:

”اے شیخ! میں نے دیکھا کہ آپ کے سینے سے ایک چاند نمودار ہوا اور میرے سینے میں داخل ہوگیا۔ اس کے داخل ہوتے ہی میری ناف سے درخت نکلا اور اس نے تمام عالم کو اپنے سائے میں لے لیا۔ اس کے سائے میں پہاڑ تھے۔ ہر پہاڑ کے دامن سے چشمے نکل رہے تھے۔ ان چشموں کا پانی کوئی پینے کے لیے استعمال کر رہا تھا اور کوئی اس سے اپنے باغ و باغیچوں کی آبیاری کر رہا تھا۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔“

شیخ نے اس خواب کی تعبیر کرتے ہوئے فرمایا:

"اے جوان! تمہارا ایک بیٹا ہوگا۔ اس کا نام عثمان رکھا جائے گا۔ کئی جنگیں کرے گا اور ظفریاب ہوگا۔ خوشخبری یہ ہے کہ تمہاری نسل کو بادشاہت دی گئی ہے۔ مبارک ہو!"

اس کے بعد ادیبالی یوں گویا ہوئے:

"میری بیٹی کا نکاح اپنے بیٹے سے کروانا۔ ان سے کئی اولادیں ہوں گی۔ کئی بادشاہ وسلاطین پیدا ہوں گے۔"

اس کے کچھ عرصے بعد عثمان غازی کی پیدائش ہوئی۔[1]

ابن کمال نے تعبیر کرنے والے دو اشخاص کا نام ذکر کیا ہے۔

اورچ بیگ نے اس شخص کا ادیبالی ہونا درج کیا ہے۔

جب کہ ابتدائی عثمانی مؤرخ عاشق پاشازادہ اور ادریس بتلیسی اس واقعے کو عثمان غازی سے منسوب کرتے ہیں۔[2]

بعدازاں ایک اور عثمانی مؤرخ مصطفیٰ علی آفندی (دورِ حیات: 1600ء - 1541ء) ارطغرل غازی کا خواب نقل کرتے ہوئے یوں بیان کرتا ہے:

"ارطغرل کی کئی کنیزیں تھیں لیکن اولاد نہیں ہوئی تھی، اس لیے اللہ سے اکثر دعا کرتے تھے۔ ایک دین دار خاتون سے نکاح کرنے کے بعد ایک روز

---

[1] Anonim Tevarih-i Al-i Osman Yay. N. Azamat. Page 10

Oruç Bey Tarihi (1288-1502). Haz. Necdet Öztürk. Page 25

[2] Osmanlının Kökleri Ertuğrul Gazi. Tarkan Suçıkar. Page 152-153

ایک خواب دیکھا۔ صبح قونیہ گئے اور وہاں کے معروف نجومی اور سلطان علاؤالدین کے وزیر عبدالعزیز کو اپنا خواب سناتے ہوئے کہا:

"خواب میں ایک درخت میرے کمرے سے بلند ہوا اور اس نے سمندر کی طرح روئے زمین کو گھیر لیا۔"

عبدالعزیز نے کتابوں کی جانچ اور سوچ بچار کے بعد جواب دیا:

"اللہ تمہیں ایک بیٹا عطا فرمائے گا اور اس کی اولاد دُنیا پر حکمرانی کرے گی۔"

ارطغرل نے اللہ کا شکر ادا کیا اور اپنے گھر واپس ہوا۔ اس کا ایک بیٹا ہوا جس کا نام عثمان رکھا گیا۔[1]

اس کے علاوہ ارطغرل کی طرف سے ایک خواب قرآن کی تعظیم کا بھی مشہور ہے۔ اس خواب کو عثمانی مؤرخین میں سے ابن کمال، منجم باشی، گیلی پولیلی مصطفیٰ علی، روحی اور کرامانی محمد پاشا ارطغرل سے منسوب کرتے ہیں۔ صرف نشری نے اس کو عثمان غازی سے منسوب کیا ہے۔

ابن کمال کے بقول ارطغرل غازی سفر کے دوران ایک گاؤں کے امام کے ہاں مہمان ہوا۔ امام نے ان کی خوب خاطر مدارت کی۔ وہاں ارطغرل غازی کی نظر کمرے میں موجود قرآن کریم پر پڑی۔ رات کو سب کے جانے کے بعد ارطغرل غازی نے کلام اللہ سے محبّت وعقیدت کی بنا پر وہاں پاؤں پھیلا کر سونا گوارا نہ کیا اور وضو کر کے قرآن کی تلاوت میں مشغول ہوگئے۔ صبح کے قریب

---

[1] Tevarih-i Al-i Osman. Gelibolulu Mustafa Ali. Page 40

سے بھی بے خبر رہتا ہے۔

عثمان! اپنی تاریخ سے آگہی حاصل کرو، تاکہ تم مطمئن ہو کر آگے کی طرف قدم رکھ سکو۔ ہمیشہ یاد رکھنا کہ تم کہاں سے آئے تھے اور تم نے کہاں جانا ہے۔

بیٹا! میری دل آزاری کر لینا لیکن ادیبالی کو ناراض نہ کرنا۔ وہ ہمارے خاندان کے چراغ ہیں، ان کا ترازو کبھی غلط نہیں ہوتا۔ میرے مخالف ہو جانا لیکن ان کے خلاف نہ ہونا۔ میری نافرمانی کرو گے تو میں آزردہ اور رنجیدہ ہوں گا۔ لیکن اگر ان کی دل آزاری ہوئی تو میری آنکھیں تم سے رُخ موڑ لیں گی۔ اگر رخ کر بھی لیا تو کچھ دکھائی نہ دے گا۔

میرے یہ الفاظ ادیبالی کے لیے نہیں، تمہاری بہتری کے کے لیے ہیں۔

میری اِن باتوں کو وصیت سمجھو۔

بیٹا! ہمیں رکنے اور آرام کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ ہمیں بہت کم مدت دی گئی ہے۔

بیٹا! تمام کاموں سے پہلے دین کے کام پر توجہ کرنا کیونکہ فرائض کا اہتمام دین وسلطنت کے استحکام کا سبب بنتا ہے۔

دین کے کاموں کو لاپروا، بدعقیدہ اور راہِ راست سے بھٹک جانے والے، گناہِ کبیرہ کے مرتکب، حلال حرام کی تفریق نہ

بیٹھے بیٹھے نیند آ گئی۔ اسی اثنا میں غیب سے ایک صدا آئی:

"تم نے ہمارے کلام کی تعظیم و تکریم کی۔ ہم نے تمہاری اولاد کو دونوں جہانوں میں مکرم اور معظم کر دیا۔"

اس کے بعد ارطغرل غازی بیدار ہوگیا۔ وہ سمجھ گیا کہ لطف خداوندی سے اس کو سلطنت کی نوید سنائی گئی ہے۔[1]

ارطغرل غازی کی وصیت

ارطغرل غازی اپنے بیٹے عثمان کو ہر لحاظ سے پختہ اور کامل بنانا چاہتے تھے۔ اس لیے اس کی جسمانی تربیت کے لیے تورغوت آلپ، عبدالرحمٰن غازی، آچہ قوجہ اور قونور آلپ جیسے عظیم سپہ سالاروں کو ذمہ داریاں سونپیں اور روحانی تربیت و رہنمائی کے لیے شیخ ادیبالی سے درخواست کی۔

وفات سے قبل انہوں نے عثمان کو آخری وصیت کی جسے عثمانی مؤرخ ابن کمال نے سلاطین نامہ میں درج کیا ہے۔ یہ الفاظ ظاہراً ارطغرل غازی نے عثمان کے لیے کہے تھے لیکن ان کی نسل سے ہونے والے تمام بادشاہوں پر یہ لاگو ہوتی تھی اور تمام عثمانی سلاطین نے اسے مشعل راہ بنایا جو کہ اکثر تواریخ میں مذکور ہے۔ ارطغرل کے الفاظ یہ ہیں:

"دیکھو بیٹے! جو اپنے ماضی سے ناواقف ہو، وہ اپنے مستقبل

[1] Tevarih-i Al-i Osman. Ibn-i Kemal. Page 59

کرنے والے اور ناتجربہ کار افراد کو نہ سونپ دینا۔ امورِ سلطنت کے لیے بھی ایسے لوگوں کے انتخاب سے گریز کرنا۔ کیونکہ خالق کی نافرمانی کرنے والا مخلوق سے بھی کبھی وفاداری نہیں کرے گا۔

کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والے اور اس پر ڈٹ جانے والوں سے صداقت کی امید نہ کرنا۔ اگر ایسے لوگ صادق ہوتے تو نبی کریم ﷺ کی امت ہوتے ہوئے ان کے احکامات کی خلاف ورزی نہ کرتے اور شریعت کے دائرے سے باہر نہ نکلتے۔

ظلم اور بدعت کے قریب نہ جانا اور ظلم و بدعت کی تشویق کرنے والوں کو سلطنت سے دور رکھنا۔ ایسا کرنا تمہیں زوال کے قریب لے جائے گا۔

ہمیشہ جہاد کے ذریعے اپنی سلطنت کو توسیع دینے کی کوشش کرنا۔ کیونکہ زیادہ عرصے تک مہمات نہ ہو تو سپاہیوں کی شجاعت، امراء و قائدینِ لشکر کی فہم و ذکا اور معلومات میں کمی اور نقصان واقع ہوگا۔ حربی امور کے ماہرین ختم ہوتے جائیں گے اور ان کی جگہ ناتجربہ لوگوں کے ہاتھ آجائے گی۔ ان کی غلطیوں کے سبب سلطنت کو شدید نقصان ہو گا۔ بیت المال کی حفاظت کرنا اور سلطنت کی ثروت میں اضافہ کرنے کی

کوشش کرنا۔

شریعت کے احکام کے مطابق قناعت پسندی اختیار کرنا اور مال و زر کو غیر ضروری اشیا کے لیے خرچ نہ کرنا۔ اسراف سے خود کو دور رکھو۔

اپنی عسکری قوت اور مال و دولت پر غرور نہ کرنا کیونکہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے، عوام الناس کی ضروریات کی فراہمی اور روئے زمین پر عدل اور فضیلت پھیلانے کا ذریعہ ہے۔

اخلاص و صدقِ دل سے کام کرنے والے اراکینِ سلطنت کا خاص خیال رکھنا۔ ایسے لوگوں کے وفات پانے پر ان کے بال بچوں کی نگرانی کرنا اور ان کی ضروریات کو پورا کرنا۔

رعایا میں سے کسی کے مال پر تجاوز نہ کرنا۔ مستحقین کے لیے نیکی اور سخاوت کا ہاتھ بڑھانا، ایسے لوگوں کو تنگ دستی میں مبتلا نہ ہونے دینا۔

سپاہ اور دفاعی افواج پر توجہ دینا۔ علما، صوفیا، صنعت کاران اور اہل قلم حضرات سلطنت کے جسم کی قوت ہیں۔ ان پر انعام و اکرام کرتے رہنا۔ کسی کے صاحبِ کمال ہونے کا سنو تو اس سے قرابت اختیار کرو، اس کی حوصلہ افزائی اور حمایت کرنا۔ اللہ تمہاری حکومت میں علما، فاضل افراد، اربابِ علم و عرفان میں اضافہ فرمائے اور سیاست اور دین کے امور کا

انتظام برقرار رہے۔

مجھ سے عبرت حاصل کرو کہ اس دیار میں ایک ضعیف سردار کی حیثیت سے آیا لیکن مجھ ناچیز کو اللہ نے اپنی عنایات سے اس مقام پر پہنچا دیا۔ تم بھی میرے نقش قدم پر چلنا اور اِس دین محمدیہ کے احکامات اور ان کے صحابہ کی روش اختیار کرنا۔

اپنے زیردست اور تابع لوگوں کی حفاظت کرنا۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد پر توجہ دینا اور اپنے بعد آنے والوں کو بھی یہی نصیحت کرنا نہ بھولنا۔ عدل و انصاف کی رعایت کرنا، ظلم کا خاتمہ کرنا اور ہر مشکل گھڑی میں اللہ پر یقینِ کامل رکھنا۔ اپنی رعایا کو دشمن اور ظالم کے شر سے محفوظ رکھنا۔ کسی بھی شخص کو ناحق سزا نہ دینا، لوگوں کو انعام و کرام سے نوازتے رہنا اور سب کی رضا اور محبّت حاصل کرنا۔"[1]

[1] İnsanlar ve Mallar. Ekrem Şama. 11 bölüm

ابتدائی عثمانی تواریخ میں ارطغرل غازی کا تذکرہ

ارطغرل غازی کی زندگی اور احوال کے متعلق معلومات کا بنیادی ماخذ ابتدائی عثمانی مؤرخین کی تصانیف ہیں۔

سلاجقہ روم کے دور میں تصنیف ہونے والی بعض کتب جیسے کہ دانشمندنامہ، اور سلجوق نامہ کے نام سے معروف ابن بی بی کی اوامر العلائیہ فی الامور العلائیہ، جو کہ 1277ء سے 1282ء کے درمیان تالیف کی گئی تھی[1] (211)، میں اگرچہ سلاجقہ روم کی تاریخ بیان کی گئی ہے، تاہم ان میں اس کے ساتھ ساتھ ارطغرل غازی اور قائی قبیلے کی اناطولیہ آمد اور ابتدائی حالت کے متعلق بھی ذکر ملتا ہے۔

[1] Islam Ansiklopedisi. Cilt 2. Page 293

1323ء میں تالیف ہونے والی مسامرۃ الاخبار میں کریم الدین محمود آقسرائی نے سلجوق نامہ کی تالیف سے اپنے دور تک کے واقعات ذکر کیے ہیں۔ افلاکی کی مناقب العارفین بھی اس زمانے کی اہم کتب میں سے ہے۔ البتہ یہ سب سلجوقی مؤرخین میں شمار ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ عرب تواریخ میں ان کے متعلق مختصر اشارہ ملتا ہے جن میں ابن حجر، ابن آیاس، مسالک الابصار، اجابت الصائل، ابن بطوطہ کی کتب شامل ہیں۔

سلاطین عثمانی کے زمانے میں کئی معتبر مؤرخین نے ترکی و فارسی میں تواریخ مرتب کیں۔ اس عرصے میں ''تواریخ آل عثمان'' کے نام سے درجنوں کتب تصنیف کی گئیں جن میں سے بعض کے مصنف نامعلوم ہیں۔ سلطنت عثمانیہ کے قیام کے بعد، پہلی صدی میں کوئی بھی تاریخی و ادبی اثر نہیں لکھا گیا یا وقت کی گردش کے ساتھ ناپید ہوگئیں۔ ارطغرل غازی کے متعلق تواریخ اس کی وفات کے سو سے ڈیڑھ سو سال بعد کے ادوار میں لکھی گئی تھیں۔

یہاں چند اہم کتب کا تعارف اور ان میں درج ارطغرل کا تذکرہ بیان کیا جائے گا۔

تاج الدین احمدی

(دورِ حیات: 1413ء - 1334ء)

(مشہور کتاب: سکندر نامہ)

تاج الدین ابراہیم بن خضر احمدی [Taceddin Ahmedi] کو عثمانیوں کا

اولین مؤرخ تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس کا شمار چودھویں صدی کے معروف شعرا میں ہوتا ہے۔

احمدی اناطولیہ میں پیدا ہوا تھا۔ ابتدائی تعلیم قاہرہ میں حاصل کی۔ وہاں سے فراغت کے بعد واپس اناطولیہ پہنچا اور سلطان بایزید اوّل یلدرم (دورِ حکومت: 1402ء - 1389ء) کے دربار میں شامل ہوا۔ اس نے امیر تیمور اور سلطان بایزید یلدرم کے مابین ہونے والی جنگِ انقرہ میں بھی شرکت کی جو 20 جولائی 1402ء کو لڑی گئی تھی۔ اس میں بایزید کو شکست ہوئی اور تیمور نے اسے قیدی بنا لیا۔

بایزید کی وفات کے بعد احمدی نے اپنی منظوم کتاب ''سکندر نامہ'' تصنیف کر کے بایزید کے بیٹے سلیمان چلبی [Süleyman Çelebi] کو پیش کی۔ اس کتاب کے آخری حصوں میں ''داستانِ تواریخِ ملوکِ آل عثمان'' کے نام سے عثمانیوں کی تاریخ بیان کی گئی ہے جو کہ 670 اشعار پر مشتمل ہیں۔[1]

تاریخی نقطہ نگاہ سے یہ کتاب بہت اہمیت کی حامل ہے کیونکہ یہ اولین تاریخ ہے جو ہمیں ارطغرل اور سلطنت عثمانیہ کے ابتدائی سلاطین کے متعلق آگہی فراہم کرتی ہے۔ بعد کے اکثر مؤرخین نے اس سے استفادہ کیا ہے۔

اس منظوم تاریخ میں ارطغرل غازی کے متعلق مختصر لیکن دیگر کتب سے مختلف اور اہم معلومات درج ہیں۔ داستانِ تواریخِ ملوکِ آل عثمان کو اساس بنا کر بعد کے مؤرخین نے تواریخ مرتب کی ہیں۔ اس کا واضح اثر لطفی پاشا اور جمالی کی

---

[1] ترکانِ عثمانی: حصہ اول، ڈاکٹر محمد صابر، صفحہ 34

Lacerem oldı cihanda namdar
Urdı bihad el ü aldı genç ü mal
Etdi leşker dar-i küfri paymal
Ol yörede durdı bir kaç vakt şah
Ta ki ola kafirün işi tebah
Sulh idi anunla tatar ol zaman
İşidicek kafire olduğın revan
Bulıban fırsat gerü El urdılar
Ahdı bozub gerü kıne durdılar
Bu haberden erdı çok teşviş ana
Labüd oldı gerü dönmek iş ana
Verdi ol etrafı Er Duğrıla şah
Ki ede defin ehl-i küfrün sal ü mah
Uydı anda çok kişi Er Duğrıla
Oldur iş kim damiş ile doğrıla
Ol gelenlerle günül berkitdi ol
Hak yolına canşnş terk etdi ol
Yüridi, Söğüt Eline geldi ol
Kılıç ile ol yöreyi aldı ol
Bunun üstine çü geçdi az zaman
Yüzini döndördi andan bu cihan
Gitdi Er duğrıl cihandan yerine
Oğlı Osman Kaldı onun Yerine[1]

[1] Iskendername. Ahmedi. Page 8-9

"تواریخ آل عثمان" میں دیکھا جاسکتا ہے۔

احمدی نے اپنی تصنیف میں خاندانِ عثمانی کو دیگر تمام سلطنتوں سے برتر و افضل لکھا ہے۔ منگولوں کے مظالم کا ذکر کرنے کے بعد عثمانیوں یا سلجوقیوں کے اپنے آبائی وطن سے ہجرت کر کے اناطولیہ میں آنے کے متعلق کوئی معلومات نہیں دیتے۔

عثمانیوں کے اوغوز خاندان سے ہونے کے متعلق بھی سب سے پہلے احمدی نے ہی درج کیا ہے۔ اپنی تصنیف میں عثمان غازی کے والد ارطغرل غازی کے اوغوز نسل سے ہونے اور ان کے ترکمن عَشِیرَت سے تعلق رکھنے کا ذکر کرتے ہوئے گوندوز آلپ، ارطغرل، گوک آلپ اور اوغوز ترکمانوں کی کثیر تعداد کے ساتھ سلطان علاؤالدین کے ساتھ جنگوں میں شامل ہونے کا منظوم ذکر کرتے ہیں:

Leşkerini cem edüp girdi yola
Gündüz Alp, Er Duğrul anunla bile
Dahi Gök alp u Oğuzdan çok kişi
Olmiş idi ol yolda anun yoldaşı
Konyadan çün geldi Sultan yükine
Katına Geldi halayik, yükine
Baylara I'zaz u ikram eyledi
Yohsula ihsan u in'am eyledi
Dar-i küfre saldı aradan çeri
Ki Eller urub öldüreler kafiri
Andan Er duğrul çok kıldı karzar

ترجمہ:

لشکر کو اکٹھا کر کے وہ راہ پر نکلے
گوندوز آلپ، ارطغرل ان کے ساتھ تھے
بشمول گوک آلپ اور اوغوز سے کئی لوگ
اس سفر میں ان کے ساتھ شامل تھے
قونیہ جا کر سلطان کے حضور میں پہنچے
اس کی اطاعت کر کے مطیع ہوئے
امرا پر اعزاز و اکرام ہوا
غربا پر احسان و انعام ہوا
دارِ کفر پر انہوں نے یورش کی
وسیع علاقے پر تصرف پا کر کفار کو قتل کیا
ان میں ارطغرل نے میدانِ کارزار میں لڑ کر
تمام جہان میں شہرت حاصل کی
فتوحات سے کثیر زر و مال غنیمت پا کر
دارِ کفار کے لشکر کو پائمال کیا
وہاں کچھ مدت بادشاہ مقیم رہا
اور کفار کے منصوبوں کو تباہ کیا
تاتاریوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ قائم تھا
سلطان کو مصروف دیکھ کر وہ بھی حرکت میں آ گئے

موقع کا فائدہ اٹھا کر حملہ کر دیا
عہد کی خلاف ورزی کر کے دشمنی ظاہر کر دی
یہ خبر سن کر سلطان کو سخت تشویش ہوئی
(بازنطینیوں کے خلاف) جنگ سے واپس ہونا پڑا
ان اطراف پر ارطغرل کو حاکم بنایا
تاکہ وہ کفار کے سال و ماہ سے جاری سازشوں کو دفن کرے
وہاں کی اکثریت آبادی ارطغرل کے تابع ہو گئی
اس نے بھی اپنی فہم و دانش سے امور کو سنبھالے رکھا
ان کے ساتھ دلی ہم بستگی برقرار کی
راہِ حق پر اپنی جان نچھاور کر دی
آگے بڑھتے ہوئے وہ سوغوت پہنچا
تلوار کے زور پر اس خطے کو فتح کیا
ابھی اسے بہت کم عرصہ گزرا تھا
کہ اس نے جہان سے آنکھیں پھیر لیں
ارطغرل دُنیا سے اپنے ابدی مقام کو چلا گیا
اس کا بیٹا عثمان اس کے مقام پر سرفراز ہوا

اس نظم میں احمدی نے گوندوز آلپ، گوک آلپ اور ارطغرل کے نام ذکر کیے ہیں۔ گوندوز آلپ سے ارطغرل کا والد مقصود ہے۔ لیکن گوک آلپ کے متعلق

مختلف نظریات سامنے آتے ہیں۔ گوندوز آلپ اور گوک آلپ کو بھائی بھی لکھا گیا ہے۔ اکثریت اس بات پر متفق ہیں کہ یہاں گوک آلپ سے مراد ایک شخص نہیں بلکہ گروہ کی نشاندہی کی گئی ہے۔ گوک آلپ، اوغوز ترکمانوں کے ایک بڑے گروہ کا سربراہ تھا۔ تیسرے مصرعے کے معنوں پر غور کیا جائے تو یہ مطلب نکلتا ہے کہ قائی قبیلہ کے ہمراہ دیگر اوغوز ترکمانوں کے گروہ بھی ہجرت میں شامل تھے۔

سکندر نامہ کے مطابق ارطغرل غازی نے اناطولیہ پہنچ کر سلطان علاؤالدین کے ساتھ جنگوں میں شامل ہوکر کئی کارنامے انجام دیے۔ اس کے سبب عامۃ الناس میں اس کی شہرت اور سلطان کی نظر میں اس کی عزت بڑھ گئی۔ تاتاریوں کے عہدنامہ کی خلاف ورزی کر کے سلجوقی سرزمین میں داخل ہونے کا سن کر سلطان علاؤالدین قونیہ واپس ہوا اور سلطان یوکی کے اطراف کا علاقہ ارطغرل غازی کو سپرد کیا۔ اس کے بعد ارطغرل غازی نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ وہاں سکونت اختیار کی، سوغوت کی جانب بڑھ کر کفار سے جنگیں لڑیں اور تلوار کے زور پر وسیع خطے کو فتح کیا۔ ارطغرل غازی کے متعلق مختصر لیکن جامع معلومات دینے والے احمدی کے بعد آنے والے مؤرخین نے تفصیلی طور پر اکثر واقعات وحوادث کا ذکر کیا ہے۔ ان مؤرخین نے کن ماخذات سے استفادہ کیا ہے، اس کے متعلق معلومات نہیں ملتیں۔ احتمال یہ ہے کہ احمدی کے ساتھ ساتھ انھوں نے اور بھی کئی کتب سے مدد لی ہوگی جو کہ موجودہ زمانے میں ناپید ہوگئیں ہیں جیسے کہ یاخشی فقیہ کی کتاب ''مناقب نامہ''۔ مؤرخ عاشق پاشازادہ نے اپنی تاریخ کی تیاری میں اسی کتاب کو ماخذ بنایا تھا۔

تخمیناً یاخشی فقیہ کی مناقب نامہ کو عثمانی سلطنت کی اولین تاریخی کتاب بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔ لیکن موجودہ زمانے میں اس کے کوئی آثار باقی نہیں ہیں جبکہ احمدی کا سکندر نامہ اپنی اصل حالت میں موجود ہے۔

شکر اللہ

(دورِ حیات: 1488ء - 1388ء)

(مشہور کتاب: بہجۃ التواریخ)

پندرہویں صدی عیسوی کے معروف عثمانی سفارت کار اور مؤرخ شکر اللہ، جو اماسیہ [Amasya] میں پیدا ہوئے اور قسطنطنیہ میں فوت ہوئے، عثمانیوں کے ابتدائی تاریخ شناسان میں سے ایک ہیں۔ انھوں نے 1459ء - 1456ء کے درمیانی عرصے میں ''بہجۃ التواریخ'' نامی کتاب مرتب کی اور اسے سلطان محمد فاتح (دورِ حکومت: 1481ء - 1444ء) کے وزیر اعظم محمود پاشا کو پیش کیا۔ اس کتاب میں شکر اللہ نے عثمانیوں کی ابتدائی تواریخ اور پیدائش کے متعلق دلچسپ اور منفرد حقائق پر روشنی ڈالی ہے۔

1449ء میں عثمانی سلطان مراد ثانی کی طرف سے شکر اللہ کو قراقویونلو [Kara Koyunlu] ریاست کے حکمران مرزا جہان شاہ (دورِ حکومت: 1467ء - 1438ء) کے دربار میں ایلچی کی حیثیت سے بھیجا گیا۔ شکر اللہ نے ایران کے شہر تبریز میں جہان شاہ سے ملاقات کے دوران اویغور لہجے میں تحریر شدہ اوغوز نامہ دیکھنے اور قراقویونلو حکمران کا عثمانیوں کو اپنا خاندانی رشتے دار بتانے کا ذکر کیا ہے۔

ساتھ ہی شکر اللہ نے اپنی تصنیف میں اوغوز نامہ کو ماخذ بنا کر عثمانیوں کے آبا و اجداد کا مختصر شجرہ مرتب کیا ہے جو کہ درج ذیل ہے:

"ارطغرل، اوغوز کے بیٹوں میں سے ایک ہے۔ یہ سلیمان شاہ کا بیٹا، قیا آلپ کا پوتا، قزل بوغا کا پڑپوتا ہے۔ پینتالیسویں پشت پر اس کا شجرہ گون آلپ بن اوغوز بن قرا خان بن قوی خان بن یافث بن نوح علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ ان کتب (اوغوز نامہ) سے واضح ہوتا ہے کہ اوغوز خان کے چھے بیٹے تھے۔ ان کے نام گون خان، آی خان، یلدیز خان، گوک خان، تاغ خان، تنگیز خان تھے۔"

مرزا جہان شاہ نے کہا: "میرے بھائی سلطان مراد کا نسب اوغوز خان کے بیٹے گون تک پہنچتا ہے اور قرا یوسف (قراقویونلو ریاست کے بانی) تنگیز کی اولاد سے ہے۔"

ان دونوں بادشاہوں کا نسب تفصیل سے بیان کرنے کے بعد جہان شاہ یوں گویا ہوا:

"میرا بھائی سلطان مراد نسب کے اعتبار سے ہم پر فوقیت رکھتا ہے۔ جس طرح گون اور تنگیز خان کے درمیان (عمر کا) فرق ہے۔"[1]

[1] Behcetüt-Tevarih. Şükrullah. Page 51

سلطان محمد فاتح کے زمانے میں قراقویونلو اور عثمانیوں کے درمیان اختلافات پیدا ہوئے۔ اس کے بعد اس نے شکر اللہ کی بہجۃ التواریخ میں سے قراقویونلو حکمران جہان شاہ کے یہ الفاظ حذف کروا دیے تھے۔[1]

بہجۃ التواریخ کے مطابق 617 ہجری بمطابق 1221ء میں چنگیز خان نے ترکستان، سمرقند اور بلخ و تاخت و تاراج کیا۔ صرف رے شہر میں پانچ لاکھ انسان قتل ہوئے۔ سلجوقیوں کے قبائل بھی اس کے سبب ترکِ وطن پر مجبور ہوئے۔ ارطغرل غازی بھی انھیں کے درمیان 340 افراد (یا گھرانوں) کے ساتھ اناطولیہ آیا اور قراجہ داغ میں مسکن اختیار کر کے وہاں کے کفار کے ساتھ نیک روابط کے تحت زندگی گزاری۔ ارطغرل غازی اوغوز ترکمانوں میں سے ہے۔ سلیمان شاہ کا بیٹا اور عثمان غازی کا والد ہے۔

ارطغرل غازی سلطان علاؤالدین کیقباد کی جنگ کی تیاریوں کا سن کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ قونیہ پہنچا اور سلطان کے تابع ہوا۔ اس جنگ میں سلطان علاؤالدین، ارطغرل کی قائدانہ صلاحیتوں اور شجاعت کا معترف ہوا۔

اس زمانے میں قراجہ حصار کفار کے زیر تسلط تھا۔ سلطان علاؤالدین نے قراجہ حصار کی طرف حرکت کی اور قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ ارطغرل کو قلعے کے جنوبی حصے کی ذمہ داری سونپی۔ اس کے پے در پے حملوں کے سبب دشمن نے لاچار ہو کر صلح کی پیش کش کی لیکن سلطان نے ان کی یہ درخواست ردّ کر دی۔

دورانِ محاصرہ تاتاریوں کے حملے کی اطلاع پا کر سلطان قونیہ جانے پر

[1] Osmanlının Kökleri Ertuğrul Gazi. Tarkan Suçıkar. Page 47

مجبور ہوا اور تاتاریوں کو زیر کر کے ان کے سروں کا مینار بنانے کے بعد ارطغرل غازی کو خلعت پہنا کر قراجہ حصار کی طرف مامور کیا۔ ارطغرل نے قلعے کی تسخیر کرنے کے بعد سوغوت کو دشمنوں کے شکنجے سے چھڑا کر فتح کیا۔

بجۃ التواریخ میں مذکور ہے کہ ارطغرل غازی نے 2 سال، تین ماہ اور چار روز جنگ میں گزارے اور 93 سال کی عمر میں وفات پائی۔

بعض عثمانی تواریخ میں ذکر شدہ ارطغرل اور عثمان غازی کے خواب کے متعلق شکر اللہ کی تصنیف میں کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔

انوری

(متوفی: 1512ء)

(مشہور کتاب: دستور نامہ)

انوری، سلطان محمد فاتح کے زمانے میں گزرے مؤرخین میں سے ایک تھا۔ اس نے سلطان محمد فاتح کے وزیر اعظم محمود پاشا کی فرمائش پر ''دستور نامہ'' کے نام سے اپنی کتاب تصنیف کی۔ اس کتاب میں انوری نے ارطغرل غازی کے متعلق تفصیل سے بیان کر کے ان واقعات کے ماخذ کے متعلق سمرقندی کا حوالہ دیا ہے۔ دستور نامہ کے مطابق ارطغرل غازی کا شجرہ دس پشتوں سے صحابہ تک پہنچتا ہے۔ کتاب کے ایک شعر میں ارطغرل غازی کو قریشی لکھا گیا ہے۔[1]

[1] Düstur-Name-i Enveri. Enveri. Page 8

اس کتاب میں انوری نے عثمانیوں کے نسب کے متعلق ایک نیا نظریہ پیش کیا ہے۔ اس کے مطابق ارطغرل، والد کی طرف سے قریش کے ایاز نامی شخص کی اولاد سے ہیں اور والدہ کی طرف سے سلجوقی ہیں۔ ان کے والد گوندوز آلپ کو زہر دے کر قتل کیا گیا اور سوغوت میں دفن ہوئے۔ ارطغرل غازی نے حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کی جس میں حضرت خضر علیہ السلام نے انھیں تلوار عنایت کی اور اس کی اولاد کے ہاتھوں فتوحات کا دائرہ وسیع ہونے اور تمام ملک روم کا ان کی حاکمیت میں آکر بیلاجیک، یارحصار اور اینا گول کے قلعے فتح ہونے کی بھی نوید سنائی۔ انوری کے علاوہ کسی دیگر عثمانی مؤرخ نے ارطغرل کو قریشی نہیں لکھا۔ البتہ ابن حجر العسقلانی (دورِ حیات: 1449ء - 1372ء) نے انباء الغمر میں چودھویں ہجری کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> ''مملکت روم کے مالک، مراد بن اورخان بن اردن علی بن عثمان بن سلیمان بن عثمان الترکمانی نے اس عرصے میں وفات پائی۔ بتایا جاتا ہے کہ ان کا نسب حجاز کے عربوں سے جاملتا ہے۔''

مولف نے یہاں اورخان بن اردن علی لکھا ہے۔ اردن علی سے مراد ادیبالی ہوسکتے ہیں۔ لیکن شیخ ادیبالی کا عثمان کا سسر ہونا ثابت ہے۔

انوری کا مقصد عثمانیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت دے کر ان کا خاندانی مرتبہ بلند کرنا تھا۔ ایسا کر کے وہ دربار سے انعام و اکرام کی امید رکھ رہا تھا لیکن اس کے دعوے کو خاطر خواہ پذیرائی نہیں ملی۔

کرامانی نشانچی پاشا

(دورِ حیات: 1481ء - 1458ء)

(مشہور کتاب: تاریخ سلاطین عثمانی)

سلطان محمد فاتح کے آخری وزیر اعظم کرامانی نشانچی پاشا نے عربی زبان میں ''تاریخ سلاطین عثمانی'' کے نام سے تاریخ مرتب کی۔ اس کتاب میں کرامانی نشانچی پاشا نے اوغوز قبائل سے تعلق رکھنے والے عثمانیوں کے آبا و اجداد کا اخلاط میں مقیم ہونا اور ان کا 21 پشتوں سے اوغوز خان کے بیٹے قابق آلپ سے منسوب ہونے کا ذکر کیا ہے۔ اس کی اولاد سے ارطغرل بن گوندوز آلپ بن گوک آلپ بن سارقیق سربراہ بنا۔

نشانچی محمد پاشا نے شکر اللہ کی طرح گوندوز آلپ کو ارطغرل کا والد لکھا ہے۔ کرامانی نشانچی پاشا کے مطابق جب منگولوں نے بغداد اور اس سے ملحقہ علاقوں پر یورش کی تو وہاں مقیم سلجوقی خاندان کے مطیع قبائل نے اناطولیہ کی طرف کوچ کیا اور آرمینیا کے شہروں میں سے اخلاط کو مسکن بنایا۔

عثمانیوں کے جد قائیق آلپ نے بھی سلجوقیوں کی ہمراہی میں کوچ کرنے پر رضامندی ظاہر کی اور اپنے اصل وطن کو ترک کر کے 1258ء میں اناطولیہ وارد ہوئے۔ انقرہ کے قریب قراجہ داغ میں سکونت اختیار کی۔ اس کے بعد وہاں سے دیگر علاقوں کا رُخ کیا۔ قائیق آلپ نے وہاں وفات پائی۔

قائیق کے بعد اس کا بیٹا سارقیق باپ کی جگہ قبیلے کا سربراہ مقرر ہوا۔

سارقیق کے مرنے کے بعد گوک آلپ جانشین ہوا اور کئی جنگوں میں بہادری کے جوہر دکھائے۔ مرنے کے بعد قزل سرائے میں دفن کیا گیا۔

اس کے بعد گوک آلپ کا بیٹا گوندوز آلپ سردار بنا اور اس کے بعد شجاع اور بہادر امیر ارطغرل نے مقام سنبھالا۔

ارطغرل نیک کردار کا مالک، سخی، راسخ العقیدہ اور راہ حق میں جہاد سے نہ ہٹنے والا شخص تھا۔ امیر ارطغرل نے سلجوقی سلطان علاؤالدین کیقباد کے جہاد کی تیاریوں کی خبر پاکر جہاد میں اس کے ساتھ شامل ہونے اور دوستی کا حق ادا کرنے کی نیت سے ایلچی بھیج کر بازنطینیوں کے خلاف مہم میں شامل ہونے کی درخواست کی۔ سلطان نے ارطغرل کے عاقل، شہ سوار اور صاحبِ کمال ہونے کا اندازہ لگا لیا اور قراجہ حصار کے محاصرے میں قلعے کے جنوبی حصے کے محاصرے پر مامور کیا۔ اسی اثنا میں تاتاریوں کے عہد نامہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سلجوقی سرزمین میں داخل ہونے کی خبر پاکر سلطان نے ارطغرل کے پاس سپاہ کا ایک دستہ چھوڑا اور قونیہ واپس ہوگیا۔ ارطغرل نے دشمن کے خلاف شاندار فتح حاصل کی۔ بعدازاں عمر کا بیشتر حصہ جہاد میں صَرف کر کے 93 سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس کا جانشین عثمان غازی مقرر ہوا۔[1]

عثمانی مؤرخین نے عثمانی سلاطین کی شان بیان کرنے کے لیے اکثر مقامات پر اوغوز خان کا نام لے کر اس سے نسبت ظاہر کی ہے۔ کرامانی محمد پاشا

---

[1] Osmanlı Sultanları Tarihi. Karamanlı Nişançı Mehmed Paşa. Page 343-344

نے بھی سلطان محمد فاتح کی پیدائش کو ان الفاظ سے بیان کیا ہے:

"بلندی اور عظمت کے باغوں سے عالی مرتبہ اوغوز خان کے جاہ و جلال کے درخت کو مزید بلندیوں کی معراج تک پہنچانے اور خاندانِ عثمانی کے شرف و اقبال کو مزید وسیع کرنے کے لیے، سلطان السلاطین، حاکم بحر و بر، پیکر عدل و احسان، سلطان مراد ثانی کے فاتح و مظفر بیٹے، محمد خان پیدا ہوئے۔"[1]

حامدی

(مشہور کتاب: تواریخ آل عثمان)

عثمانیوں کے صاحبِ دیوان شاعر اور مدح خوان حامدی نے اپنی کتاب "تواریخ آلِ عثمان" میں یہ تاثر دیا ہے کہ گویا ارطغرل غازی کبھی اناطولیہ آئے ہی نہیں۔ ان کے اِس نظریے کی کوئی دوسرا عثمانی مؤرخ تائید نہیں کرتا۔ حامدی ارطغرل غازی اور اس کی اولاد کے متعلق یوں بیان کرتا ہے:

Oldu Ertuğrul Horasanda Şehid
Tanriya ulaşdı ol şah-i sa'id
Nesl-i Ertuğrul'dan ol şah-I cihan
Rum'da Osman Bey olmuştur ayan

[1] Osmanlı Sultanları Tarihi. Karamanlı Nişançı Mehmed Paşa. Page 349

ترجمہ: ہوا ارطغرل خراسان میں شہید
وہ شاہِ باسعادت اپنے رب سے جا ملا
ارطغرل کی نسل سے وہ شاہِ جہان
ملکِ روم میں عثمان بیگ ہوا عیان

حامدی کے مطابق ارطغرل، عثمان غازی کا والد نہیں بلکہ اس کا دادا یا پردادا ہے۔ عثمانی خاندان سے اناطولیہ آنے والا اولین شخص عثمان غازی ہے۔

دیگر ماخذات سے تمام مواد میں مختلف یہ واقعات دلچسپ ضرور ہیں لیکن تاریخی حیثیت نہیں رکھتے اور بے بنیاد ہیں۔

ابوالخیر رُومی

(مشہور کتاب: سالتوق غازی داستانی)

سلطان محمد فاتح کے بیٹے شہزادہ جم سلطان [Cem Sultan] کی فرمائش پر اس کے قریبی مصاحب ابوالخیر رومی نے تیرہویں صدی کے معروف صوفی درویش ساری سالتوق کی حیات کے متعلق "سالتوق غازی داستانی" کے نام سے کتاب تصنیف کی۔ غالب امکان ہے کہ یہ کتاب 1473ء سے 1480ء کے درمیان لکھی گئی۔ اس کتاب میں ساری سالتوق درویش کی زندگی، جنگیں، کرامات اور تیرہویں سے پندرہویں صدی عیسوی کے حالات و واقعات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کتاب میں ہمارے مرکزی موضوع ارطغرل غازی اور عثمانیوں کے اجداد

کے متعلق اہم معلومات ملتی ہیں جو کسی دوسری عثمانی تاریخ میں نہیں دیکھیں گئیں۔ یہ واقعات حقیقت کے نزدیک اور تاریخی اہمیت کے حامل ہیں۔

اوغوز نامہ اور تواریخ آل سلجوق جیسی تواریخ کے مطابق 1246ء کے سالوں میں اناطولیہ پر تاتاریوں کے قدم جمنے کے بعد غیاث الدین کیخسرو ثانی نے وفات پائی۔ اس کے بعد اس کے تین بیٹوں عز الدین کیکاؤس ثانی، قلیچ ارسلان رابع، علاؤالدین کیقباد ثانی کے درمیان تخت و تاج کا مجادلہ شروع ہوگیا۔ شکست کھانے والے عز الدین کیکاؤس ثانی نے اپنے حامیوں کے ساتھ بازنطینی حکمران کے ہاں پناہ لی۔ وہ سلجوقی شہزادے کے ساتھ نیک برتاؤ سے پیش آیا۔ عز الدین کیکاؤس نے بازنطینی حکمران سے تاتاریوں سے مقابلہ کرنے اور سلجوقی تخت پر دوبارہ تصرف پانے کے لیے مدد کا تقاضا کیا۔ ساتھ ہی اپنے حامیوں اور ساتھ آنے والوں کے لیے بود و باش کے لیے زمین مانگی۔ قیصر نے تاتاریوں سے دشمنی مول لینا مناسب نہ سمجھا۔ لیکن عزالدین کے لیے رومانیہ میں ڈابروجا کے مقام پر ایک خالی و ویران علاقہ سکونت کے لیے مخصوص کر دیا۔ اس کے بعد یہ جگہ ترکوں کا مسکن بن گئی۔

1264ء - 1263ء میں ازنیق اور ازمیت کی طرف سے بیس، تیس ترکمان گروہ کوچ کر کے وہاں آباد ہوئے۔ ان ترکمانوں کا سردار ساری سالتوق تھا۔[1](219) یہ حربی فنون میں اعلیٰ درجے کا ماہر اور بہادر شخص تھا۔ جنگ کرتے وقت غازیوں کی صف میں کھڑے ہو کر بلند آواز سے پکارتا:

[1] Sarı Saltuk ve Saltukname. Ahmet Yaşar Ocak. Page 197

”میں ہوں سالتوق غازی۔“

ساری سالتوق کی شہرت درویش سے زیادہ غازی کے طور پر تھی۔[1] اس کتاب میں ارطغرل غازی اور عثمانیوں کو عالی مقام اور صاحب جاہ و جلال بتایا گیا ہے۔ لیکن ابوالخیر رومی نے ارطغرل غازی کو اوغوز خان کی بجائے حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے منسوب کر کے یوں بیان کیا ہے:

”سلطان علاؤالدین اپنے تخت پر براجمان تھے۔ جاسوسوں نے خبر پہنچائی کہ حبش کی سمت سے باہو جان تاتاری مع لشکر حرکت کر چکا ہے اور اپنے والد کے قتل کا انتقام سلجوقیوں سے لینا چاہتا ہے۔ سلطان یہ سن کر شش و پنج میں پڑ گیا۔ اس کی عمر بھی کافی ہو چکی تھی اور کوئی بیٹا بھی نہیں تھا۔ تمام مطیع اور ہمسایہ ریاستوں میں پیغام بھیجا:

”اللہ ہم سب پر کرم فرمائے۔ ہماری طرف دشمن حرکت کر چکا ہے۔ جنگ کی تیاریاں جاری ہیں، آپ بھی جلد از جلد لشکر میں شامل ہو جائیں۔“

سلطان جس قدر سپاہ جمع کر سکتا تھا، اس نے اکٹھا کی۔ ساروخانی اور جاندار ریاست سے علی بیگ کو بلا بھیجا۔ علی بیگ نوشیروان کی نسل سے تھا۔ اس نے دیگر سرداروں کو بھی ساتھ

[1] Sarı Saltuk ve Saltukname. Ahmet Yaşar Ocak. Page 274

لیا۔ کرامانی بیگ بھی آن پہنچا۔ سلطان نے انھیں وصیت کی:

"سردارو! یہ آنے والا دشمن نہایت طاقت ور ہے۔ اگر ہمیں وہاں کوئی ناخوشگوار سانحہ پیش آیا، کیونکہ اس کی علامات نظر آرہی ہیں، تو میری کوئی اولاد نہیں ہے۔ تمہاری نظر میں مجھے تخت سلطنت پر کسے جانشین مقرر کرنا چاہیے؟ تم میں سے ہر ایک نے کفار کے خلاف لڑ کر سرزمینوں کو فتح کیا ہے۔ تمہارے ہاتھ میں پرچم ہے، یہ جہاد جاری رکھنا۔ میرے بعد کرامان کو اپنا بادشاہ بنا لینا۔ اپنی ایک بیٹی بھی اس کے عقد میں دیتا ہوں۔ ایک بیٹی جاندار بیگ کو دیتا ہوں۔ وہ جاندار کا بیٹا ہے۔ آج سے یہ میرے داماد ہیں۔ ایک بیٹی اور ہے، اس سے بھی کسی اعلیٰ درجے کے شہسوار اور شجاع کا نکاح کروایا جائے گا۔ اماسیہ کا ملک اس کے نام کرتا ہوں۔ وہ جہاد کرے گا اور ہرگز کفار کو یہ موقع نہیں دے گا کہ وہ اسلام کو ضرر پہنچانے کی کوشش کریں۔ وہ جس جگہ کو فتح کرے گا، اسی کی ملکیت تصور ہوگی۔ ہم بددعا کا شکار ہوگئے ہیں۔ ہمارے ہاتھوں سے سلطنت جانے والی ہے۔ شریف کی بددعا سے بچو۔ ان کی نیک دعائیں حاصل کرنا۔"

اس کے بعد سلطان نے سلطنت امانتاً دامادوں کے سپرد کی۔ سلطنت کا

فرمان ان کے ہاتھوں میں دے کر تخصیص شدہ علاقے ان کے اختیار میں دیے۔ پھر امرا کو مخاطب کر کے کہا:

"سردارو! اماسیہ کی طرف سے ایک غازی تلاش کرو۔"

اس زمانے میں سلیمان شاہ کے بیٹے خراسان سے کوچ کر کے اناطولیہ میں آباد ہوگئے تھے۔ یہ چنگیز خان کے مظالم کے سبب ترک وطن پر مجبور ہوئے تھے۔ یہ تین بھائی تھے اور اسحاق کے بیٹے کہلاتے تھے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے عیس کی نسل سے تھے۔ اناطولیہ کی طرف آتے وقت ان کے والد دریائے فرات میں ڈوب کر انتقال فرما گئے تھے۔ سلیمان شاہ، بایزید خان اور قورقوت آتا ایک ہی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔

ان تین افراد میں سے ایک بای سونغور (سونغور تگین) تھا۔ وہ واپس ملک عجم کی طرف لوٹا۔ وہاں پہنچ کر خراسان میں مرو اور ماہان کا سردار ہوا۔ ایک گوندوز (گوندوغدو) تھا۔ وہ ارزنجان کے ایک گاؤں میں رہ گیا۔ بعد میں سلطان نے اس کے بیٹے عمر کو ارزنجان اور حامد کو دیاربکر کا گورنر بنایا۔ تیسرا اور سب سے چھوٹا بھائی ارطغرل تھا۔ اس نے جا کر اناطولیہ کو مستقر بنایا۔ اس نے اپنے بیٹے ساروخان (صاوجی) کو دیگر بزرگوں کے ساتھ سلطان کے پاس روانہ کیا۔ سُرمہ لی پُھر کو سکونت کے لیے سلطان سے مانگنے کی تاکید کی۔ وہ سلطان کے حضور میں پہنچے۔ احترامات تقدیم کیے اور مذکورہ جگہ کے لیے سلطان سے درخواست کی۔ سلطان کو ان کی صداقت کا اعتماد ہوگیا اور ان کی درخواست قبول کر لی۔

"اماسیہ جاؤ اور جہاد کرو۔ تمہیں لشکر کشی کی پوری اجازت ہے۔"

یہ وفد سلطان کا پیغام لے کر واپس آیا اور وہاں کو مسکن بنا کر کئی علاقے فتح کیے۔ روایات کے مطابق روم کی سرحد پر ایک گاؤں آباد کیا۔ وہاں بھی جنگوں میں کامیابی پا کر سلطان کی خدمت میں ہدایا روانہ کرتے رہے۔ سلطان کے دل میں بھی ان کی قدر و منزلت بڑھ گئی۔ ارطغرل نے حضرتِ شریف سے ولایت مانگی۔ بیٹے عثمان آلپ کو ہدیہ و تحائف کے ساتھ سید کے پاس روانہ کیا۔ عثمان اس وقت کم عمر تھا۔ وہ احترام کی نیت سے شریف کے پاؤں پر گر پڑا۔ شریف نے عثمان کے باسعادت سر کو اٹھایا اور اسے بیٹا مخاطب کر کے دونوں آنکھوں کو بوسہ دیا۔ اپنے پاس بٹھا کر نصیحتیں کیں۔

"اے بیٹے، حق تعالیٰ نے تمہیں اور تمہاری نسل کو سعادت، سلطنت اور عزت نصیب کی ہے۔ جہاد سے ہرگز دوری اختیار نہ کرنا۔ عدل اور نیکی اختیار کرنا۔ فقرا کی بد دعا سے بچنا۔ خلق خدا کی دل آزاری نہ کرنا۔ راہِ حق سے نہ نکلنا۔ بااخلاق بننا۔ نبی اکرم ﷺ کی باتوں پر عمل کرنا۔ راہِ راست کی پیروی کرنا۔ معاف کرنے والوں میں سے ہونا۔ غریب کو ہمیشہ خوش رکھنا۔ ظلم اور حق تلفی نہ کرنا۔ ایک کان لوگوں کے درمیان رکھنا اور ان کے حالات سے ہر لحظہ باخبر

رہنا۔ غفلت نہ ہونا۔ تمہیں میری وصیت یہی ہے کہ قاضیوں، والیوں (گورنر) اور قبیلوں کے سرداروں کی لگاتار تفتیش کرتے رہنا تاکہ وہ عادل رہیں۔ مملکت کو بہتر انداز میں سنبھالنا جس سے لوگ تمہارے تابع رہیں۔ رشوت لینے والے کو سخت سزا دو۔ کافر کا اعتبار نہ کرو۔ انھیں حاکم مقرر نہ کرو۔ ان کی فریب کاریوں کا اعتماد نہ کرنا۔ غیر مشروع کام سے گریز کرنا۔"

اور بھی کئی نصیحتیں کیں۔ اس کے بعد عثمان کو واپس روانہ کیا۔ حاضرین نے حیرت سے سوال کیا:

"جناب عالی! یہ صرف ایک قبیلے کے سردار کا بیٹا ہے۔ بادشاہ نہیں جسے آپ نے اس انداز سے نصیحت کی ہے جیسے یہ کوئی سلطان ہو۔"

شریف نے جواب دیا:

"اے قوم! یہ نوجوان، بادشاہ کا بیٹا ہے۔ اسحاق علیہ السلام بن ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہے۔ تین پیغمبروں نے اس نسل کے لیے دعائے خیر فرمائی ہے۔ پہلے پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام، دوسرے پیغمبر حضرت اسحاق علیہ السلام اور تیسرے پیغمبر خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ دُنیا میں گزرے بادشاہ اسی نسل سے

ہوئے ہیں۔ تنگری (اللہ) اس بچے کو سلطنت نصیب کرے
گا۔ اس کی نسل سے عظیم بادشاہ پیدا ہوں گے۔''

لوگوں نے شریف کے یہ الفاظ سن کر کہا:

''یہ شخص ولی ہے۔ اس کی تمام باتیں حقیقت پر مبنی ہوتی
ہیں۔ کاملاً صحیح ہیں''

یہ کہنے کے بعد عثمان کی طرف متوجہ ہوئے۔[1]

دیگر عام تواریخ کی طرح اس حکایت میں بھی افسانہ اور حقیقت کی باہمی آمیزش نظر آتی ہے۔ یہاں علاؤالدین کیقباد کی طرف آنے والا باہو جان تاتاری دراصل منگول کمانڈر بایجونویان ہے اور یہ زمانہ سلطان علاؤالدین کیقباد کے بیٹے غیاث الدین کیخسرو ثانی کا بنتا ہے۔ سلیمان شاہ کی قیادت میں قائی قبیلے کے ہجرت کرنے اور دریائے فرات میں اس کے غرق ہونے کے بعد ارطغرل کے اناطولیہ میں آباد ہوکر سلطان علاؤالدین کیقباد کے دربار میں اپنے بیٹے صاوجی کو ایلچی بنا کر بھیجنے کے متعلق اکثر تواریخ میں مذکور ہے۔ لیکن اس کے آخر میں ابوالخیر رومی نے دیگر تواریخ سے مختلف ایک حکایت بیان کی ہے اور سلطان علاؤ الدین کیقباد کی بددعا لینے اور شریف نامی ایک درویش کی عثمان غازی کو سلطنت کی نوید سنانے کا ذکر کیا ہے۔ دیگر پیشین گوئیوں سے مختلف یہ روایت صرف اس کتاب میں درج ہے۔ پہلے شریف اور شید کے نام سے ذکر شدہ روحانی شخصیت کا نام سید

[1] Saltuk Gazi Destani. Ebü'l Hayr-I Rumi. Page 337-338

سالتوق ہے جن کے نام پر ابوالخیر رومی نے کتاب تصنیف کی۔

اس کے اگلے حصوں میں عثمانیوں کے خاندان کے متعلق مدح سرائی کے انداز میں چند عبارات درج ہیں:

''تمام سردار وہاں پہنچ کر ایک بات پر متفق ہوئے۔ ارطغرل اور اس کے بیٹے عثمان غازی کی مہارتوں اور شریف کے ان کی وصف میں کہے گئے الفاظ سے آگاہ تھے۔ انھوں نے سلطان سے ان کے حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل سے ہونے اور قورقوت آتا سے خاندانی قرابت رکھنے سے آگاہ کیا۔ یہ پاکیزہ اعتقاد والے اوغوز ہیں۔ ترکوں میں صادق ترین یہی ہیں۔ ابومسلم مروی (خراسانی) کے زمانے میں ان کے جد نے خارجیوں کا خاتمہ کیا۔ یہ کہہ کر سلطان کے سامنے ان کی تعریف و توصیف کی۔ سلطان کے دل میں عثمان کے لیے محبّت پیدا ہوگئی۔ فوراً ایک دعوت نامہ لکھوا کر مہر کیا۔ قاصد سے عثمان کو پہنچانے کی تاکید کی۔''[1]

یہاں ابوالخیر رومی نے ابومسلم خراسانی کے ساتھ قائیوں کے روابط ہونے اور ان کا اموی حکومت کا خاتمہ کر کے عباسی خلافت کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرنے کا ذکر کیا ہے۔ ایک اور مقام پر ابوالخیر رومی ارطغرل غازی کے ایامِ پیری

[1] Saltuk Gazi Destani. Ebü'l Hayr-I Rumi. Page 557

میں عثمان غازی اور سید سالتوق سے ملاقات کرنے کا احوال درج کرتے ہیں:

''ساری سالتوق عثمان سے مخاطب ہوئے:

''بیٹا! عوام کو جمع کرو۔ مجھے اپنا حال معلوم ہے، عمر رسیدہ ہوگیا ہوں، میں اپنے بعد تمہیں جانشین مقرر کرتا ہوں۔''

عثمان نے جواب دیا:

''نصیب میں ہوا تو واپس ضرور آؤں گا۔''

یہ کہہ کر عمر بیگ کو ساتھ لیا اور سمندر کو پار کر کے اپنی سرزمین کا رخ کیا۔ عثمان کے والد ارطغرل قید حیات میں تھے لیکن بزرگ ہو چکے تھے۔ عثمان ایک جنگ سے واپسی پر کثیر تعداد میں مال غنیمت ساتھ لایا۔ اس کے بعد ساری سالتوق سے ملاقات کا احوال سنایا:

''سید نے مجھے ولی عہد بنا کر وہاں کوچ کرنے کا کہا ہے۔ میں سید کے دیار میں جارہا ہوں۔''

ارطغرل یہ سن کر اپنے بیٹے سے مخاطب ہوا:

''بیٹا! ابھی صبر کرو۔ دیکھتے ہیں کہ اللہ کی مرضی کیا ہے۔ اس کی رو سے فیصلہ کریں گے۔''

عثمان غازی نے والد کی بات قبول کر لی۔ ان کا قبیلہ چالیس ہزار گھرانوں پر مشتمل تھا۔ ملک عجم سے ہجرت کر کے اناطولیہ جہاد کے لیے آئے اور وہیں کے ہو کر رہ گئے تھے۔

ارطغرل نے اپنے ماتحت رعایا کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک گروہ پر عثمان کو حاکم بنایا۔ دوسرا حصہ اپنے بیٹے سارو خان (صاوجی) کی حکمرانی میں دیا/ تیسرے پر گوندوز آلپ کو سربراہ مقرر کیا اور چوتھے گروہ کو اپنی حاکمیت میں لے لیا۔ اس زمانے میں وہ اماسیہ کی طرف جہاد میں مشغول تھے۔ اماسیہ روم کا دروازہ ہے۔ ارطغرل نے عثمان سے کہا:

''اے بیٹے! مجھے امید ہے کہ عنقریب سلطان تاتاریوں کے خلاف لڑنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اِن علاقوں پر بھی ہمیں نگران مقرر کرے گا۔ ہم بھی (بازنطینیوں کے خلاف) جہاد کر کے فتوحات میں اضافہ کریں گے۔ اس کے بعد دوسرے کنارے پر تسلط پانا آسان ہے۔ دشمن کے ہمارے عقب میں ہوتے ہوئے ہمارا اِس دیار کو چھوڑ کر ساری سالتوق کے پاس جانا مناسب نہیں ہوگا۔ اس لیے فی الوقت صبر کرنا چاہیے۔''

عثمان اپنے والد کی حکم عدولی نہیں کر سکتا تھا اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی اقدام کرنے سے گریز کرتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ والد کی دل آزاری کرنے کا مطلب حق تعالیٰ کو ناراض کرنا ہے۔ عثمان نے سید سالتوق کو خط بھیج کر والد کی طرف سے اجازت نہ ملنے کا احوال درج کیا۔ سید سالتوق

نے کہا:

"اگر وہ نہیں آسکتا تو اپنے بیٹوں کو روانہ کر دے۔ یہ سرزمین اور ولایت اس کی نسل کے نام کر دی گئی ہے۔"

اس کے بعد عثمان کو تحفے روانہ کیے۔"[1]

اس حکایت میں عثمان غازی کا عمر بیگ کے ساتھ سمندر کا سفر کرنے کا احوال حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ مولف نے یہاں عمر بیگ کی بحری جنگوں میں عثمان بیگ کا نام شامل کر کے عثمان کا مقام بڑھانے کی کوشش کی ہے اور ارطغرل غازی کو بھی محتاط فیصلے کرنے والا اور صاحبِ فہم و دانش دکھایا ہے۔ سالتوق نامہ نے عثمانیوں کو اوغوز ہونے کے ساتھ ہی حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے عیص سے منسوب کیا ہے جس کی کوئی واضح دلیل نہیں ملتی۔

حسن بن محمود بایاتی

(مشہور کتاب: جام جم آئین)

حسن بن محمود بایاتی اوغوز ترکمانوں کے بایات قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ اس نے سلطان محمد فاتح کے بیٹے شہزادہ جم کی فرمائش پر "جام جم آئین" نامی کتاب تصنیف کی۔ اس کی رو سے ارطغرل کا شجرہ چھیالیسویں پشت پر حضرت نوح علیہ السلام سے ملتا ہے۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بھی ارطغرل کے آبا و اجداد کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ مختلف انبیا کے زمانوں میں گزرے اور ان پر ایمان لائے

[1] Saltuk Gazi Destani. Ebü'l Hayr-I Rumi. Page 560

تھے۔ بایاتی نے ان میں سے ہر ایک کے متعلق تفصیلاً بیان کیا ہے۔ جام جم آئین کے مطابق ارطغرل کے آبا و اجداد میں سے باسو نامی شخص نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پایا اور مسلمان ہوا۔ اس کی تیرہ پشتوں بعد ارطغرل غازی کی پیدائش ہوئی۔ اس کے بارے میں جام جم آئین میں یوں مذکور ہے:

"اِس نام کی وجہ تسمیہ کے متعلق یہ روایت کی جاتی ہے کہ ایک روز جب آل سلجوق کا ارطغرل نامی شہزادہ ان کے گھر مہمان تھا، سلیمان شاہ کا بیٹا ہوا اور اس کا نام ارطغرل رکھا گیا۔ سلیمان شاہ کے سونغور تگین، گوندوغدو، دوندار اور ارطغرل نامی چار بیٹے باقی تھے۔ والد کی وفات کے بعد سونغور تگین اور گوندوغدو کے مشرق کی طرف جانے کے بعد ارطغرل غازی اور دوندار بیگ نے چار سو گھرانوں کے ساتھ اناطولیہ کا رخ کیا۔ قینیق اور بوزوق قبائل بھی ان کے ساتھ شامل ہو کر سورمہ لی چوقور میں مقیم ہوئے۔ ارطغرل بیگ اور اس کے بھائی نے سیواس کے قریب پہنچنے پر قلعہ حاوک کے قریب منگولوں کو اناطولیہ کے (سلجوقی) لشکر پر حملہ کرتے اور خونریز جنگ ہوتے دیکھا۔ ارطغرل نے ساتھیوں سے کہا:

"ہماری گزرگاہ پر جنگ ہو رہی ہے۔ واپس لوٹنا مناسب نہیں ہے۔ ہمیں اسلامی لشکر کو شکست سے بچانے کے لیے مدد کرنی چاہیے۔"

یہ کہہ کر منگول لشکر پر دھاوا بول دیا۔ ان کے سر قلم کیے اور ایک تعداد کو اسیر بنا کر تاتاریوں کو عبرتناک شکست دی اور انھیں فرار کرنے پر مجبور کر دیا۔ ارطغرل کے صاوجی بیگ، گوندوز بیگ اور عثمان غازی نامی تین بیٹے تھے۔ دشمن کے سر اور اسیروں کو صاوجی بیگ کے ذریعے قونیہ میں سلطان علاؤالدین کیقباد کے دربار کی طرف بھیج کر اپنے قائی قبیلے سے ہونے کی اطلاع دی۔ قونیہ کے سلطان نے ان کو انقرہ کی حدود میں قراجہ داغ کو ییلاق اور کچھ مناسب زمینیں قیشلاق کے طور پر قائیوں کی ملکیت میں دیں۔ اس متعلق فرمان جاری کر کے صاوجی بیگ کے حوالے کیا۔ ارطغرل بیگ نے بھی وہاں سکونت اختیار کر کے سرحدوں کی طرف پیش قدمی کر کے سلطان کے حکم سے سوغوت تک کے علاقوں پر تصرف پالیا۔ عثمان غازی نے اپنے والد کی حیات میں ہی اسلام کے لیے کوششیں کر کے شہرت حاصل کر لی تھی۔ تمام قائیوں نے کوچ کر کے سوغوت کو مسکن بنایا۔ شیخ ادیبالی اور ان جیسے کئی علما نے وہاں نقل مکانی کی۔ آخر میں 680 ہجری میں 93 برس کی عمر پا کر سوغوت میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔''[1]

[1] Osmanlı Tarihleri. Cam-i Cem Ayin. Page 394-395

بایاتی نے اس تصنیف میں ارطغرل کی پیدائش اور نام رکھنے سے متعلق روایت پیش کی ہے۔ دیگر تواریخ مختلف آرا پیش کرتی ہیں۔ کچھ کے نزدیک ارطغرل کا نام طغرل نامی پرندے سے منسوب ہے، جیسا کہ پچھلے صفحات میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

چند دیگر تواریخ کے برعکس، جام جم آئین نے عثمانیوں کو گوک خان کی بجائے گون خان سے منسوب کیا ہے اور ارطغرل کے آبا و اجداد میں سے ہر ایک کی زندگی کے متعلق تفصیلی معلومات درج کی ہیں اور ان کے نام کے اسباب اور عمر کے ساتھ ساتھ مدتِ حکمرانی اور سالِ وفات درج کی ہے، جو کہ شبہات سے خالی نہیں ہے۔

القونوی

(مشہور کتاب: تواریخ آل عثمان)

محمد بن حاجی خلیل القونوی نے سلطان محمد فاتح کے فرمان سے ''تواریخ آل عثمان'' لکھنے کا آغاز کیا۔ لیکن یہ کام سلطان بایزید ثانی کے زمانے میں تکمیل کو پہنچا۔ فارسی میں تصنیف شدہ تواریخ آل عثمان کی رو سے عثمانی خاندان اوغوز خان کی اولاد سے ہیں۔ القونوی نے اس کے اثبات میں ایک مختصر شجرہ نقل کیا ہے:

''عثمان بن ارطغرل بن سلیمان شاہ بن قیا آلپ بن قزل بوغا
بن گوک آلپ بن اوغوز خان بن قوی خان بن پنشاء بن

نوح۔"[1]

تواریخ آل عثمان کے مطابق سلجوقی سلطان غیاث الدین کیخسرو ثالث کی طرف سے ارطغرل کو علاماتِ حکومت دیے جانے اور سانجاق بیگی کے منصب پر فائز کیے جانے کی روایت درج ہے۔ القونوی نے یہ امکان بھی ظاہر کیا ہے کہ شاید یہ منصب عثمان کو دیا گیا ہو۔

یازیجی زادہ علی

(مشہور کتاب: تواریخ آل سلجوق)

یازیجی زادہ علی کی حیات اور شخصیت کے متعلق تفصیلی معلومات کم ہیں۔ ان کے سلطان مراد ثانی کے زمانے میں موجود ہونے اور مصر کے مملوک سلطان کی طرف ایلچی بنا کر بھیجے جانے کا ذکر ملتا ہے۔ یازیجی زادہ نے سلطان مراد ثانی کے حکم سے "تواریخ آل سلجوق" تصنیف کی۔ اس میں ارطغرل غازی کی وفات کے بعد کا احوال یوں بیان کیا ہے:

"سرحدی علاقوں میں مقیم مختلف اوغوز قبائل کے ترک سردار جمع ہوئے۔ انھوں نے تاتاریوں کے شر سے بچنے کے لیے وہاں بود و باش اختیار کر لی تھی۔ عثمان کے پاس آئے اور مشاورتی نشست منعقد کی۔ انھوں نے باہمی فیصلے کے بعد کہا

[1] Tarih-i Al-i Osman-ı. El Kunevi. Page 53

کہ اوغوز خان کی وفات کے بعد قائی خان تمام اوغوز قبائل کا بڑا بھائی اور بادشاہ تھا۔ اوغوز رسم و رواج کی رو سے بھی قائی کی موجودگی میں کسی دوسرے اوغوز گروہ کو سرداری کا حق نہیں ہے۔ سلجوقی سلطان کی طرف سے ہمیں کوئی مدد و حمایت نہیں ملی۔ مرحوم سلطان علاؤالدین کیقباد بھی آپ کے لیے نظرِ نیک رکھتے تھے۔ آپ خان بنیں اور ہم غلام۔ آپ کے حکم سے یہاں ہم جہاد میں مشغول رہیں۔ عثمان نے بھی ان کی درخواست قبول کر لی۔"[1]

تواریخ آل سلجوق کی رو سے سلطان علاؤالدین کیقباد نے روم کے سرحدی علاقے قائی قبیلے کے ارطغرل، گوندوز آلپ اور گوک آلپ کی حاکمیت میں دیے تھے۔ اسی مصنف نے 676ہجری/1277ء میں سلطان غیاث الدین کیخسرو ثالث کے ان علاقوں میں آمد کے موقع پر قائی قبیلے کے سربراہ ارطغرل کے سلطان سے ملاقات کرنے اور اسی اثنا میں عثمان کے ایک بیٹے کو سلطان کی خدمت کے لیے دینے کا ذکر کیا ہے۔ سلطان کی طرف سے ارطغرل کے پوتے کو پاگنیک نامی علاقے کا حاکم مقرر کیا گیا۔ یازیجی زادہ علی کی روایات کے مطابق سلطان غیاث الدین کیخسرو ثالث (دورِ حکومت: 1283ء-1264ء) کے واقعہ جمری کے بعد بازنطینی حدود میں آنے کے بعد قائی قبیلہ کے رہبر ارطغرل بیگ کی جانب سے اسے تحفے پیش کیے جانے کا ذکر ملتا ہے۔

[1] Yazıcızade Ali. Tevarih-i Al-i Selcuk. Page 29-30

ابن کمال

(متوفی: 1490ء) (مشہور کتاب: سلاطین نامہ)

سلطان بایزید ثانی کے درباری شاعر اور مؤرخ کمال پاشازادہ کی تصنیف ''سلاطین نامہ'' کا آغاز چنگیز خان کے مظالم اور تباہ کاریوں سے ہوتا ہے۔ اس نے عثمانی خاندان کا شجرہ یوں بیان کیا ہے:

''عثمان بن ارطغرل بن سلیمان شاہ بن قایا آلپ بن قزل بوغا۔''

سلاطین نامہ میں ابن کمال نے ارطغرل کا شجرہ حضرت نوح کے بیٹے یافث سے منسوب کیا ہے۔[1]

ارطغرل نے منگول ظلم وستم کے سبب 1340 افراد (یا خاندان) کے ساتھ کرامان ہجرت کی۔ وہاں سے قراجہ داغ کوچ کر کے اپنا مستقر بنایا۔ ارطغرل غازی نے سلطان علاؤالدین سے ملاقات کی۔ سلطان نے ان کے خوش نصیب ہونے کا اندازہ لگا لیا اور ان کے رومی اور ترکمانوں جیسی شباہت رکھنے کے سبب ان کے آبائی وطن کے متعلق استفسار کیا۔ ارطغرل غازی نے سلطان اور اپنے ایک ہی نسب سے ہونے کے متعلق بیان کیا اور اپنی طرف سے اطاعت کا عہد کیا۔ یوں دونوں کے درمیان قرابت پیدا ہوگئی۔ سلطان نے ارطغرل کو ایک جنگ میں فوج کے ایک دستے کا سپہ سالار مقرر کیا اور ارطغرل غازی سلطان کی معیت میں دیگر مہمات اور قراجہ حصار کے محاصرے میں شریک ہوا۔

[1] Selatin-Name. Kemal. Page 24

اس محاصرے میں ابن کمال نے سلطان کی طرف سے توپ کے استعمال ہونے کے متعلق بھی تحریر کیا ہے کہ انھوں نے توپوں کے ساتھ حصار کا رخ کیا۔ لیکن یہ حقیقت نہیں ہے کیونکہ سلجوقیوں کے تمام عرصۂ حکومت میں ان کے جنگی آلات میں توپ کے موجود ہونے کے متعلق کوئی دلیل نہیں ملتی۔ تاتاریوں نے کرامان پر یورش کرنے کے بعد سلطان کو واپس جانا پڑا اور قراجہ حصار کا محاصرہ ارطغرل کے حوالے کیا۔ وہاں تاتاری حملہ آور سلطان کے ہاتھوں بدترین شکست کھا کر تیس ہزار لاشیں میدانِ جنگ میں چھوڑ گئے اور دوسری طرف ارطغرل کے قراجہ حصار فتح کرنے کے بعد مفتوحہ قلعے پر اسی کو حاکم بنایا گیا۔ 93 سال کی عمر میں وفات پانے والے ارطغرل نے بڑھاپے کے باوجود آخری دم تک اپنی جدوجہد جاری رکھی۔[1]

دیگر معتبر مؤرخین و کتبِ تواریخ

عاشق پاشازادہ

(دورِ حیات: 1484ء - 1400ء) (مشہور کتاب: تاریخ عاشق پاشازادہ)

معروف و معتبر عثمانی مؤرخ عاشق پاشازادہ اماسیہ میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام درویش احمد تھا لیکن اپنے پردادا عاشق پاشا[2] (دورِ حیات: 1333ء -

[1] Selatin-Name. Kemal. Page 29-30

[2] عاشق پاشا چودھویں صدی کے معروف صوفی شاعر اور درویش تھے۔

1272ء) کے نام پر عاشق پاشازادہ کے نام سے معروف ہیں۔ اس کے بقول حالتِ بیماری میں یاخشی فقیہ نے اسے سلطان بایزید اول کے زمانے تک کے احوال پر مشتمل عثمانی تاریخ ''مناقب آل عثمان'' سپرد کی۔ پاشازادہ نے تواریخ آلِ عثمان (تاریخِ عاشق پاشازادہ) میں بایزید اول تک کے حالات و واقعات کو اس کی رو سے درج کیا ہے۔ عثمان غازی، اورخان غازی اور سلطان مراد کے ادوار کو بیان کرتے وقت اس نے یاخشی فقیہ کے کتاب کی مدد لی۔

اوروچ بیگ

(متوفی: 1502ء)

(مشہور کتاب: تاریخ اوروچ بیگ)

اروچ بیگ نے اپنی کتاب ''تاریخِ اوروچ بیگ'' میں ارطغرل غازی کی اولاد کے متعلق یوں بیان کیا ہے:

''عثمانی، غازی اور غالب خاندان ہے۔ فی سبیل اللہ راہ حق میں ڈٹے رہا۔ فتوحات سے حاصل ہونے والا مالِ غنیمت غربا و مساکین میں تقسیم کیا۔ دین کی راہ میں ہمت والے ہیں اور دُنیا کی ظاہری شوکت پر کبھی مغرور نہیں ہوئے۔ شریعت کے احکام پر سختی سے عمل پیرا رہے۔''[1]

[1] Oruç Bey Adil Tarihi. Oruç Bey. Page 20

روحی

(متوفی: 1522ء)

روحی کے نام سے معروف عثمانی مؤرخ سلطان سلیم کے دورِ حکومت کے معروف مؤرخین میں سے ایک تھے۔ بعض تواریخ میں ان کا مولانا فاضل یا فاضل چلپی کے نام سے بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ عثمانی شیخ الاسلام زنبیلی علی آفندی کے بیٹے تھے۔

مولانا محمد نشری

(متوفی: 1520ء)

(مشہور کتاب: تاریخ جہان نما)

مولانا محمد نشری اپنی کتاب ''تاریخِ جہان نما'' کی نسبت سے پہچانے جاتے ہیں۔ یہ ابتدا میں کرامانی ریاست اور بعد کے ادوار میں عثمانی سلطان سلیم کے دربار میں شمولیت اختیار کی۔ ابتدائی تعلیم بورصہ میں مکمل کی اور زندگی کا بیشتر حصہ وہیں گزارا۔ سلطان مراد ثانی کی طرف سے بورصہ کے سپہ سالار قوجہ نائب کی مجالس میں شریک ہوئے۔ نشری نے اپنی تاریخ کا مرکزی ماخذ احمدی کو بنایا ہے اور عثمانیوں کی مدح میں ان کو صحابہ کے بعد تمام دیگر سلطنتوں پر فوقیت دی ہے۔

دیگر اکثر تواریخ کی مانند ابتدائی عثمانی مؤرخین نے بھی ارطغرل کے کوچ کرنے اور سلطان علاؤالدین کی اطاعت کر کے جنگوں میں شامل ہونے کا مفصل

37211468-3731416

احوال اپنے اپنے انداز میں بیان کیا ہے۔ وہ موضوعات گزشتہ صفحات میں مذکور ہیں۔ نشری کے مطابق ارطغرل نہ صرف میدانِ جنگ کا شہسوار تھا بلکہ اعلیٰ درجے کا دین دوست، متقی اور عالم شخص تھا۔ اس کے عدل کے قصے تمام سلجوقی سلطنت میں ہر خاص و عام کی زبان پر تھے۔ اسی سبب سے تمام سلجوقی سلاطین بھی ارطغرل کو عزیز رکھتے۔

ادریس بتلیسی

(متوفی: 1521ء) (مشہور کتاب: ہشت بہشت)

شاہ اسماعیل کے ایران پر غلبہ پا کر صفوی سلطنت کی تشکیل کے بعد 1501ء میں ادریس بتلیسی نے استنبول کا رخ کر کے سلطان بایزید کے دربار میں شامل ہوا۔ وہاں اس نے بادشاہ کے حکم پر فارسی زبان میں عثمانیوں کی تاریخ مرتب کی۔ قلم کے ساتھ ساتھ شمشیر گری کے فنون میں بھی مہارت رکھتا تھا اور سلطان سلیم کی معیت میں کئی مہمات میں شرکت کر کے اپنا لوہا منوایا۔

اس کی ''ہشت بہشت'' نامی کتاب میں عثمان غازی کو سلطنتوں کے درمیان ابوالمجاہدین و المغازی کے خطاب سے یاد کیے جانے کی روایت موجود ہے۔ اس کے مطابق ارطغرل غازی نے چار سو چالیس جنگجو سپاہیوں کے ساتھ بورصہ کے قریب بازنطینی لشکر کو غفلت کے عالم میں کشتیوں پر سوار ہوتے وقت حملہ کر کے مغلوب کیا۔ اس لشکر کی سربراہی میں قیصر روم بھی بذات خود موجود تھا۔[1]

[1] Osmanlı Beyliği. Adlo Gallota. Page 52

لطفی پاشا

(متوفی: 1563ء)

(مشہور کتب: تواریخ آل عثمان، آصف نامہ)

لطفی پاشا، سلطان بایزید ثانی (دورِ حکومت: 1512ء - 1481ء) کے زمانے میں سلجوقی دربار سے وابستہ ہوا۔ ابتدا میں اس نے مختلف مقامات پر سانجاق بیگی کا وظیفہ نبھایا۔ اناطولیہ اور رومیلی میں امیر الامرا کے منصب پر بھی سرفراز رہا۔ 1539ء میں سلطان سلیمان عثمانی کا وزیراعظم مقرر ہوا۔ اس نے دو اہم کتب تصنیف کیں جو ''تواریخ آل عثمان'' اور ''آصف نامہ'' کے نام سے پہچانی جاتی ہیں۔

خواجہ سعد الدین

(متوفی: 1599ء)

(مشہور کتاب: تاج التواریخ)

سلطان سلیم کے زمانے کے شیخ الاسلام خواجہ سعد الدین آفندی نے عثمانی خاندان کی ابتدائی تواریخ کے متعلق ''تاج التواریخ'' نامی کتاب تصنیف کی جس میں ارطغرل غازی کا مفصل شجرہ اور ان کے خراسان سے اناطولیہ آمد کے متعلق معلومات شریک کی ہیں۔

عثمانی تاریخ نویسی میں سلطان محمد فاتح کے بیٹے بایزید ثانی کا زمانہ بہت

اہم سمجھا جاتا ہے۔ اس نے اپنی نگرانی میں کئی مستند تواریخ مرتب کروائیں۔ اس کے زمانہ حکومت اور بعد کے مؤرخین میں اولیاء چلبی، رستم پاشا، محمد بن محمد الرومی، منجم باشی وغیرہ معتبر مؤرخین میں شامل ہیں۔ عثمانیوں کے سقوط کے بعد بھی جمہوری ترکی میں علمِ تاریخ پر کافی کام ہوا۔ ان میں اسماعیل حقی اوزون چارشی لی سرفہرست ہیں جنہوں نے مفصل تاریخ عثمانی ترکی زبان میں تصنیف کی۔ 12 جلدوں پر مشتمل تاریخِ جودت پاشا بھی اہمیت کی حامل ہے۔ جمہوریت کے سامنے آنے کے بعد ''ترک تاریخی انجمن اور عثمانی تاریخی انجمن'' جیسے ادارے قائم ہوئے جن کا مقصد قدیم عثمانی ترکی و فارسی کتب کو نئے رسم الخط میں ترجمہ کر کے ان موضوعات پر تحقیق و تالیف کو فروغ دینا تھا۔

سلطنتِ عثمانیہ کا قیام

سلطنت عثمانیہ کے آغاز اور قیام کی وجوہات پر غور کیا جائے تو پہلا سوال ذہن میں یہ پیدا ہوتا ہے کہ اناطولیہ میں سلجوقیوں کے نام سے اسلامی سلطنت کے ہوتے ہوئے ایک نئی سلطنت کے قیام کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

جواب کے لیے ہمیں اس کے پس منظر میں جانا ہوگا۔ اس زمانے پر اگر تاریخی لحاظ سے نگاہ ڈالی جائے تو دیکھنے میں آتا ہے کہ نصف صدی سے زائد مدت سے سلاجقہ روم کی سلطنت روبہ زوال تھی اور غیروں کے زیر تسلط برائے نام سلاطین تخت نشین تھے۔ سلجوق جنھوں نے اپنے زمانے کی دو طاقت ور ترین حکومتوں، غزنوی اور بازنطینی کو زیر کر کے اور درجنوں چھوٹی بڑی ریاستوں کو ضم کرنے کے بعد ایک عظیم الشان سلطنت قائم کی تھی اور چند دہائیوں کے اندر ترکستان و خراسان میں دربدر بھٹکنے والی اس قوم کے نام کا خطبہ مکہ و مدینہ سمیت تمام عالم اسلام میں پڑھا جانے لگا تھا، اسی صدی کے آخر میں یہ سلطنت کئی

ٹکڑوں میں بٹ گئی تھی۔ اس کے باوجود اس کی شان و شوکت اور جاہ و جلال میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ اس تمام عرصے میں کسی دشمن کو عالم اسلام کی طرف آنکھ اٹھانے کی جرات نہ ہوئی اور ناپاک عزائم رکھنے والے خواہ وہ صلیبی حملہ آور ہوں یا اندرونی غدار اور جڑیں کاٹنے والے، سب کو عبرت ناک اور شرم ناک شکست سے دوچار کیا۔لیکن چنگیز خانیوں کا ظہور جہاں اپنے ساتھ خاک و خون کا سیلاب لایا، وہیں تاریخ عالم میں کئی تبدیلیوں کا سبب بنا۔ اس نے زمانے کے حال اور مستقبل کو بدل کر رکھ دیا۔

مگر مشہور قول ہے کہ ہر چیز میں اللہ کی حکمت پوشیدہ ہوتی ہے۔ اگر تاتاریوں کے قدم ممالکِ اسلامی پر نہ پڑتے تو کبھی بھی ہزاروں لاکھوں ترکوں کے گروہ مغربی سرزمینوں کی طرف کوچ کرنے پر مجبور نہ ہوتے اور ماہان میں سلیمان شاہ کے زیر حاکمیت قائی قبیلہ بھی اسی حالت میں اپنی زمینداری و مالداری میں مشغول رہتا۔ لیکن خداوند عالم نے ان گمنام ترکمانوں کے نصیب میں کچھ اور ہی لکھا تھا۔

1220ء میں سلیمان شاہ کی قیادت میں قائی ترکمانوں کا یہ گروہ، جنھیں لاکھوں کے جم غفیر کے مابین کوئی خاطر میں بھی نہ لاتا تھا، ایران و شام پہنچا۔ اِن سینکڑوں قبیلوں میں سے قائیوں کو قدرت نے منتخب کیا اور فرات میں ڈوب کر سلیمان شاہ کی موت کے بعد اس کے چار بیٹوں میں ارطغرل کو یہ شرف حاصل ہوا کہ اس نے اناطولیہ کی جانب بڑھنے کا قصد کیا۔

قصہ مختصر، اس تاتاری فتنے سے جہاں لاکھوں جانوں کا ضیاع ہوا، وہیں

اس کے سبب یورپ، افریقہ اور ایشیا میں عثمانیوں کے ذریعے کروڑوں انسانوں کی طرف دین کا پیغام پہنچا۔ چھے صدیوں تک اسلام کے استحکام اور فروغ کی ذمے داری ان قائیوں کے نصیب میں آئی اور یہ تاریخ کے صفحات میں ان مٹ نقوش چھوڑ گئے۔

1077ء میں سلیمان بن قتلمش [Suleiman ibn Qutulmish] کے ہاتھوں آغاز ہونے والے سلاجقہ روم کی سلطنت کا ستارہ تقریباً دو صدیوں تک ایک وسیع اراضی پر چمکتا رہا۔ لیکن تخت پر ناکارہ سلاطین کے متمکن ہونے اور نااہل وزیروں اور اشراف کا اس کے گرد گھیرا کرنے کے سبب اس کے زوال آنے میں بھی زیادہ وقت نہیں لگا۔ اسی سبب کوسہ داغ میں بایجونویان کے مقابلے میں دوگنی فوج بزدل سلطان کے ہاتھوں رہی سہی عظمت بھی گنوا بیٹھی۔ ان سلاجقہ کی آنکھوں کے سامنے ایران، بغداد، شام و اناطولیہ تاخت و تاراج ہوتا رہا۔ لیکن اب وہ ذہنی طور پر مفلوج ہوگئے تھے اور غلامی پر رضامند تھے۔

اس دوران کئی چھوٹے بڑے گروہ اور شخصیات نے اپنی تمام تر کوششیں کیں، لیکن ناکام رہے۔ سلجوقیوں کا یہ حال دیکھ کر بازنطینیوں نے بھی اپنے کھوئے ہوئے علاقوں پر دوبارہ تصرف جما لیا۔ ہاتھ پاؤں سے محروم سلطنت کے حصے بخرے ہونے لگے اور ہر علاقے میں صاحبِ نفوذ قبیلے نے اپنی خودمختار حکومتیں قائم کر لیں جنھیں تاریخ میں اناطولیہ کی بے لیک [Anatolian beyliks] یا اماراتِ اناطولیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس عرصے میں سوغوت میں موجود ارطغرل غازی چاروں اطراف سے

محصور تھا۔ ایک طرف منگول، دوسری طرف بے جان سلاجقہ روم، تیسری طرف بازنطینی عیسائی اور چوتھی طرف چھوٹی چھوٹی خودمختار امارات موجود تھیں۔ لیکن ارطغرل نے کبھی کسی کی بالادستی قبول نہیں کی اور اپنے اور اپنے زیردست علاقے کے باشندوں کی حفاظت کے ساتھ ساتھ دیگر مہاجرین کو بھی پناہ دی۔ اتنے مصائب و دشواریوں کے باوجود امن و امان کے ساتھ ساتھ اپنا وقار و رعب برقرار رکھنا آسان کام نہیں تھا۔ اسی لیے اگر سلطنت عثمانیہ کا نام عثمان کے بجائے ارطغرل کے نام سے موسوم کر دیا جاتا تو بھی کوئی حیرت کی بات نہ ہوتی۔

تاتاریوں نے تسلط پا کر سلجوقی سلاطین کے سلسلے کو خاتمہ دینے کا ارادہ نہیں کیا۔ وہ اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ اگر ان ترکوں کی حکومت چھین لی جائے اور ان کے سر پر غیر فرمانروائی کرنے لگیں تو یہ خاموش نہیں بیٹھیں گے اور ملک کے ہر حصے سے تاتاریوں کے خلاف شورش اور انقلاب برپا ہوجائے گا جسے شمشیر کے زور پر روکا نہیں جاسکے گا۔ اس لیے برائے نام ہی سہی، اگلی نصف صدی تک قونیہ کے تخت پر آلِ سلجوق کا فرد موجود رہا۔

ارطغرل غازی کی وفات کے بعد کے احوال پر اگر نگاہ ڈالی جائے تو 1283ء میں اناطولیہ کی یہ حالت تھی کہ سلجوقی حکمران غیاث الدین مسعود ثانی ایران میں قائم منگولوں کی ایلخانی ریاست کا خراج گزار تھا اور اس کی اہمیت اور صلاحیت ایک گورنر کے برابر بھی نہ تھی۔ تمام امور سلطنت ایلخانیوں کے نمائندوں کی زیرنگرانی انجام پاتے تھے اور اناطولیہ ایک طرح سے ایلخانیوں کا ایک صوبہ بن گیا تھا۔

بھاری خراج اور مالیات کے سبب عوام کی کمر ٹوٹ چکی تھی لیکن تاتاریوں کے خراج کی رقم میں ہر سال اضافہ ہو رہا تھا۔ بعض علاقوں نے خودمختاری کا اعلان کرتے ہوئے لاتعلقی اختیار کر لی، جس کے بعد تاتاریوں نے ان پر حملہ کر کے انہیں اپنے مطیع کیا اور قتل و غارت کے ساتھ ساتھ بھاری جرمانہ عائد کر دیا۔ اس دور میں وزیر کا انتخاب بھی سلطان کے اختیار میں نہ تھا۔ مجیرالدین امیر شاہ اور فخر الدین قزوینی ایلخانیوں کے دو بااعتماد مہرے تھے اور تمام اُمورِ سلطنت کے مالک تھے۔

دوسری طرف ارطغرل غازی نے اپنی وفات تک تمام عمر سلجوقیوں سے پیمانِ وفا باندھے رکھا اور کبھی خودمختاری کا دعویٰ نہیں کیا۔ البتہ تاتاریوں کے وہ اعلانیہ مخالف تھے۔ ارطغرل کی اطاعت صرف سلاجقہ روم کی سلطنت سے وابستہ تھی۔

1281ء میں عثمان غازی نے بھی والد کا جانشین بننے کے بعد کئی چشم کشا کامیابیوں کے باوجود کبھی بھی سلجوق سلطان کے خلاف بغاوت کی کوشش نہیں کی اور اپنے والد کی روش اختیار کرتے ہوئے اطراف کے تکفوروں سے بھی نیک روابط برقرار رکھے۔

بیلاجیک، یارحصار اور حارمان قایا کے تکفور ارطغرل کے دوست اور حامیوں میں سے تھے۔ لیکن اینا گول کا تکفور آیانیکولا اپنی ترک دشمنی کے سبب مشہور تھا۔ اس نے ترکوں کے ییلاق (سرما کی جائے رہائش) کی جانب جانے والے راستوں کو بند کر کے ان سے خراج طلب کرنا شروع کر دیا۔ اس سبب سے

دونوں طرف ہلکی جھڑپیں دیکھی گئیں۔ اینا گول کے بڑھتے مداخلات کے باعث عثمان غازی نے اپنے والد کے قریبی سپہ سالاروں اور بزرگوں سے مشورہ کیا اور اس کے نتیجے میں اینا گول کے خلاف لشکر کشی کا فیصلہ کیا گیا۔ اس کے اگلے کئی سال متواتر جنگوں میں گزرے۔

1288ء تک عثمان نے قراجہ حصار سمیت کئی اہم بازنطینی قلعے فتح کر لیے تھے۔ اس کی اطلاع پانے پر سلجوقی سلطان غیاث الدین مسعود ثانی (دورِ حکومت: 1296ء - 1283ء) نے خوش ہوکر اسے مبارکباد کے پیغام کے ساتھ بیش قیمت تحائف روانہ کیے۔ نیز وہاں کے سانجاق بیگی (گورنر) کا رتبہ بھی عثمان کو دے کر علاماتِ سلطنت روانہ کیے۔[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سالوں میں بھی عثمان غازی اور قونیہ کے مابین نیک تعلقات استوار تھے۔ بعد کے سالوں میں کچھ ایسے واقعات سامنے آئے جس سے سلطنت کے قیام کی راہیں ہموار ہوگئیں۔

1295ء میں ایلخانی منگولوں کے دارالحکومت تبریز میں منگولوں کے باہمی اختلافات کے نتیجے میں ہلاکو خان کے پوتے کیخاتو [Gaykhatu] (دورِ حکومت: 1295ء - 1291ء) کو تخت سے اتارا گیا اور اس کی جگہ بایدو [Baydu] نے لے لی۔ کچھ عرصے بعد اس کو زیر کر کے غازان [Ghazan] ایلخانیوں کا حکمران بنا۔ اس دوران منگول امرا میں سے بالتو [Baltu] نامی شخص نے اناطولیہ میں غازان کے

[1] تاریخ عثمانی: جلد اوّل، اسماعیل حقی اوزون چارشی لی، صفحہ 24

خلاف علمِ بغاوت بلند کیا۔ غازان نے اس کا سدباب کرنے کے بعد سلجوقی سلطان غیاث الدین مسعود ثانی کو بھی بالتو کی حمایت کرنے کے شبے میں تخت سے اتار کر ہمدان میں قید کر دیا۔ یوں قونیہ میں سلجوقی تخت بے سر و ساماں رہ گیا۔

1296ء سے 1298ء تک سلجوقی تخت پر آلِ سلجوق کا کوئی حکمران متمکن نہیں تھا۔[1] ایلخانیوں کے اس عمل سے عوام میں سخت غم و غصہ پایا گیا۔ سلطان مسعود ثانی کے تخت سے اتارے جانے تک عثمان غازی ان کے تابع تھا۔ لیکن اب چونکہ حکمران ہی نہ رہا تھا اس لیے انہوں نے منگولوں کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور سوغوت و نواح میں آباد تمام قبائل نے منگول بالادستی ردّ کرتے ہوئے عثمان کے پاس جمع ہوکر کہا:

”مملکت اب سلجوقیوں کے ہاتھ سے جا چکی ہے۔ آپ کے خان (بادشاہ) ہونے کا وقت آ گیا ہے۔“

سرحدی علاقوں کے ترک سردار، جو کہ اوغوز ترکوں کے مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے اور تاتاریوں کے شر سے بچ کر وہاں آن بسے تھے، عثمان خان کے پاس جمع ہوئے اور باہمی صلاح مشورے کے بعد یوں گویا ہوئے:

”آپ قائی کی نسل سے ہیں۔ قائی خان، اوغوز خان کے بعد تمام قبائل کا سربراہ اور بڑا بھائی تھا۔ اوغوز خان کی وصیت اور روایات کی رو سے بھی قائیوں کے ہوتے ہوئے کسی

[1] Kayi 1. Ertuğrulun Ocağı. Prof. Dr. Ahmed Şimirgil. Page 33

دوسرے قبیلے کو حکمرانی کا حق نہیں ہے۔"[1]

لطفی پاشا نے اس کو تواریخ آل عثمان میں ایک دیگر مقام پر تفصیلاً یوں بیان کیا ہے:

"آج کے بعد سلجوقیوں کی طرف سے ہمیں کوئی بھی مدد اور چارہ سازی کی امید نہیں ہے۔ مملکت کا اکثر حصہ ان کے ہاتھ سے جاچکا ہے اور تاتار تمام امور میں غالب آچکے ہیں۔ مرحوم سلطان علاؤالدین نے آپ کے والد پر اعتماد کا اظہار کیا تھا۔ ان سرحدوں کو آپ کے اختیار میں دے کر آپ کو حاکم مقرر کیا تھا۔ ایسا ہے تو آپ کے خان بننے کا وقت آن پہنچا ہے کیونکہ آپ میں خان اور سلطان بننے کی قابلیت موجود ہے۔ سب اس پر متفق بھی ہیں۔ کیونکہ سلطنتیں یا تو اتفاق سے یا استحقاق (لیاقت و قابلیت) سے وجود میں آتی ہیں۔ ہم آپ کے ہمیشہ مطیع اور فرمانبردار رہیں گے۔ آپ بادشاہ بنیں اور ہم آپ کے غلام۔ آپ کی اطاعت میں ہم تمام قبائل قلب صمیم اور یک دلی کے ساتھ آپ کے لیے لڑنے مرنے کو تیار ہیں۔"[2]

---

[1] Tevarih al-i Osman. Lütfi Paşa. Page 78

[2] Tevarih al-i Osman. Lütfi Paşa. Page 78

عثمان خان نے ان کی درخواست کو قبول کر لیا۔ تمام سرداروں اور بزرگوں نے اس کی بیعت کی اور یوں آزاد ریاست کا قیام عمل میں آ گیا۔

1299ء کو سلطنت عثمانیہ کے آغاز کا سال قبول کیا جاتا ہے۔ اس کے اسباب و وجوہات کچھ یوں ہیں۔

سلطنت کی تشکیل اور قیام کے لیے جن تین چیزوں کا ہونا اہم سمجھا جاتا ہے وہ ہیں:

1- نئے سلطان کے نام کا خطبہ پڑھا جانا۔
2- اس کے نام پر سکہ جاری ہونا۔
3- مالیات کی جمع آوری۔

تمام معتبر عثمانی تواریخ اس بات پر متفق ہیں کہ 1299ء میں قراجہ حصار کے مقام پر عثمان غازی کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔

1298ء میں دو سال تک سلجوقی سلطان کی عدم موجودگی کے بعد غازان خان کی طرف سے سلطان علاؤالدین کیقباد ثالث کو تخت نشین کیا گیا۔ لیکن عثمان خان نے اس کٹھ پتلی سلطان کی حاکمیت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ 1299ء میں قراجہ حصار کو آباد کرنے کے بعد عثمان خان نے وہاں ایک مسجد تعمیر کروائی اور جمعہ کی نماز پڑھانے کے لیے دورسون فقیہ کو مامور کیا۔ دورسون فقیہ نے عرض کی:

"خانِ معظم! اس کے لیے ہمیں سلجوقی سلطان کی اجازت

طلب کرنی پڑے گی۔"

عثمان نے جواب دیا:

"اس شہر کو میں نے اپنے تلوار کے زور پر فتح کیا ہے۔ اس میں سلطان کا کیا عمل دخل ہے، جو مجھے اس سے اجازت لینی پڑے؟ اسے سلطنت دینے والے اللہ نے ہمیں بھی جہاد کے ذریعے حکومت عطا کی ہے۔ اگر سلطان اپنے اس پرچم پر اِتراتا ہے، تو میں نے بھی اپنا (قائی) پرچم بلند کر کے دشمنوں کا سامنا کیا ہے۔ اگر سلطان کہے کہ وہ سلجوقی خاندان سے ہے تو میں بھی گون آلپ (اوغوز کا سب سے بڑا بیٹا اور قائی کا والد) کا بیٹا ہوں۔ اگر سلطان کہتا ہے کہ ہم سے پہلے وہ اس سرزمین میں آیا ہے، تو اسے کہہ دو کہ میرا دادا سلیمان شاہ ان سے بھی قبل یہاں آیا تھا۔"[1]

یہ کہنے کے بعد عثمان غازی نے دورسون فقیہ کو قراجہ حصار کا قاضی اور خطیب مقرر کیا۔

دورسون فقیہ اس روز پہلے جمعے کی نماز کے لیے منبر پر جلوہ افروز ہوا اور خطبے کا آغاز کرتے ہوئے اللہ ذوالجلال پر حمد، رسول اللہ ﷺ پر درود وسلام، ان کے آل واصحاب کے لیے دعا، اور اس کے بعد عثمان غازی کا نام خطبے میں پڑھا۔

---

[1] Tevarih-i Al-i Osman. Aşıkpaşazade. Page 18

یوں عثمان قبیلے کے سردار سے سلطان بن گیا۔"[1]

مؤرخ ابن کمال نے اپنی کتاب میں دورسون فقیہ کی سلجوق سلطان سے اجازت لینے والی بات پر عثمان غازی کے الفاظ یوں درج کیے ہیں:

"میں کسی کے بھی ماتحت نہیں ہوں۔ اپنی ذات میں سلطان ہوں۔ اس دیار کو میں نے اپنی تلوار سے تسخیر کیا ہے۔ غلام اور نوکر چاکر جمع نہیں کیے۔ نہ میرا کوئی مالک ہے، نہ ہی سلطان۔ کیا میرا اجازت دینا کافی نہیں؟ میرے حکم کے آگے کسی کے فرمان کی اہمیت نہیں۔ سلطانِ زمانہ کہلانے والے مَلِک یونان (سلجوقی حکمران) کا میری قلمرو میں کیا تصرف؟ میرا نسب بھی سلطان سے کم نہیں ہے۔ میرا خاندان اعلیٰ ہے۔ جو گون آلپ کو نہیں جانتے، انھیں کسی چیز کی خبر نہیں اور جاننے والے سلجوق سے نسبت نہیں دیتے۔"[2]

عثمان کے کہے سے مراد یہ ہے کہ سلجوق، اوغوز خان کے 24 پوتوں میں سب سے آخر میں آنے والے پوتے قینیق کی نسل سے ہیں۔ جبکہ قائی، اوغوز کے سب سے بڑے بیٹے گون خان کا بیٹا ہے۔ یوں اس کا درجہ سب پوتوں سے اوپر ہے۔

---

[1] Hadidi. Page 39. Neşri Tarihi. Page 87. Aşıkpaşazade. Page 12-13

[2] Tevarih-i Al-i Osman. Ibn-i Kemal. Page 112-113

اماراتِ چوبانی

یہ بھی اوغوز ترکوں کے قائی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے اور اس کا بانی حسام الدین چوبان تھا۔ اوائل میں یہ سلجوقی سلطنت میں فوجی کمانڈر تھا۔ اس کی خدمات اور فتوحات کے صلے میں کاستامونو کا اوچ بیگی مقرر کیا گیا۔ انھوں نے سلجوقیوں کی شکست دیکھ کر اپنی خودمختار امارت قائم کر لی۔ لیکن یہ حکومت زیادہ عرصہ قائم نہ رہ پائی اور 1309ء میں آلِ جاندار کے حکمران سلیمان پاشا کے ہاتھوں ان کی حاکمیت کا خاتمہ ہوگیا۔[1]

آلِ جاندار

چوبانیوں کے خلاف ایک جنگ میں اسیر ہونے والے سلجوقی سلطان غیاث الدین مسعود دوم کو قید سے رہائی دلوانے پر 1292ء میں سلطان نے شمس الدین یامان جاندار کو کاستامونو اور اس سے متعلقہ علاقوں کا حکمران بنایا۔ اس کے کم عرصے بعد انھوں نے خودمختار ریاست قائم کر لی۔ جاندار بیگ کے مرنے کے بعد جاندار اور چوبانیوں کے مابین جنگیں سامنے آئیں جس کے نتیجے میں جاندار کے بیٹے سلیمان شاہ نے غلبہ پا کر کاستامونو پر تصرف پالیا۔ انھوں نے سلطنتِ عثمانیہ کی تشکیل کے بعد عثمان غازی کی قرابت اختیار کی اور اس کی مدد سے سلیمان شاہ نے کئی دیگر علاقوں کو بھی اپنے قبضے میں کر لیا۔ اورخان اور سلطان مراد کے

[1] ترک اسلامی ریاستوں کی مختصر تاریخ، صفحہ 227

زمانے میں بھی یہ دوستانہ روابط جاری رہے لیکن سلطان بایزید یلدرم نے اپنی قلمرو کو وسعت دیتے ہوئے آلِ جاندار کے علاقوں کو بھی سلطنت میں شامل کر دیا۔

انقرہ کی جنگ میں سلطان بایزید کے اسیر ہونے کے بعد آلِ جاندار کا وارث اسفندیار بیگ تیمور نے تیمور کی اطاعت قبول کر لی اور باج دینے پر آمادہ ہوا۔ تیمور نے انھیں کاستامونو اور دیگر نواحی علاقوں پر دوبارہ حاکم بنایا۔ اسفندیار بیگ نے ریاست کا دوبارہ آغاز کیا جس کے سبب یہ انھیں آلِ اسفندیار بھی کہا جاتا ہے۔ اس نے محتاط طریقے سے عثمانی شہزادوں اور بعد میں آنے والے سلاطین کے ساتھ روابط کو فروغ دیا لیکن 1462ء میں سلطان محمد فاتح کی سلطنت نے ان کی حاکمیت کو اپنے دائرۂ اختیار میں لے لیا۔

آلِ اشرف

تیرہویں صدی کے اواخر میں سلجوقیوں کے امیر الامراء سیف الدین اشرف نے بےشہر میں اپنی حکومت کا اعلان کیا۔ اس ریاست کی تاریخِ تشکیل 1289ء بتائی جاتی ہے اور 1326ء میں ان کا خاتمہ ہوگیا۔

گرمیان

اس ریاست کا بانی علی شیر نامی شخص تھا۔ بعض عثمانی مؤرخین نے علی شیر کے ارطغرل غازی کے خلاف بھی لڑنے کا حوالہ دیا ہے۔ گرمیان بھی ترک النسل تھے اور دیگر اوغوز قبائل کے ساتھ اناطولیہ آئے۔ انھوں نے کوتاہیہ میں اپنی

ریاست بنائی۔ سلجوقی، منگول اور رومیوں کے خلاف اپنی ریاست کے لیے جنگیں کیں۔ علی شیر کے بیٹے یعقوب نے باقاعدہ ریاست کا اعلان کر کے کوتاہیہ کو مرکز بنایا۔ گرمیانیوں کی ریاست ہر لحاظ سے ایک طاقتور حکومت تھی۔ یہاں تک کہ بازنطینیوں کو بھی زیر کر کے خراج وصول کیا۔ بعد کے ادوار میں عثمانیوں کے ساتھ کشیدگی میں کمی آئی اور دوستانہ روابط قائم ہوئے۔ اس ریاست کے آخری حکمران یعقوب بیگ کی کوئی اولاد نہیں تھی اس لیے اس نے اپنی وصیت میں تمام قلمرو کو عثمانیوں کے نام کیا۔

قرامانی

قرامانیوں کا تعلق اوغوز ترکوں کے افشار قبیلے سے تھا۔ انھوں نے چنگیز خان اور اس کے بعد کے تاتاری حکمرانوں کے خلاف عرصہ دراز تک جنگیں لڑیں اور اکثر اوقات انھیں شکست سے دوچار کیا۔ یہ ابتدا میں ترکستان سے ہجرت کر کے سلجوقیوں کے ہاں پناہ گزین ہوئے اور 1228ء میں سلطان علاؤالدین نے انھیں بعض علاقوں کی حاکمیت عطا کی۔ جہاں بعدازاں انھوں نے اپنی طاقتور حکومت بنائی جو کہ اناطولیہ کی تمام ریاستوں میں طاقت ور ترین ریاست ثابت ہوئی۔ اس کا بانی کریم الدین قرامان تھا۔ انھوں نے سلجوقی اور عثمانی سلاطین کے خلاف بھی سالہا سال جنگیں لڑیں۔

قرامانیوں کے متعلق ایلخانی حکمران غازان خان (دورِ حکومت: 1304ء - 1295ء) کے یہ مشہور الفاظ تاریخ کے صفحات پر محفوظ ہیں:

”اگر یہ قرامانی اور ترکمن نہیں ہوتے تو ہمارے گھوڑوں کے پاؤں غروب آفتاب کے مقام تک پہنچ جاتے۔“[1]

ان کے علاوہ سلطنت عثمانیہ کے قیام کے وقت موجود چند امارات یہ ہیں:

منتشا، حمید، آل اشرف، آل صاحب، آل پروانہ، آل صاروخان، آل عطا، آل رمضان، آل تاج الدین، آل مینتشے، آل ایناپنچ وغیرہ۔

[1] مالک الابصار، العمری، صفحہ 28

ارطغرل کی اولاد سے برصغیر میں حکمران

سلطان مراد ثانی کی 1451ء میں وفات کے بعد سلطان محمد فاتح تخت نشین ہوئے۔ اس کے دورِ حکومت میں ارکان سلطنت کے مشورے اور اکثر علما کے فتوے کی رو سے امورِ سلطنت میں فتنہ و خانہ جنگی سے بچنے کے لیے سلطان کے تخت نشین ہونے کے بعد دیگر بھائیوں کا قتل جائز قرار دے دیا گیا۔ اکثر سلطنتوں میں ایسا ہوتا آیا ہے کہ ایک بادشاہ کے مرنے کے بعد اس کے بیٹوں میں جنگ وجدل کا آغاز ہوجاتا ہے جس کے نتیجے میں شہزادے اپنے حامیوں کو جمع کر کے باہم برسرپیکار ہوجاتے ہیں اور ہزاروں انسانوں کی موت کے ساتھ ساتھ سلطنت بھی ضعف کا شکار ہونے لگتی ہے۔ اس کے لیے یہ راہِ حل نکالا گیا تھا کہ بادشاہ کے بعد اس کا بڑا بیٹا جانشین بنے لیکن شہزادے اکثر اوقات یہ رسم قبول نہ کرتے ہوئے باہمی جنگوں میں پڑ جاتے یا مرحوم سلطان کی طرف سے چھوٹے بیٹے کو جانشین بنانے کی وصیت کر دی جاتی۔ اس کی مثال سلجوقی سلطان غیاث الدین

ثانی کے مرنے کے بعد اس کے تین بیٹوں کی باہمی جنگوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

اس لیے یہ فیصلہ کیا گیا کہ ملک کو انتشار اور ہزاروں انسانوں کو قتل و غارت گری سے دُور رکھنے کے لیے باقی شہزادے امن و امان کے لیے قربان کر دیے جائیں۔ ایسا کرنا خود سلطان کے لیے بھی آسان عمل نہ تھا کیونکہ اپنے بھائیوں کو قتل کرنا انھیں ہرگز گوارا نہ تھا لیکن اس پر عمل کرنا ضروری ہوگیا تھا۔ سلطان بایزید ثانی کے سلطان بننے کے بعد جب اس کے بھائیوں کو قتل کیا گیا تو تاریخ میں مذکور ہے کہ اس نے لمبے عرصے تک سوگواری اختیار کی اور روتے ہوئے کہا کہ کاش یہ ناپاک رسم ہمارے درمیان نہ ہوتی۔ دیگر عثمانی سلاطین کی اکثریت کا بھی اپنے بھائیوں کی موت پر سوگ کرنا تاریخ سے ثابت ہے۔

سلطان محمد فاتح نے امرائے سلطنت کی رائے قبول کرتے ہوئے اپنے چھوٹے بھائی یوسف کے قتل کی اجازت دے دی۔ لیکن سلطان کی والدہ کو اپنے کمسن بیٹے سے بہت محبّت تھی۔ اس نے شاہی حرم سرا کے دروازے پر کھڑے امرا سے ایک روز کی مہلت طلب کی تاکہ وہ اپنے بیٹے کو آخری بار جی بھر کے دیکھ سکے۔ امرا ملکہ کی بات قبول کرتے ہوئے واپس چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد ملکہ نے عماد الدین گرجستانی نامی ایک ایرانی سوداگر کو خفیہ طور پر بلوایا۔ یہ شاہی خاندان کے لیے دُور دراز کے ممالک سے اشیا لا کر فروخت کرتا تھا۔ ملکہ نے اس کو کثیر تعداد میں مال و زر دے کر شہزادہ یوسف کو عثمانی حدود سے باہر کسی جگہ بھیجنے کا حکم دیا۔

وہاں شہزادے کی جگہ اس سے مشابہت رکھنے والے ایک غلام کو قتل کر

کے کفن پہنا کر شاہی انداز میں دفن کیا گیا۔ اس کے متعلق کسی نے زیادہ تحقیق کی ضرورت نہ سمجھی اور سب نے اسے شہزادہ یوسف کی لاش تصور کر لیا۔ دوسری طرف سوداگر رات کے اندھیرے میں شہزادہ یوسف کو محل سے نکال کر بغداد روانہ ہو گیا۔ وہاں سے اردبیل کا رُخ کر کے اس زمانے کے معروف صوفی شیخ صفی الدین اردبیلی کے ہاں پہنچا۔ ان کے حلقہ درس میں شامل ہو کر کچھ عرصہ مقیم رہا جس کے بعد سوداگر، یوسف کو اپنے آبائی علاقے ساوہ میں لے گیا اور اپنے بیٹوں کے ساتھ اسے بھی مکتب میں شامل کیا۔

شہزادے کی والدہ اپنے بیٹے کے جدائی کے غم میں اندر ہی اندر نڈھال ہو گئی لیکن اس کے متعلق کسی کو شک نہ ہونے دیا۔ اس نے کچھ عرصے بعد اپنے ایک معتمد غلام کو شہزادے کی خبر لانے کے لیے روانہ کیا اور اس کے لیے تحائف روانہ کیے۔ اس نے سوداگر کے گھر میں شہزادے کی احسن تربیت کو دیکھا اور واپس جا کر ملکہ کو اطلاع دی۔ سوداگر عماد الدین خواجہ کے گھر والوں نے یہ بھانپ لیا اور ان کے توسط سے ساوہ کے حاکم آقا تویلو ترکمانی کو بھی شہزادہ یوسف کی اصلیت کا معلوم ہو گیا۔ اس زمانے میں سوداگر خواجہ عماد الدین تجارت کے سلسلے میں شہر سے باہر تھا۔

ساوہ کے حاکم کی طرف سے شک میں پڑنے کے بعد اس کے وہاں رہنا مناسب نہ سمجھا اور ایران کے قم شہر کا رُخ کیا۔ وہاں اصفہان، کاشان اور شیراز کی سیر کی۔ کچھ عرصے بعد اطلاع موصول ہوئی کہ ساوہ کا حاکم معزول کر دیا گیا ہے۔ اس نے دوبارہ وہاں جانے کا ارادہ کیا لیکن ایک رات خواب میں

حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھا۔ انھوں نے شہزادے کو ساوہ کا خیال دل سے نکال دینے اور ہندوستان کا رُخ کرنے کی تاکید کی۔ اس عرصے میں شہزادے کی عمر سترہ سال سے زائد نہ تھی۔ خواب میں بزرگ کی رہنمائی کے مطابق سمندر کے راستے سے ہندوستان روانہ ہوا اور بیجاپور پہنچا۔ جہاں اس وقت بہمنی ریاست قائم تھی۔ احمد آباد بیدر پہنچ کر وہاں کے حاکم محمود کاواں کے دربار میں ترکی غلام کی حیثیت سے شامل ہوا۔ شہزادہ یوسف نے اپنا راز ظاہر نہ ہونے دیا اور اپنی خداداد صلاحیتوں کے سبب دربار میں اعلیٰ رتبوں پر فائز ہوتا گیا۔ محمود کاواں نے اسے والیٔ آخور عبدالعزیز خان کے پاس روانہ کیا۔ عبدالعزیز نے بڑھاپے کے سبب تمام امور یوسف کے سپرد کیے اور خود برائے نام والی رہا۔ عبدالعزیز کی وفات کے بعد یوسف کو بہمنی ریاست کی طرف سے آخور کا گورنر بنایا گیا۔ اس کو ترکی سپاہ کے امیر نظام الملک کی سفارش پر عادل خان کا خطاب دیا گیا اور یوسف عادل خان نے کئی جنگوں کی سربراہی کر کے فتوحات میں اضافہ کیا۔

تاریخ فرشتہ کے مطابق یوسف عادل شاہ کی ملکہِ جہان نامی ایک بیٹی تھی جو کہ احمد شاہ بہمنی کے عقد میں دی گئی تھی۔ ایک روز محل میں جشن منعقد ہوا جس میں تمام شاہی خاندان کی شہزادیوں نے شرکت کی۔ ملکہ جہان بھی شہزادیوں کی مجلس میں آئی اور سب سے بالائی جگہ پر بیٹھ گئی۔ اس کا یہ فعل بعض خواتین کو سخت ناگوار گزرا اور ان میں سے چند ایک ترش روئی سے کہنے لگیں: ”خدا کی شان ہے کہ یوسف عادل شاہ کی بیٹی بہمنی شہزادیوں سے بھی زیادہ بلند مرتبہ اور صاحب وقار ہوئی۔“

ملکہ جہان کے کانوں پر ان کا یہ طعنہ گراں گزرا اور ان سے مخاطب ہو کر جواب دیا: ”اگر تم شہزادیاں ہو تو میں تم سے زیادہ بلند پایہ شہزادی ہوں۔ اگر تم فرمانروائے دکن کی بیٹیاں ہو تو میں سلطانِ روم کی پوتی ہوں۔“

یہ کہہ کر اپنے والد کا مکمل قصہ حاضرین کے گوش گزار کیا۔

اس گفتگو کی اطلاع بہمنی حاکم تک بھی پہنچی۔ پہلے پہل تو اس نے محض افسانہ سمجھا لیکن عادل شاہ کے ایک حاسد امیر، قاسم برید کے اصرار پر ایک معتبر شخص کو اس موضوع کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے عثمانی سرزمین کی طرف روانہ کیا گیا۔ اِس شخص نے استنبول پہنچ کر عثمانی حرم سرا کی ضعیف العمر خواتین سے سلطان محمد فاتح کے زمانے میں گزرے احوال کے متعلق استفسار کیا جس کے بعد اس کی تائید ہوگئی کہ یہ وہی شہزادہ یوسف ہے۔

1489ء میں بہمنی ریاست کے ضعف وسقوط کے بعد یوسف عادل شاہ نے اپنی خودمختار حکومت کا اعلان کیا جو کہ بیجاپور اور گرد و نواح کے وسیع علاقوں میں دوسو سال تک قائم رہی یہاں تک کہ بادشاہ اورنگزیب کی طرف سے 1686ء میں اس ریاست کا خاتمہ ہوا۔

شہزادہ یوسف کا شجرہ ارطغرل غازی تک یوں پہنچتا ہے:

”یوسف عادل شاہ بن سلطان مراد ثانی بن سلطان محمد بن سلطان بایزید یلدرم بن سلطان مراد بن اورخان بن عثمان غازی بن ارطغرل غازی۔“

کتابیات

اُردو:

* ترکانِ عثمانی، جلد اوّل، محمد صابر (اُستاد تاریخ اسلام و زبان ترکی، کراچی یونیورسٹی، پاکستان)
ناشر: شہباز پرنٹرز، اشاعت: اپریل 1967ء

* تُرک اسلامی ریاستوں کی مختصر تاریخ، مصنّفین: ابراہیم کیفس اوغلو، حقی درسن یلدز، اردوغان میرچل اور محمد سائے، مترجم: منور علی خان،
ناشر: قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت (N.I.H.C.R)، قائداعظم یونیورسٹی، اسلام آباد،
اشاعت: 2002ء

* سلاطین ترکیہ، اسٹینلے لین پول، مترجم: نصیب اختر،
ناشر: سعید کمپنی، کراچی، اشاعت: 1966ء

* تاریخ ابن اثیر، عز الدین بن الاثیر الجزری

* تاریخ فرشتہ، جلد اوّل و دوم، محمد قاسم فرشتہ، مترجم: مولوی محمد فدا علی صاحب طالب،
ناشر: دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکارِ عالی حیدر آباد دکن، اشاعت: 1928ء

* خلافت عثمانیہ اور دُنیائے اسلام، مولانا سیّد سلیمان ندوی،
ناشر: دارالاشاعت سیاسیات مشرقیہ، دہلی،

* سلاجقہ، ابوالاعلیٰ مودودی،
ناشر: مطبوعہ انشا پریس، لاہور، اشاعت: 1954ء
* سلطنتِ عثمانیہ، ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی، مترجم: علامہ محمد ظفر اقبال کلیار،
ناشر: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، اشاعت: 2008ء
* دولتِ عثمانیہ، جلد اوّل، ڈاکٹر محمد عُزیر،
ناشر: دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ہندوستان، اشاعت: طبع جدید 2009ء
* فرمانروایان اسلام، لین پول، مترجم: ڈاکٹر غلام جیلانی برق،
ناشر: الفیصل ناشران، لاہور، اشاعت: 2012ء
* سوانح مولانا روم، مولانا شبلی نعمانی،
ناشر: بک کارنر، جہلم، اشاعت: 2007ء
* ارطغرل، چراغ حسن حسرت، باہتمام: عبدالحمید خان
ناشر: تاج کمپنی لمیٹڈ، قرآن منزل، ریلوے روڈ، لاہور
* تاریخ الخلفاء، علامہ جلال الدین سیوطی، مترجم: مولانا صاحبزادہ محمد مبشر چشتی،
ناشر: شبیر برادرز، لاہور، اشاعت: 2002ء
* مسئلہ خلافت، مولانا ابوالکلام آزاد،
ناشر: مکتبہ جمال، لاہور، اشاعت: 2006ء

فارسی:

* تاریخ عثمانی، پروفیسور اسماعیل حقی اوزون چارشی لی، مترجم: دکتر ایرج نوبخت،
ناشر: موسسہ کیھان، اشاعت: ۱۳۶۸ ھجری
* شجرۃ التراکمہ، ابوالغازی بہادر خان، مترجم: م۔ کریمی،
ناشر: انتشارات بینار، اشاعت: ۱۳۹۰ ھجری
* سلجوقیان: از آغاز تا فرجام، دکتر سید ابوالقاسم فروزانی،
ناشر: مرکز تحقیق وتوسعۂ علوم انسانی، اشاعت: اول ۱۳۹۳ ھجری

* دیوان لغات الترک، شیخ محمود بن حسن کاشغری، مترجم: دکتر حسین محمد زادہ صدیق
ناشر: مرکز پخش انتشارات اختر، تبریز، ایران، اشاعت: ۱۳۸۳ ھجری
* جامع التواریخ، رشید الدین فضل اللہ ھمدانی (درسنہ ۷۰۴ ھ)، بکوشش: دکتر بہمن کریمی،
ناشر: انتشارات شرکت نسبی حاج محمد حسین اقبال وشرکاء، تھران، اشاعت: ۱۳۳۸ ھجری
* سلجوقنامہ (بہ انضمام ذیل سلجوقنامہ ابو حامد محمد بن ابراہیم)،
ظہیر الدین نیشاپوری، تصحیح: میرزا اسماعیل افشار،
ناشر: انتشارات اساطیر، اشاعت: ۱۳۹۰ ھجری
* تاریخ امپراطوری (عثمانی وترکیہ جدید)، جلد دوم،
استانفورد جی، شاو، مترجم: محمود رمضان زادہ،
ناشر: معاونت فرھنگی آستان قدس، اشاعت: ۱۳۷۰ ھجری
* غزنویان: از پیدائش تا فروپاشی، دکتر سید ابوالقاسم فروزانی،
ناشر: مرکز تحقیق وتوسعہ علوم انسانی، اشاعت: ۱۳۸۴ ھجری
* تاریخ وفرھنگ ترکمنھا، پوھنوال محمد صالح راسخ یلدرم،
ناشر: انجمن اجتماعی فرھنگی یورت، اشاعت: ۱۳۹۴ ھجری
* نگاھی بتاریخ وفرھنگ ترکمنھا، ژورنالیست عبدالمجید توران،
ناشر: انجمن فرھنگی ترکمنھای، افغانستان، اشاعت: ۱۳۸۹ ھجری
* سفرنامۂ ابن حوقل (صورۃ الارض)، تالیف محمد ابوالقاسم ابن حوقل، مترجم: دکتر جعفر شعار،
ناشر: موسسہ انتشارات امیر کبیر، تھران، اشاعت: ۱۳۶۶ ھجری
* دولتِ عثمانی: از اقتدار تا انحلال، اسماعیل احمد یاغی، مترجم: رسول جعفریان،
ناشر: پژوھشگاہ حوزہ ودانشگاہ، اشاعت: ۱۳۹۱ ھجری
* راحۃ الصدور وآیۃ السرور در تاریخ آل سلجوق، تالیف محمد بن علی راوندی، سعی وتصحیح: محمد اقبال،
ناشر: انتشارات اساطیر، اشاعت: ۱۳۸۵ ھجری
* حدود العالم من المشرق الی المغرب (تالیف ۳۷۲ ھ)، بکوشش: دکتر منوچہر ستودہ،
ناشر: کتابخانہ طہوری، تھران، اشاعت: ۱۳۶۲ ھجری

* تاریخ ترکهای آسیای مرکزی، ولادیمیر بارتولد، مترجم: غفار حسینی،
ناشر: انتشارات توس، اشاعت: ۱۳۷۶ هجری
* سفرنامه ابن فضلان، احمد ابن فضلان، مترجم: ابوالفضل طباطبائی،
ناشر: انتشارات بنیاد فرهنگ ایران، اشاعت: ۱۳۴۵ هجری
* امپراطوری صحرانوردان، رنه گروسه، مترجم: عبدالحسین میکده،
ناشر: شرکت انتشارات علمی و فرهنگی، اشاعت: ۱۳۵۳ هجری
* اخبار سلاجقه روم، محمد جواد مشکور،
ناشر: مرکز تحقیقات رایانه ای قائمیه، اصفهان،
* تاریخ ترکان پیش از اسلام، فاروق سومر،
ناشر: انشارات سومر نشر، اشاعت: ۱۳۹۰ هجری
* تاریخ آل سلجوق در آناطولی، ناشناخته، تصحیح: نادره جلالی،
اشاعت: ۱۳۷۵ هجری
* ترکان در گذر تاریخ، بهنام محمد پناه،
ناشر: انتشارات سبزان، اشاعت: ۱۳۸۷ هجری
* هندتحت تسلط کوشانیان، ب،ن پوری، مترجم: پوهنوال ضمیر صافی،
ناشر: مطبعه دولتی، اشاعت: عقرب ۱۳۵۷
* اوغوز ها (ترکمن ها)، پروفیسور فاروق سومر،
ناشر: انتشارات حاج طلایی، اشاعت: ۱۳۸۰ هجری
* تاریخ بیهقی، ابوالفضل بیهقی، تصحیح: سعید نفیسی،
ناشر: کتابخانه سنایی، تهران، اشاعت: ۱۳۳۳ هجری
* ترکستان نامه، بارتولد، مترجم: کریم کشاورز،
ناشر: انتشارات آگاه، اشاعت: ۱۳۵۱ هجری
* زین الاخبار (تاریخ گردیزی)، ابوسعید گردیزی، تصحیح وتحشیه: عبدالحی حبیبی،
ناشر: دنیای کتاب، تهران، ۱۳۶۳ هجری

* تاریخ سلاجقه (مسامرة الاخبار ومسایرة الاخیار) محمود بن محمد آقسرائی، تصحیح: عثمان توران،
ناشر: انتشارات اساطیر، اشاعت: ۱۳۶۲ هجری

عربی:

* الدرر الحِسان فی فضائل سلاطین آل عثمان،
تالیف: العلامہ عبدالقادر الطرابلسی، اعتنیٰ بہ: حسین محمد علی شکری،
ناشر: دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، اشاعت: 1971ء
* شجرة النعمانیه فی الدولة العثمانیه، شیخ اکبر محی الدین ابن العربی، (نسخہ خطی)،
* الکامل فی التاریخ، علامہ ابن الاثیر الجزری،
مقام اشاعت: بیروت، اشاعت: ۱۳۸۶ ہجری

ترکی:

* **El Evamirü'l-Ala'iye fıl-Umuri'l-Ala'ıye (Selçuk-Name).** Cilt 1. Ibn Bıbı, Translator: Prof. Dr. Mürsel Öztürk.
Publisher: T.C. Kültür Bakanlığı Yayınları. 1833
* **Osmanlı'nın Kökleri Ertuğrul Gazı.** Tarkan Suçıkar.
Translator: Yediveren Yayınları.
Publisher: Kasım. 2017
* **Ertuğrul Gazi Tarihın Gönül Aynası**. Mustafa Akgün.
Publisher: Korza Yayıncılık, Ankara. 201
* **Ertuğrul Gazi.** Bekir Manav.
Publisher: Pergole Yayınları. 2017
* **Ertuğrul Gazi Kuruluş.** Dr Cengiz Zengin.
Publisher: Bilge Oğuz Yayınları, İstanbul. 2015
* **Müslüman Türk Devletleri Tarihi.** Prof.Dr. Erdoğan Merçil.
Publisher: Dil ve Tarih Yüksek Korumu Türk Tarih Korumu Yayınları, İstanbul. 2006

* **Kayi Han Oğlu Ertuğrul Gazi.** Dursun Saral.
Publisher: Kutlu Yayınevi, Istanbul. 2019
* **Oğuzlar (Türkmenler).** Prof. Dr Faruk Sümer.
Publisher: Dil ve Tarih-Cografya Fakültesi Yayınları. 1935
* **Şecere-i Terakime.** Ebülgazi Bahadır Han.
Publisher: Hazırlayan Muharrem Ergin, Tercüman 1001 Temel Eser
* **Eski Türk Dini Tarihi.** Prof. Dr Abdulkadir İnan.
Publisher: Millet Eğitim Basımevi. İstanbul 1976
* **Osmanlı Tarihi.** Profç İsmail Hakkı Uzunçarşılı.
Publisher: Türk Tarih Kurumu Basımevi, Ankara. 1988
* **Osmanoğullarının Tarihi.** Aşık Paşazade. Çeviri Kemal Yavuzö M.A Yekta Saraç.
Publisher: Koç Kültür Sanat Tanıtım, İstanbul. 2003
* **Osmanlı İmpraturluğu Tarihi-1.** Ahmet Cevdet Paşa.
Publisher: İlgi Kültür Sanat Ayıncılık, İstanbul. 2011
* **Cam-i Cem-Ayin.** Bayatlı Mahmud Oğlu Hasan.
Publisher: Sadeleştiren Kırzıoğlu Fahrettin, Türkiye Yayınevi, İstanbul.
* **Osmanlı Sultanları Tarihi.** Karamanlı Nişançı Mehmed Paşa. Translator: Konyalı İbrahim Hakkı.
Publisher: Türkiye Yayınevi, İstanbul
* **Tevarih-i Al-i Osman.** Aşık Paşaoğlu. Translator: Düzenliyen Çiftçioğlu Nç Atsız.
Publisher: Türkiye Yayınevi, İstanbul. 1947
* **Behcetüttevarih.** Şukrullah. Translator: Çiftçioğlu N. Atsız.
Publisher: Türkiye Yayınevi, İstanbul. 1947
* **Dastan Ve Tevarih-i Müluk-i Al-i Osman.** Ahmedi.
Publisher: Düzenliyen Çiftçioğlu N. Atsız, Bilim ve Sanat Kütüphanesi. 1949
* **Selçuklular Tarihi ve Türk-İslam Medeniyeti.** Prof.Dr Osman Turan.
Publisher: Turan Neşriyat Yurdu, İstanbul. 1969

* **Anadolu Selçuki Devleti Tarih.** İbn Bibi'nın Farsça Muhtasar Selçuknamesinden. Translator: M. Nuri Gencosman.
Publisher: Ankara Uzluk Basımevi. 1941
* **Camiüd-Düvel: Osmanlı Tarihi (1299-1481).** Müneccembaşı Ahmed B. Lütfullah. Translator: Ahmed Ağırakça.
Publisher: İnsan Yayınlığı, İstanbul. 1995
* **Kayı 1: Ertuğrul'un Ocağı.** Prof. Ahmet Şimirgil.
Publisher: Timaş Yayınları, İstanbul. 2013
* **Babailer İsyanı.** Ahmet Yaşar Ocak.
Publisher: Dergah Yayınları, İstanbul. 1980
* **Osmanlı Devleti'nın Kuruluşu: Efsaneler ve Gerçekler.** Ahmet Yaşar Ocak.
Publisher: Imge Kitabevi Yayınları, 2000
* **Sarı SaltıkŞ Popüler İslam'ın Balkanlar'daki Destani öncüsü.**
Publisher: Türk Tarih Kurumu Basımevi. 2000
* **Yunus Emre.** Abdülbaki Gölpınarlı.
Publisher: Varlık Yayınevi. 1975
* **Osmanlı Tarihi. Cilt 1.** Kadir Mısıroğlu.
Publisher: Sebil Yayınevi, İstanbul. 2013
* **Devlet Kuran Kahramanlar.** Safa Öçal.
Publisher: Türk Dünyası Araştırmaları Vakfı, İstanbul. 1987
* **İslam Kahramanları-3 Asr-ı Saadet'ten.** Sadık Dana.
Publisher: Ekram Yayın San. Ve Tic A.Ş, İstanbul. 2011
* **Hacı Bektaş Veli.** İsmet Zeki Eyuboğlu.
Publisher: Özgür Yayın Dağıtım, İstanbul. 1989
* **Hacı Bektaş Veli.** Turan Bozkurt.
Publisher: Yılmaz Basım. 2012

ترکمنی و آذری:

* اوغوزنامه، یازان فضل الله رشید الدین، چنویرن ر،م، شوکوراووا،
ناشر: انتشارات ائلدار تبریز، اشاعت: ۱۳۸۴ هجری
* اوغوز نامه (منظوم به آزری)، اوستاد موسی هریسی نژاد،
ناشر: انجمن دوستداران فرهنگی سردرود، اشاعت: ۱۳۸۳ هجری
* شجره التراکمه: ترکی آذربائیجانی، ابوالغازی بهادر خان، ترجمه و تدوین: م، کریمی،
ناشر: انتشارات پینار، اشاعت: ۱۳۸۹ هجری
* بیرم خان: خانان ترکمن خلق نینگ بیوک شخصیت وشاعری، تیارلان ژورنالیست عبدالمجید توران،
ناشر: انجمن فرهنگی مخدومقلی فراغی، اشاعت: ۱۳۷۸ هجری
* **Seljuk Türkmenlerının Taryhy 1.** Yazyjy Ogly Aly. Tayyarlan. Rahmanberdi Godarow, Aşgabat. 2004 (Türkmenistan)

انگریزی:

* **A History of Ottoman Empire.** Dulgas A. Howard.
Publisher: Cambridge University Press, UK. 2017.
* **Encyclopedia of the Ottoman Empire.** Gabor Agoston and Bruce Masters.
Publisher: Facts on File Publishers, USA. 2009.
* **Ottoman History Misperceptions and Truths.**
Ahmed Akgünduz. Said Öztürk.
Publisher: IUR Press. 2011
* **The MOHAMMADAN Dynasties.** Stanley Lane Poole.
Publisher: Archibald Constable and Company. 1893

ALSO BY BOOK CORNER



www.bookcorner.com.pk bookcornershowroom bookcornerjhelum